تاریخِ اسلام

مؤلفہ

شاہ معین الدین احمد ندوی

حصۂ اوّل

عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ

آغازِ اسلام سے لیکر خلافتِ راشدہ کے اختتام تک

اسلام کی مذہبی سیاسی تمدنی اور علمی تاریخ

ناشر

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

تاریخِ اسلام

مؤلفہ

شاہ معین الدین احمد ندوی

حصۂ اوّل

عہدِ رسالت و خلافت راشدہ

آغازِ اسلام سے لیکر خلافتِ راشدہ کے اختتام تک

اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ

ناشر

سعید ایچ ایم کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
ACC. No. 02541
MAILSI

بہ استفادہ نسخہ معارف پریس اعظم گڈھ

حسب اجازت

حکومت پاکستان (سندھ) کراچی

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

★

تاریخ اشاعت اکتوبر ۱۹۷۳ء

۲۹۷۰۹
م
ت
۶۶۵

قیمت مجلد جلد اوّل کا حصہ اول ۱۶/۵۰

مطبوعہ

ایجوکیشنل پریس مالکان ایچ۔ ایم سعید کمپنی

ادب منزل۔ پاکستان چوک کراچی

فہرست

تاریخ اسلام حصّہ اوّل

مضمون	صفحہ
ابتدائیہ	س
دیباچہ طبع دوم	ص
دیباچہ طبع اول	ق
عرب قبل از اسلام	
وجہ تسمیہ	۱
جغرافیہ	״
قدیم تاریخ	۲
بعثت ابراہیمی	״
تعمیر کعبہ	۳
آل اسمٰعیل	״
خاندان قریش کی بنیاد اور ان کا نظام	۴
ظہور اسلام سے پہلے عرب اور دنیا کی مذہبی اخلاقی اور سیاسی حالت۔	۶
دعوت توحید کے لئے عرب کا انتخاب۔	۱۲
ہاشم کے خدمات اور کارنامے۔	۱۳

مضمون	صفحہ
عبدالمطلب	۱۳
عبداللہ	۱۴
ولادت باسعادت	
ولادت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)	۱۴
حضرت حلیمہؓ کی پرورش اور حضرت آمنہؓ کا انتقال۔	״
ابو طالب کی پرورش اور شام کا سفر	۱۵
ایک جنگ میں شرکت۔	۱۶
تجارت کا شغل	״
حضرت خدیجہؓ سے شادی۔	״
حلف الفضول میں شرکت۔	۱۷
تعمیر کعبہ	۱۸
نبوت کی تمہید	״
بعثت (ظہور اسلام)	

مضمون	صفحہ
دعوت اسلام کا مخفی آغاز ۔	۲۰
علانیہ تبلیغ	۲۱
مشرکین مکہ کیجانب سے مخالفت کا آغاز	۲۲
ابوطالب سے شکایت، ان کا جواب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقلال	،،
قریش کی ایذارسانی ۔	۲۳
دنیاوی ترغیبات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ۔	۲۳
حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام	۲۴
مسلمانوں پر مشرکین کا جور وستم	،،
حبشہ کی ہجرت ۔	۲۵
مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے کی کوشش اور اس میں ناکامی ۔	،،
حبشہ کی دوسری ہجرت	۲۷
بنی ہاشم کا مقاطعہ، شعب ابی طالب میں نظربندی اور رہائی ۔	۲۷
معراج اور فریضۂ نماز	۲۸
ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال	،،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذارسانی	،،
تبلیغ کے لئے طائف کا سفر، ناکامی اور واپسی ۔	۲۹
مطعم بن عدی کی زیرحمایت فریضۂ تبلیغ میں وسعت	،،
انصار کی بیعت اور مدینہ میں اسلام کی اشاعت	۳۰
ہجرت	
ہجرت کا عزم اور انصار کا عہد وپیمان	۳۱
صحابہؓ کی ہجرت مدینہ ۔	۳۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش اور کاشانۂ نبوی کا محاصرہ ۔	،،
ہجرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)	۳۲
تعاقب اور مشرکین کی ناکامی	۳۳
اہل مدینہ کا انتظار	۳۴
قبا میں ورود اور مسجد قبا کی تاسیس	،،
مدینہ میں داخلہ، انصار کا جوش اور ابوایوب انصاریؓ کے یہاں قیام ۔	۳۴
تعمیر مسجد اور نماز باجماعت کا اہتمام	۳۵
مہاجرین اور انصار میں رشتۂ اخوت اور انصار کا بے نظیر ایثار ۔	،،
یہود مدینہ سے معاہدہ	۳۶
کعبہ کا قبلہ قرار پانا	۳۷
یہودیوں کی مخالفت کا آغاز	،،
مسلمانوں کی عام مخالفت اور مدینہ پر حملہ کا خطرہ	،،
غزوات	

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
حفاظت اور مدافعت کی تدبیریں۔	۳۹	عمرہ	۵۷
مدینہ کی چراگاہ پر حملہ۔	″	صلح حدیبیہ	″
سریۂ عبداللہ بن جحشؓ	″	بیعت رضوان	۵۸
غزوۂ بدر	۴۰	سلاطین کو دعوت اسلام کے خطوط اور	
اسیران جنگ سے حسن سلوک	۴۲	اُن کے جوابات اور اس کے نتائج،	۶۰
قریش کا جوش انتقام اور غزوۂ سویق	″	غزوۂ خیبر	۶۲
متفرق واقعات	۴۳	وادی القریٰ	۶۵
غزوۂ اُحد	″	ادائے عمرہ	″
متفرق واقعات	۴۸	غزوۂ موتہ، ۸ھ	″
مختلف سرایا، ۴ھ	″	فتح مکہ	۶۶
متفرق واقعات	۴۹	غزوۂ حنین	۷۰
یہودیوں کی مخالفت اور اس کے اسباب	″	اوطاس	۷۱
غزوۂ بنی قینقاع	۵۰	طائف کا محاصرہ	۷۲
کعب بن اشرف کی فتنہ انگیزیاں اور اس کا قتل	۵۱	تقسیم غنائم	″
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش	۵۲	غزوۂ تبوک	۷۴
غزوۂ بنی نضیر	″	حج اور اعلان برأت	۷۵
غزوۂ بنی المصطلق	۵۳	چھوٹے چھوٹے سریے	″
واقعۂ افک	۵۴	جنگ میں اسلام کی اصلاحات	۸۰
غزوۂ احزاب	″		
		مذہبی انتظامات	
بنی قریظہ کا خاتمہ	۵۵		
حضرت زینبؓ سے نکاح	۵۶	تبلیغ و دعوتِ اسلام	۸۲
پردہ کا حکم	″	وفود	۸۹

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
دعاۃ اور معلمین کی تعلیم	۸۹	حضرت عمرؓ کی وارفتگی اور حضرت ابوبکرؓ کا استقلال	۱۱۷
تعمیر مساجد	۹۲	تجہیز و تکفین	۱۱۸
ائمہ نماز	۹۳	متروکات	″
موذنین	۹۴	**ازواج مطہرات و اولاد امجاد**	
تاسیسِ حکومت		ازواج مطہرات	۱۱۹
فوج اور امیر العسکری	۹۶	حضرت خدیجہؓ	۱۲۰
افتا	″	حضرت سودہ بنت زمعہؓ	″
مقدمات کا فیصلہ	″	حضرت عائشہؓ	۱۲۱
کاتب	″	حضرت حفصہؓ	″
احتساب	″	ام المساکین حضرت زینبؓ	″
عمال کا جائزہ	۹۷	حضرت ام سلمہؓ	″
حکام اور ولاۃ	″	حضرت زینبؓ	۱۲۲
محصلین صدقات	۹۸	حضرت جویریہؓ	″
محاصل کے اقسام اور اس کے مصارف	۹۹	حضرت ام حبیبہؓ	″
شریعت کی تاسیس و تکمیل	۱۰۱	حضرت میمونہؓ	۱۲۳
حجۃ الوداع		حضرت صفیہؓ	″
		اولاد امجاد	۱۲۴
خطبۃ الوداع	۱۰۳	قاسمؓ	″
		ابراہیمؓ	″
وفات		حضرت زینبؓ	″
واقعہ قرطاس	۱۱۲	حضرت رقیہؓ	۱۲۵

مضمون	صفحہ
حضرت ام کلثومؓ	۱۲۵
حضرت فاطمہ زہراءؓ	״
اخلاق نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)	״
اسلام کی تعلیمات کا اثر	۱۲۶
حضرت ابوبکر صدیقؓ	
سنہ ۱۲ھ تا سنہ ۱۳ھ — ۶۳۲ء تا ۶۳۴ء	
مختصر حالات	۱۲۸
سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت	۱۳۰
حضرت علیؓ کی بیعت میں تاخیر کا سبب	۱۳۲
قبائل میں شورش وانقلاب کا آغاز	۱۳۳
اُسامہ بن زیدؓ کی مہم	۱۳۴
مدعیان نبوت کا استیصال	۱۳۵
خود سر مرتد امراء کا استیصال	۱۳۶
منکرین زکوٰۃ کی تادیب	״
فتوحات	
ایران وروم کی مخالف حکومتیں	۱۳۷
ایران کی سیاسی حالت	۱۳۸
عراق پر عرب قبائل کا حملہ	״
عراق پر فوج کشی اور فتوحات	۱۳۹
عرب اور رومیوں کے تعلقات	۱۴۴

مضمون	صفحہ
شام پر فوج کشی اور فتوحات	۱۴۵
عدالت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف	۱۴۷
آخری وصیتیں اور وفات	״
عہد صدیقی پر مختصر تبصرہ	״
نظام خلافت	
ملکی انتظام	۱۴۹
حکام کے انتخاب میں احتیاط اور ان کو مفید نصیحتیں۔	۱۵۰
مالی انتظام	۱۵۱
فوجی نظام	۱۵۲
ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت۔	״
مذہبی خدمات	۱۵۳
تحفظِ دین	״
تدوین قرآن	״
علمی کمالات	۱۵۶
سیرۃ الصدیقؓ	״
حضرت عمر بن خطابؓ	
سنہ ۱۳ھ تا سنہ ۲۴ھ — ۶۳۴ء تا ۶۴۵ء	
تذکرۂ عمرؓ	۱۵۸
خلافت وفتوحات	

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عراق کی مہم اور فتوحات	۱۶۰	سیستان	۱۸۰
واقعہ بویب ۱۴ھ اور ایرانیوں کی شکست	۱۶۲	مکران	۱۸۱
ایرانیوں کا جوش	۱۶۳	خراسان کی فتح اور یزدگرد کا آخری مقابلہ	”
حضرت عمرؓ کی تیاریاں	”	شام کی فتوحات	۱۸۳
اسلامی سفارت	۱۶۴	اردن کی فتح	۱۸۴
قادسیہ کی جنگ	۱۶۶	حمص وغیرہ کی فتح	۱۸۵
ایران کے پایۂ تخت مدائن پر قبضہ	۱۶۸	ہرقل کے دربار میں رومیوں کی فریاد اور	
جلولاء کا معرکہ	۱۶۹	ان کا جوش و خروش۔	”
حلوان پر قبضہ	۱۷۰	مسلمانوں کی تیاریاں	۱۸۶
جزیرہ	”	یرموک کا فیصلہ کن معرکہ	”
تکریت پر قبضہ	۱۷۱	بیت المقدس کی فتح	۱۸۸
خوزستان	”	حمص کی بغاوت	۱۹۱
عراق عجم پر فوج کشی اور نہاوند کا معرکہ	۱۷۲	خالد بن ولید کی معزولی	”
ایران پر عام لشکر کشی	۱۷۵	طاعون عمواس	۱۹۳
اصفہان	۱۷۶	قیساریہ کی فتح	۱۹۴
ہمدان کی بغاوت	”	مصر کی فتوحات	”
رے وغیرہ کی فتح	۱۷۷	فسطاط کا محاصرہ اور فتح	۱۹۵
طبرستان	”	اسکندریہ کی تسخیر	۱۹۶
آذربائیجان	”	متفرق فتوحات	۱۹۷
آرمینیہ	۱۷۸	طرابلس الغرب کی تسخیر	”
فارس	۱۷۹	حضرت عمرؓ پر حملہ اور شہادت	”
کرمان	۱۸۰	جانشین	۱۹۸

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
آخری وصیتیں	١٩٩	فقہ کی خدمت	٢١٧
وفات	"	تعمیر مساجد	٢١٨
اولاد	"	تبلیغ اسلام	"
فاروقی کارنامے		حرم کی توسیع	٢٢٠
		مسجد نبوی کی توسیع	"
فتوحات پر تبصرہ	٢٠٠	رفاہ عام کے کام	"
حضرت عمرؓ کا حقیقی کارنامہ	٢٠١	عدل و مساوات	٢٢١
شوریٰ	٢٠٢	غیر قوموں کے حقوق اور ان کے ساتھ	
عہدہ داروں کا انتخاب	٢٠٣	طرز عمل۔	٢٢٢
عمال کے اختیارات، فرائض اور		جزیہ کی بحث	٢٢٤
ان کا محاسبہ۔	"	رعایا کی خبرگیری	٢٢٦
صیغۂ عدالت	٢٠٥	مساوات	٢٢٩
پولیس	٢٠٧	بیت المال کی حفاظت	٢٣١
جیل خانے	"	فضل و کمال	٢٣٣
صیغۂ محاصل	٢٠٨	سیرۃ الفاروقؓ	٢٣٦
محکمۂ آب پاشی اور مختلف قسم		خشیت الٰہی	"
کی آمدنیاں۔	٢١٠	آیاتِ قرآنی سے تاثر	٢٣٧
بیت المال	٢١١	حب رسولؐ	"
صیغۂ فوج	٢١٢	متعلقین رسالت کا لحاظ	٢٣٨
صیغۂ تعلیم اور اشاعت اسلام	٢١٥	پابندئ سنت	"
تعلیم قرآن	"	زہد و قناعت	٢٣٩
حدیث کی خدمت	٢١٦	سادگی	٢٤٠

مضمون	صفحہ
احتساب نفس	۲۴۰
مزاج	”
ذریعۂ معاش	۲۴۱
غذا ولباس	”
اولیات	۲۴۲

حضرت عثمانؓ بن عفان

۲۴ھ تا ۳۵ھ — ۶۴۵ع تا ۶۵۵ع

مضمون	صفحہ
ترجمہ عثمانؓ	۲۴۵
بیر رومہ کی خریداری	۲۴۶

خلافت اور فتوحات

مضمون	صفحہ
پہلا مقدمہ	۲۴۹
اسکندریہ کی بغاوت	”
آرمینیہ اور آذربائیجان کی بغاوت اور بعض فتوحات۔	۲۵۰
عمرو بن العاصؓ کی معزولی	۲۵۱
طرابلس کی فتح	”
اسپین پر حملہ	۲۵۲
قبرص کی فتح	”
حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی معزولی	۲۵۳
ایران کی بغاوت اور فارس پر قبضہ	۲۵۴
ولید بن عقبہ کی معزولی	”
طبرستان کی فتح	”
خراسان	”
طخارستان کی فتح	۲۵۵
کرمان اور سجستان پر قبضہ	”
کش اور دوار کی فتوحات	۲۵۶
غزنہ کی فتح	۲۵۷
سواحل شام پر رومیوں کا حملہ	”
متفرق فتوحات	”

انقلاب اور شہادت

مضمون	صفحہ
عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی	۲۶۰
اس کی کامیابی کے اسباب	۲۶۱
کوفہ میں مخالفت	۲۶۳
حضرت عثمانؓ کے خلاف پہلا عملی اقدام	”
عمال سے حضرت عثمانؓ کا مشورہ	۲۶۴
حضرت علیؓ کا مشورہ	۲۶۵
تحقیقاتی کمیشن	۲۶۶
اعلان عام	”
عمال کی طلبی	۲۶۷
مخالفین کے اعتراضات اور اس کی حقیقت	۲۶۸

مضمون	صفحہ
اکابر صحابہؓ سے مشورہ اور جوارِ رسول کو چھوڑنے سے انکار	۲۷۸
مدینہ پر باغیوں کی یورش	۲۷۹
حضرت عثمانؓ پر حملہ	"
مصریوں کی یورش	"
دوسری یورش اور خلافت سے دست برداری کا مطالبہ	۲۸۰
محاصرہ	۲۸۱
اتمام حجت کے لئے تقریریں۔	۲۸۲
جانثاروں کے مشورے اور مقابلہ کے لئے اجازت طلبی۔	۲۸۴
شہادت کی تیاری	۲۸۵
شہادت	۲۸۶
تجہیز و تکفین	۲۸۷
صحابہؓ پر اثر	"
شہادت کے نتائج۔	۲۸۸
ازواج واولاد	۲۸۹
عہد عثمانی پر تبصرہ	
بغاوتوں کا استیصال	۲۸۹
فتوحات	۲۹۰
نظامِ خلافت	"

مضمون	صفحہ
مجلس شوریٰ	۲۹۰
بعض تبدیلیاں	"
عمال کا احتساب اور ان کی نگرانی	"
بیت المال کے محاصل و مصارف	۲۹۲
صیغۂ فوج	"
بحری فوج اور اسلامی بیڑہ	۲۹۳
رفاہ عام کے کام	۲۹۴
بندِ مہروز	"
مسجد نبویؐ کی تعمیر	"
مصحف صدیقی کی اشاعت	۲۹۵
مؤذنوں کی تنخواہ	"
متفرق واقعات	"
فضل و کمال	۲۹۶
سیرۃ الغنی	۲۹۷
خشیت الٰہی اور رقت قلب	۲۹۸
مواخذۂ قیامت کا خوف	"
حضرت عثمانؓ کے ساتھ محبت نبویؐ	"
محبت رسول	"
احترام رسول	۲۹۹
اتباعِ سنت و پاس فرمان رسولؐ	"
انفاق فی سبیل اللہ	"
فیاضی	"

مضمون	صفحہ
حیا	۲۹۹
صبر و تحمل	۳۰۰
تواضع	"
ذریعہ معاش	"
غذا و لباس	۳۰۱
حضرت علیؓ بن ابی طالب	
۳۵ھ یا ۴۰ھ / ۶۵۶ء یا ۶۶۱ء	
ترجمہ علیؓ بن ابی طالب	۳۰۲
خلافت	
بیعت خلافت	۳۰۴
قاتلین عثمان کی تلاش میں ناکامی اور اس کے نتائج۔	۳۰۵
امیر معاویہؓ کی معزولی اور ان کی مخالفت	۳۰۶
امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں	۳۰۷
اصلاح و قصاص کے لئے حضرت عائشہؓ کی آمادگی۔	۳۰۸
بصرہ کی روانگی	۳۱۰
حضرت علیؓ کی تیاریاں	۳۱۲
محتاط صحابہؓ کی روش	۳۱۴
مدینہ سے روانگی	"

مضمون	صفحہ
کوفہ اور بصرہ کی مدد	۳۱۴
حضرت عائشہؓ سے مصالحت کی کوشش	۳۱۵
سبائیوں کی فتنہ انگیزیاں	۳۱۷
مخالفین صلح کی فتنہ انگیزی اور حضرت علیؓ و طلحہؓ و زبیرؓ کی مصالحانہ کوشش۔	۳۱۸
صلح کا انعقاد	۳۱۹
سبائیوں کی فتنہ انگیزی	۳۲۰
حضرت زبیرؓ کی علیحدگی اور شہادت	"
حضرت طلحہؓ کی شہادت	۳۲۱
ام المومنین کے اونٹ کے گرد جانثاروں کی جانبازی۔	"
جنگ کا خاتمہ	۳۲۲
حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حضرت علیؓ کی حاضری۔	۳۲۳
کوفہ کا دار الخلافہ قرار پانا۔	۳۲۴
عمال کا تقرر۔	۳۲۵
امیر معاویہؓ کو بیعت کی دعوت	"
شام میں حضرت علیؓ کے خلاف پروپگنڈہ	۳۲۷
حضرت علیؓ کو حالات کی اطلاع	۳۲۸
حضرت علیؓ کی تیاریاں اور مصالحت کی کوششیں۔	۳۲۸
حضرت علیؓ کی روانگی	۳۳۱

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عراقی اور شامی مقدمۃ الجیش کا سامنا	۳۳۱	مصالحت	۳۵۶
صفین میں شامیوں کی مورچہ بندی	،،	فتوحات	،،
حضرت علیؓ کا ورود اور پانی کے لیے کشمکش	۳۳۲	بغاوتوں کا استیصال	،،
میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش	،،	حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ	۳۵۷
جنگ کا آغاز	،،	ازواج واولاد	۳۵۸
مصالحت کی آخری کوشش اور ناکامی	۳۳۳	**عہد مرتضویؓ پر ایک نظر**	
خونریز لڑائیوں کا سلسلہ	،،		
لیلۃ الہریر کی فیصلہ کن جنگ	۳۳۴	نظامِ خلافت کی اصلاح	۳۶۳
علوی فوج میں اختلاف	۳۳۵	فوج	۳۶۴
تحکیم کی تجویز اور حکم کا انتخاب	۳۳۶	صیغۂ مال	،،
تحکیم کا عہد نامہ	۳۳۷	عمال کی اخلاقی نگرانی	،،
حکمین کی گفتگو۔	۳۳۸	خراج کی آمدنی کا احتساب	۳۶۶
فیصلہ کا اعلان	۳۴۰	بیت المال کی حفاظت	،،
خوارج کی سرکشی۔	۳۴۲	ذمیوں کے ساتھ نرمی	۳۶۷
نہروان میں اجتماع	۳۴۴	عدل ومساوات	۳۶۸
خوارج کو دعوت اتحاد	،،	بازار کی نگرانی	۳۶۹
اتمام حجت	۳۴۵	فضل وکمال	،،
خوارج کی شکست	۳۴۷	سیرۃ المرتضیٰ	۳۷۳
علوی فوج کی کمزوری	۳۴۸	زہد	،،
مصر پر امیر معاویہؓ کا قبضہ	،،	عبادت وریاضت	۳۷۴
امیر معاویہؓ کی پیشقدمی اور اس کے نتائج۔	۳۵۲	انفاق فی سبیل اللہ	۳۷۵
		امانت ودیانت	،،

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
شجاعت	۳۷۶	قیس بن سعد اور امیر معاویہؓ میں مصالحت	۳۸۶
لباس وغذا	"	مصالحت کے اثرات ونتائج۔	۳۸۷
سیرت مرتضوی پر ایک جامع تبصرہ	"	وفات	"
حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما		جنازہ پر جھگڑا	۳۸۸
سنہ ۴۰ھ ۶۶۱ء - سنہ ۴۱ھ ۶۶۲ء		ماتم	"
		حلیہ	۳۸۹
ترجمہ حسنؓ	۳۷۸	ازواج واولاد	"
خلافت	"	حضرت حسنؓ کا عظیم الشان کارنامہ	"
پہلی تقریر	۳۷۹	سیرۃ الحسنؓ	۳۹۲
امیر معاویہؓ کا جارحانہ اقدام	"	فضل وکمال	"
مقابلہ کے لئے حضرت حسنؓ کی روانگی		فضائل واخلاق	"
اور عراقی فوج کی غداری	۳۸۰	استغنا وبے نیازی	"
مصالحت اور دست برداری	۳۸۲	حلم	۳۹۳
شرائط صلح	"	عبادت	"
شرائط کی زبانی تصدیق	۳۸۴	اصلاح عقائد	۳۹۴
دست برداری کا اعلان	۳۸۵	فیاضی وسیر چشمی۔	"
مدینہ کا قیام	"	اہل حاجت کی حاجت براری	۳۹۵

تمام شد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ابتدائیہ

مسلمانوں نے تاریخ نویسی کے کام کو جس اہتمام اور جانفشانی سے انجام دیا اس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملتی۔ انھوں نے اپنے اسلاف کے بارے میں چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں لکھیں اور اسلامی تاریخ کی جزئیات و تفصیلات بیان کر کے آئندہ نسلوں کے لئے ایک مکمل ریکارڈ مہیا کر دیا۔ اگرچہ بیشتر تاریخی واقعات کی بنیاد روایات پر قائم کی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے بعض باتیں مشتبہ ہو گئی ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ روایتی انداز کی کمزوریوں کو کچھ دن بعد مسلمانوں نے ہی محسوس کر کے اس کو بدلنے کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ یہ فخر بھی اُن ہی کو حاصل ہے کہ انھوں نے روایت کے ساتھ درایت کو ملایا اور اس طرح فلسفہ تاریخ کی بنیاد رکھی۔

مسلمان مورخین کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ دنیا کی تمام قوموں کے مورخوں کی مجموعی تعداد بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یونانیوں کو اپنے ایک مورخ ہیروڈوٹس پر ناز ہے اور اہل یورپ اُس کو تاریخ کا ابوالآبا قرار دیتے ہیں۔ لیکن ملت مسلمہ میں نہ معلوم کتنے مورخ ایسے پیدا ہوئے جن کا درجہ ہیروڈوٹس سے کہیں بلند ہے۔ مسلمان مورخین کی کثرت تعداد کا کچھ اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری (۳۳۲ھ) میں مسعودی نے "مروج الذہب" تصنیف کی تو اس نے اس کتاب کے دیباچہ میں تقریباً اسی ایسے مورخین کے نام لکھے جو اس سے پہلے ہو چکے تھے۔ اُس کے کچھ عرصہ بعد ابن الندیم نے اپنی کتاب "الفہرست" میں متعدد مورخوں اور سیکڑوں تاریخ کی کتابوں کا ذکر کیا۔

مسلمانوں نے سیرت نگاری اور اخبار و آثار پر دوسری صدی ہجری کے وسط سے ہی کتابیں تصنیف کرنی شروع کر دی تھیں۔ چنانچہ ابن اسحٰق۔ ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ۔ الواقدی اور ابن سعد نے اسی صدی میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے۔ لیکن باقاعدہ تاریخ نویسی تیسری صدی میں شروع ہوئی۔ المدائنی ابن قتیبہ دینوری۔ بلاذری۔ ابو حنیفہ دینوری۔ یعقوبی اور طبری نے تیسری صدی کے ختم ہونے سے پہلے ہی تاریخ کی ضخیم کتابیں مرتب کر ڈالیں۔ ان مورخین میں ابن جریر طبری کا کارنامہ نہایت

واقع ہے۔ اُس کی کتاب "تاریخ الرسل والملوک" آئندہ مؤرخین کے لئے اسلام کی پہلی تین صدیوں کی تاریخ کا اہم ترین ماخذ بنی اور اُس کی یہ حیثیت آج بھی قائم ہے۔ تیسری صدی ہجری کے بعد مسعودی۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ ابن خلدون۔ المقریزی۔ المقرّی جلال الدین سیوطی وغیرہ کی تصانیف منصۂ شہود پر آئیں جنھوں نے مسلمانوں کے تاریخی لٹریچر میں معتدبہ اضافہ کیا۔

جب تک مسلمانوں نے تاریخ نویسی کے کام کو جاری رکھا انھوں نے کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے اس علم کو کافی ترقی دی۔ لیکن حسب ذیل دو وجوہ کی بنا پر تاریخ اسلام پر ایسی کتابیں تقریباً نایاب ہیں جو تمام پہلوؤں کو محیط ہوں یا جن میں مندرج تمام واقعات کو بغیر جانچ پڑتال کئے پورے بھروسے کے ساتھ اخذ کیا جا سکے۔

(۱) مسلمانوں نے تاریخ نویسی کی ابتداء سیر و مغازی سے کی تھی۔ لہٰذا انھوں نے زیادہ زور سیرت نگاری اور فتوحات پر دیا اور دوسرے پہلوؤں کو یا تو یکسر نظر انداز کر دیا یا سرسری طور پر اُن سے گذر گئے اسی کا نتیجہ ہے کہ اگر انتظام حکومت۔ تمدنی حالت اور نظام تعلیم کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ہو تو بڑی کوشش و کاوش کے بعد بہت کم مواد ملتا ہے یا سرے سے ملتا ہی نہیں۔

(۲) شروع میں تاریخ کی بنیاد روایت پر قائم کی گئی تھی لیکن تاریخی واقعات کے سلسلہ میں روایات اور راویوں کے جانچنے میں اتنی احتیاط نہیں برتی گئی جتنی دینی مسائل کی احادیث کے قبول کرنے میں کی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے بہت سی ضعیف اور غلط روایتیں تاریخ اسلام کا جزء بن گئیں اس قباحت کو محسوس کر کے بعد میں ابن خلدون نے درایت سے کام لینے کی تجویز پیش کی لیکن مسلمان اُس کی تجویز پر عمل نہ کر سکے اور آئندہ بھی روایت کا اصول ہی مقبول رہا۔ چنانچہ سو سال بعد جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء مرتب کی تو وہ روایت کے دائرے سے باہر نہ نکل سکے۔ موجودہ مورخین کے سامنے روایتوں کا یہی ذخیرہ ہے جس سے انھیں کام لینا پڑتا ہے۔ چونکہ کئی صدیوں کے واقعات کی جانچ پرکھ اب ایک دشوار کام ہو گیا ہے اس لئے اگلوں نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہی بتغیر الفاظ آج کل کی کتابوں میں بھی درج ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے مطالعہ تاریخ کا جو مقصد ہے وہ پورا نہیں ہوتا۔

برصغیر میں اس چیز کو سب سے پہلے شبلی مرحوم نے محسوس کیا اور انھوں نے اُردو زبان میں کچھ کتابیں اور مقالے لکھ کر تاریخ نویسی کا انداز بدل دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اس کو ایک

تحریک کی شکل دے کر ایک ایسی جماعت تیار کی جو اُن کے بعد بھی اُن کے قائم کیے ہوئے خطوط پر کام کرتی رہے۔ چنانچہ انتہائی نامساعد حالات کے باوجود دارالمصنفین اعظم گڑھ میں یہ کام ہو رہا ہے اور ندوہ کے فاضلوں کی ایک جماعت مادی فائدوں سے بے نیاز ہو کر خصوصیت سے تاریخی لٹریچر تیار کر رہی ہے۔

دارالمصنفین کی معیاری کتابوں میں چار جلدوں کا ایک سٹ "تاریخ اسلام" پر بھی شائع ہوا ہے۔ اس کے مصنف مدیر معارف جناب شاہ معین الدین احمد ندوی ہیں۔ یہ کتاب اب سے کئی سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اسوقت سے پورے برصغیر میں اس سے استفادہ کیا جارہا ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کے کئی اسباب ہیں۔ سب سے پہلا سبب مصنف کا واقعات میں اعتدال سے کام لینا اور استدلال کیساتھ اُن کو پیش کرنا ہے۔ دوسرا سبب کتاب کی جامعیت ہے۔ چنانچہ اُردو زبان میں یہ واحد کتاب ہے جس میں بڑے اچھے انداز سے طرز حکومت۔ تمدنی حالات اور اقتصادی و معاشرتی حالات کو بیان کیا گیا ہے کسی جگہ بھی مناظرانہ طرز اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ ہر دور کی کامیابیوں اور ناکامیوں خوبیوں اور خامیوں کو علل و اسباب اور نتائج کے ساتھ درج کر دیا گیا ہے۔ سلاست و شگفتگی اور سلجھا ہوا انداز ہر جگہ قاری کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

اس تصنیف کی ان ہی خوبیوں کی وجہ سے ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں ایک عام قاری بھی جو تاریخ اسلام کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہتا ہے اس کی نظر انتخاب اسی پر پڑتی ہے اور وہ طلبہ بھی جو اعلیٰ امتحانات کے لئے تیاری کرتے ہیں اسی کو کامیابی کی کلید سمجھتے ہیں۔

جب تک ہندوستان سے کتابوں کی آمد جاری تھی اُس وقت تک پاکستان کے تاریخ اسلام سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اِس کتاب سے برابر استفادہ کرتے رہے لیکن جب سے یہ سلسلہ منقطع ہوا شائقین اور ضرورتمندوں کو بڑی دقت پیش آرہی ہے۔ اُن کی اس دقت و پریشانی کو رفع کرنے کے خیال سے کتاب ہذا کو محبی حاجی محمد زکی صاحب مالک ایچ ایم سعید کمپنی وایجوکیشنل پریس کراچی نے شائع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ امید ہے کہ یہ پیشکش قارئین کے دل سے محرومی کا داغ دھو دے گی

وَمَا تَوْفِيقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ

محمد ایوب قادری

اُردو کالج کراچی
جون سنہ ۱۹۷۳

کتب خانہ ... مشتاق احمد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچۂ طبع دوم

الحمدللہ کہ سلسلۂ تاریخِ اسلام کو بڑا حسن قبول حاصل ہوا، علمی و تعلیمی حلقوں نے خصوصیت کے ساتھ اس کی قدر افزائی کی، جن یونیورسٹیوں میں تاریخِ اسلام پڑھائی جاتی ہے ان میں سے بعض نے اس سلسلہ کو اپنے نصاب میں شامل کر لیا اور جن کے نصاب میں انگریزی کی کوئی کتاب ہے، اس کے طلبہ بھی سہولت کے خیال سے اسی کا مطالعہ کرتے ہیں، اسی لئے چند سال کے اندر اس کے کئی حصے ختم ہو گئے جو اس وقت زیر کتابت و طباعت ہیں، ان کے پہلے اڈیشن میں جو فروگذاشتیں اور خامیاں رہ گئی تھیں ان کی اس میں اصلاح کر دی گئی ہے، اور بعض نئے اضافے بھی کئے گئے ہیں، خصوصاً اس جلد کے بعد کے حصوں میں زیادہ تغیرات ہوئے ہیں جن کی تفصیل ان میں آئے گی، اور اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو نافع بنائے،

۶ ر رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ
مطابق ۱۴ ر جولائی ۱۹۴۸ء

فقیر معین الدین احمد ندوی
دار المصنفین اعظم گڈھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع اوّل

دار المصنفین کے پیش نظر کاموں میں ایک اہم کام ایک مکمل اور مفصل "تاریخ اسلام" یعنی ان تمام اسلامی حکومتوں کی تاریخ کی تالیف تھا جو شروع سے اس وقت تک دنیا کے مختلف حصوں میں قائم ہوئیں،

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اس قسم کی کتابیں یورپ کی زبانوں میں تو موجود ہوں، مگر خود آٹھ کرور مسلمانوں کی زبان میں نہ ہو، گو اس قسم کی تاریخ اس لحاظ سے نہایت آسان ہے کہ کسی عربی فارسی پرانی تاریخ کا ترجمہ کر دیا جائے، مگر اہل نظر جانتے ہیں کہ زمانہ کا رنگ بدلا ہے، مذاقِ نو کا تقاضا کچھ اور ہے، تمدنی اور علمی حالات جو اس زمانہ میں بہت کم لکھے جاتے تھے، اب ان کے بغیر کسی دور کی تاریخ، تاریخ نہیں کہی جا سکتی، پھر ہندوستان میں مسلمان جس راستہ پر چل رہے ہیں اور محفل کا رنگ جس طرح بدل رہا ہے، اسے دیکھکر یہ امید بھی نہیں ہوتی کہ آیندہ مسلمان قوم اپنی تاریخ کو پڑھکر اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش کریگی بہرحال جن کے دلوں میں احساس ہے وہ اس کے لئے بیتاب ہیں کہ مسلمانوں کے سامنے ان کی تاریخ کا ایسا آئینہ رکھدیا جائے جس میں ان کے چہرہ کا ہر خط و خال نمایاں ہوجائے۔

ان اسباب سے اسلام کی اس اہم تاریخ کی تالیف کا کام دار المصنفین میں شروع کیا گیا تھا، اور اس کی مختلف جلدیں مختلف رفقاء کے سپرد کی گئی تھیں جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہیں گی، اس سلسلہ کی ابتدائی جلدیں جو دورِ نبوت، خلافت راشدہ، حکومت امویہ، عباسیہ اور ان تمام مشرقی حکومتوں اور ریاستوں سے متعلق ہیں، جو عرب، عراق، ایران، ترکستان، اور افغانستان وغیرہ ان ملکوں میں قائم ہوئیں، جو اس زمانہ میں مشرقی ممالک کہلاتے تھے، شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی کے سپرد کی گئی تھیں، چنانچہ سالہا سال کی محنت میں انھوں

نے یہ جلدیں ترتیب دی ہیں، ان میں کی پہلی جلد ہدیۂ ناظرین ہے، جس میں آغاز اسلام سے لے کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری تک کے حالات ہیں دوسری بنی امیہ اور تیسری جلد بنی عباس کی ہوگی، اس طرح کم وبیش بائیس ۲۲ مشرقی حکومتوں کی تاریخ ہوگی۔

اس پورے سلسلہ میں اسلام کے اخلاقی اثرات اور مسلمانوں کی تمدنی تاریخ کو خاص طور سے پیش نظر رکھا گیا ہے، یعنی اسلام سے پہلے دنیا کی اخلاقی حالت کیا تھی، اسلام نے کیا سبق دیا اپنی تعلیم کے اس نے کیسے نمونے پیدا کئے، انھوں نے خود کہانتک اس تعلیم پر عمل کیا، اور دوسروں کیساتھ کہانتک اسکو برتا، دنیا پر اس کے اثرات کیا پڑے اور انسانیت کو اس سے کیا فوائد پہنچے، مسلمانوں نے علم وفن کی کیا خدمت کی اور انسانی تہذیب وتمدن کا قدم کہاں سے کہاں پہنچایا،

اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور اس کے اثرات ونتائج کے اعتبار سے سب سے روشن زمانہ عہد نبوت اور خلافت راشدہ کا ہے، اس لئے اس حصہ میں اس پہلو کو خاص طور سے دکھایا گیا ہے، سیاسی تاریخ یعنی فتوحات وغیرہ میں اختصار سے کام لیا گیا ہے، اس کا کوئی ضروری پہلو چھوٹنے نہیں پایا ہے، لیکن اس کی جزوی تفصیلات سے کتاب کو طول نہیں دیا گیا ہے کہ ایسی کتابوں کی اُردو زبان میں کمی نہیں ہے۔

غلط، مشتبہ، مختلف فیہ اور قابل تحقیق واقعات پر بحث وتنقید کے بجائے مؤلف نے اپنے نقطۂ نظر سے صحیح اور مستند واقعہ لکھ دیا ہے، کہ تحقیق وتنقید کی تفصیلات میں پڑنے سے کتاب بہت بڑھ جاتی، امید ہے کہ تاریخ اسلام کا یہ پورا سلسلہ دس بارہ حصوں میں پورا اور مسلمانوں کی علمی وعملی تاریخ کا ذریعہ ہوگا۔

سید سلیمان ندوی
ناظم دار المصنفین، اعظم گڈھ

۱۳؍ شعبان سنہ ۱۳۵۸ھ
۱۹۳۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

عرب قبل از اسلام

وجہ تسمیہ عرب کی وجہ تسمیہ کے بارہ میں دو بیانات ہیں، ایک یہ کہ عرب کے لفظی معنی فصیح اللسان اور زبان آور کے ہیں، چونکہ عرب اپنی فصاحت اور زبان آوری کے مقابلہ میں ساری دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اس لئے اپنا نام عرب یعنی فصیح اللسان اور دوسری قوموں کا عجم یعنی ژولیدہ بیان رکھا تھا، دوسرا یہ کہ عرب مشتق ہے "عربہ" سے، جس کے معنی دشت و صحرا کے ہیں، چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا پر مشتمل ہے اس لئے سارے ملک کو عرب کہنے لگے۔

جغرافیہ جغرافی شکل کے اعتبار سے عرب جزیرہ نما ہے جس کے تین طرف پانی اور ایک سمت خشکی ہے مغرب میں بحیرۂ قلزم، آبنائے سویز اور بحیرۂ روم ہے، مشرق میں بحر ہند، خلیج فارس اور بحر عمان، جنوب میں بحر ہند، شمال کے حدود بہت مختلف ہیں، بعض جغرافیہ داں شام تک اس کے حدود وسعت دیتے ہیں۔

عرب کی اب تک باقاعدہ پیمائش اور مردم شماری نہیں ہوئی ہے، لیکن تخمینی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے جو جرمنی اور فرانس سے چوگنا ہے، اور آبادی ایک کرور کے قریب ہے، ملک کا

بڑا حصہ ریگستان و صحرا پر مشتمل ہے، ملک بھر مین پہاڑون کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے، عراق، یمن اور شام کے خطے شاداب و زرخیز ہین، محلِ وقوع کے اعتبار سے ہر مقام کی آب و ہوا جدا جدا ہے، لیکن عموماً گرم و خشک ہے۔

قدیم تاریخ عرب لسانی تقسیم کے اعتبار سے سامی ہین، مورخین نے انہی تین طبقات پر تقسیم کیا ہے، عرب بائدہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ، عرب بائدہ وہ قدیم طبقہ ہے جو تاریخی دور سے ہزارون سال پہلے مٹ چکا، عاد و ثمود کی قومین اسی طبقہ سے تھین، اشعار عرب اور بعض الہامی صحیفون کے علاوہ کسی تاریخ سے ان کے حالات کا پتہ نہین چلتا، عرب عاربہ کی جو قحطانی کہلاتے ہین تاریخ موجود ہے، یہ لوگ یمن کے آس پاس آباد تھے، یہی لوگ عرب کے اصلی باشندے ہین، اور عرب کی قدیم تاریخ ان ہی سے وابستہ ہے، عرب مین ان کی بڑی بڑی اور ترقی یافتہ حکومتین تھین، ان کے عظیم الشان محلات کے کھنڈر اب تک عرب مین پائے جاتے ہیں، جو ان کے دنیاوی جاہ و جلال کے شاہد ہین، تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے، یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے ظاہر ہوا، ظہور اسلام کے وقت یہی دو طبقے عرب مین تھے، اور اسلام کی ابتدائی تاریخ ان ہی سے وابستہ ہے۔

بعثتِ ابراہیمی عرب کی دینی تاریخ کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہے، حضرت ابراہیمؑ سے پہلے سارے عالم مین گمراہی اور ضلالت چھائی ہوئی تھی، روئے زمین پر ایک قوم بھی خالص خدائے واحد کی پرستش کرنے والی نہ تھی، انسانون کو خدائی کا دعوی تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن بابل مین نمرود اپنا مجسمہ پجواتا تھا، اور قوت کے زور سے اپنی خدائی منواتا تھا، اس تیرہ و تار دور مین خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو نورِ ہدایت دے کر بھیجا، مگر اس عام تاریکی مین کوئی نگاہ اس نور کو نہ پہچان سکی، اور ہر طرف سے حضرت ابراہیمؑ کی مخالفت ہوئی، نمرود نے آپ کو آگ مین ڈلوایا، اعزۂ خاص نے مخالفت کی، باپ دشمن بن گیا، اس لئے آپ ترک وطن کر کے مصر چلے گئے، یہ قومین

فرمان رواے مصر نے ناموس پر حملہ کرنا چاہا، لیکن پھر اس کی نگاہوں سے باطل کا حجاب اٹھ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور رخصت کرتے وقت اپنی لڑکی ہاجرہؑ آپ کے ساتھ بیاہ دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی سارہؑ تھین، ان کے بطن سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے اور ہاجرہؑ کے شکم سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت سارہؑ پہلی بیوی تھین، اس لئے وہ ہاجرہؑ اور انکی اولاد کو اچھی نظر سے نہین دیکھتی تھین، اور مان بیٹے دونون ان کی نگاہ مین کھٹکتے تھے۔ چنانچہ ابھی حضرت اسمٰعیلؑ بچہ ہی تھے، کہ سارہؑ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا کہ وہ دونون کو ان کی نگاہ سے دور کردین، اس لئے آپ نے حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو لیجا کر عرب مین آباد کیا،

تعمیر کعبہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سب سے پہلا اور مقدم فرض گمراہ دنیا کو توحید سے آشنا کرنا تھا، لیکن عراق و مصر و شام کی متمدن دنیا مین گھوم کر دیکھ چکے تھے کہ یہان کوئی خدا کا پیغام سننے والا نہ تھا، اس لئے توحید کی اشاعت و تبلیغ کے لئے ریگستانِ عرب کا سادہ صفحہ جو اپنی اصلی فطرت پر اور تمدن کی نقش آرائیون سے پاک تھا، انتخاب کیا، اور حضرت اسمٰعیلؑ کے مستقر مکہ مین خدائے واحد کی پرستش کے لئے بے چھت کا ایک چھوٹا سا گھر بنایا، اور حضرت اسمٰعیلؑ کو اس کا متولی بنا کر اس گھر کی آبادی و مرکزیت اور نسل اسمٰعیلؑ کی برومندی کے لئے خدا سے دعا کی، روئے زمین پر یہ پہلا گھر تھا جو خالص خدائے واحد کی عبادت کے لئے بنایا گیا،

کعبہ کی تعمیر سے پہلے اس مقام (مکہ) پر کوئی آبادی نہ تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائے مستجاب کے اثر اور کعبہ کی کشش سے لوگ رفتہ رفتہ یہان آکر آباد ہونے لگے، اور سب سے پہلے جرہم کا قبیلہ حوالیِ مکہ مین آکر آباد ہوا،

آل اسمٰعیلؑ

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ کے سردار مضاض جرہمی کی لڑکی سے شادی

کی، اس سے بارہ اولادیں ہوئیں، ان میں سے نابت وقیدار کی نسل نے بڑا دنیاوی جاہ وجلال حاصل کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں کعبہ کو عرب میں مرکزیت حاصل ہوگئی تھی، اور یہ سلسلہ چل نکلا تھا، چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد کعبہ کی تولیت کا منصب ان کے لڑکے نابت کے حصہ میں آیا اور دو ہی پشتوں کے بعد آل اسمٰعیل میں اتنی کثرت ہوگئی کہ حصول معیشت کے لئے انھیں مکہ سے باہر نکلنا پڑا، ان کے نکلنے کے بعد بنی جرہم نے کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا، آل اسمٰعیل نے نانہالی رشتہ کی وجہ سے ان سے کوئی مزاحمت نہیں کی، اور وہ مدتوں کعبہ کے متولی رہے، کعبہ کی تولیت سارے عرب کی بادشاہی کے مرادف تھی، آل جرہم اس کے متحمل نہ ہو سکے، اور انھوں نے تولیت کے گھمنڈ میں بڑی بے عنوانیاں شروع کر دیں، خانہ کعبہ کا چڑھاوا کھا جاتے، حجاج کو ستاتے، طرح طرح کے مظالم کرتے، جب ان کی یہ بے عنوانیاں حد سے سوا ہوگئیں تو آل اسمٰعیل نے انھیں مکہ سے نکال کر پھر کعبہ کی تولیت واپس لے لی،[1] اور یہ منصب نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا ہوا عدنان تک پہنچا، یہ بڑا تاریخی شخص ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر صحابہؓ کا سلسلۂ نسب اسی پر منتہی ہوتا ہے، اس کے زمانہ میں عرب پر بخت نصر کا حملہ ہوا، جس سے عربوں کو سخت نقصان پہنچا، اس حملہ سے سنبھلنے کے بعد عدنان کی اولاد بہت پھلی پھولی، ربیعہ، مضر، اور قضاعہ کے نامور قبائل اسی کی نسل سے تھے، جنھوں نے عرب کی پرانی تاریخ میں بڑی عظمت وشان حاصل کی، حجاز، نجد، عراق اور شام وغیرہ عرب کے تمام حصوں میں انکی حکومتیں پھیلی ہوئی تھیں، ان کا خاص پیشہ تجارت تھا،

خاندان قریش کی بنیاد اور ان کا تقدم

آگے چل کر عدنان کی نسل سے خاندان قریش کے مورث اعلیٰ فہر کا جس سے اس خاندان کی بنیاد پڑی ہے، ظہور ہوا، اس کا لقب قریش تھا، اس نسبت سے اس کی نسل قریشی کہلاتی ہے، قریش کے کل خانوادے اسی کی نسل سے تھے، اس کی پانچویں پشت

[1] سیرت ابن ہشام ج اول ص ۶۴ و ۶۵،

مین قریش کا تاریخی شخص قصی پیدا ہوا، قریش کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کا آغاز اسی نامور شخص سے ہوتا ہے، قصی کا باپ اس کے بچپن مین مرگیا تھا ماں نے قبیلۂ بنی عذرہ مین دوسری شادی کرلی تھی، اس لئے قصی کا بچپن بنی عذرہ مین گذرا، جوان ہوا تو اپنے اصلی خاندان اور اس کی عظمت کا پتہ چلا، غیور طبیعت نے اجنبیون مین رہنا گوارا نہ کیا، اس لئے وہ بنی عذرہ کو چھوڑ کر حجاز پہنچا، ناصیۂ اقبال پر آثار بلندی دیکھ کر دادھیال والون نے ہاتھون ہاتھ لیا،

اس زمانہ مین قریش کی حالت نہایت خراب ہو رہی تھی، ان کا کوئی نظام نہ تھا، وہ حجاز کے مختلف گوشون مین منتشر تھے، حرم کی تولیت پر بنی خزاعہ قابض ہوگئے تھے، اور قصی کے ورود مکہ کے وقت حرم کی تولیت حلیل خزاعی کے ہاتھون مین تھی، قصی بچپن سے نہایت حوصلہ مند، عاقل و فرزانہ اور امارت پسند تھا، اسے یہ منصب جلیل غیرون کے ہاتھون مین گوارا نہ ہوا، چنانچہ اس نے پہلے بنی کنانہ کی مدد سے بنی خزاعہ کو حرم سے نکالا، اس کے بعد قریش کو جو مختلف مقامات پر منتشر تھے سمیٹ کر مکہ لایا، اور ان کی تنظیم کرکے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کی، اس دن سے قریش کو حجاز مین سیاسی اہمیت حاصل ہوئی اور ان کا تاریخی دور شروع ہوا[1]

قصی نے یہ چھوٹی سی ریاست جمہوری اصول پر قائم کی، اس کے کئی شعبے تھے، جو مختلف قبائل مین تقسیم تھے، بڑے شعبے تین تھے، فوجی، عدالتی اور مذہبی، اور پھر یہ تینون کئی شعبون پر تقسیم تھے، فوجی عقاب، یعنی قومی نشان کی علمبرداری، قبہ، فوجی کیمپ کا انتظام، آعنہ، سوارون کے رسالے کی سپہ سالاری، سفارۃ دوسری حکومتون اور قبائل کے درمیان خط و کتابت اور گفتگو وغیرہ، عدالتی شعبہ، ندوۃ عدالت اور قومی جلسہ گاہ کا انتظام، مشورۃ امور مہمہ مین صلاح و مشورت، قبۃ جرمانہ اور مالی تاوان کی نگہداشت، حکومت مقدمات کا فیصلہ، مذہبی شعبہ، سقایۃ، حاجیون کے

[1] تفصیل کے لئے دیکھو طبری ص ۱۰۹۰ و سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۶۹،

خورد و نوش کا انتظام، عمارۃ خانۂ کعبہ کا انتظام، رفادہ حاجیون کی مالی اعانت، صدانۂ خانۂ کعبہ کی کلید برداری، ایسار بتون سے استخارہ کی خدمت، اموال المجرہ بتون کے چڑھاوے کا انتظام،

یہ تمام عہدے قریش کی مختلف شاخون مین تقسیم تھے، ظہور اسلام کے وقت انکی تقسیم یہ تھی،

عقاب بنی امیہ، قبہ اور عنہ بنی مخزوم، سفارت بنی عدی، ندوہ بنی عبد دار، مشورہ بنی اسد اشناق بنی تیم، حکومت بنی سہم، سقایہ اور عمارہ بنی ہاشم، رفادہ بنی نوفل، سدانہ بنی عبد دار، ایسار بنی جمح اور اموال المجرہ بنی سہم[1]،

خانۂ کعبہ سارے عرب کا مرکز تھا حج کے موقع پر ہزارون آدمی جمع ہوتے تھے، قصی سے پہلے ان کی آرام و آسایش کا کوئی معقول انتظام نہ تھا، سب سے پہلے قصی نے اس طرف توجہ کی اور قریش سے کہا کہ "حجاج صدہا کوس کی مسافت طے کرکے حرم کی زیارت کے لئے آتے ہین، ان کی میزبانی ہمارا فرض ہے[2]" اس تحریک پر قریش نے اس کام کے لئے سالانہ ایک رقم مقرر کردی جس سے منی مین حجاج کو کھانا کھلایا جاتا تھا، مکہ ایک خشک اور بے آب و گیاہ مقام ہے، قصی نے چرمی حوض بنواکر پانی کا معقول انتظام کیا[3]،

قصی کے چھ اولادین تھین، عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزی، عبد، تخمر، برۃ، مرتے وقت قصی نے حرم کے تمام مناصب عبدالدار کو دے، اور قریش کی سیادت عبدمناف نے حاصل کرلی عبدمناف کے چھ لڑکے تھے، ان مین ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا سب سے زیادہ باثر تھے، بنی عبدالدار کی نااہلی کی وجہ سے انھون نے سقایہ اور رفادہ کے عہدے عبدالدار سے لے لئے،

ظہور اسلام سے پہلے عرب اور دنیا کی مذہبی، اخلاقی اور سیاسی حالت

اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ عرب اور قریش کی سیاسی تاریخ تھی، ان کی مذہبی تاریخ اسلام سے وابستہ ہے، اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ عرب میں سب سے

[1] عقد الفرید جلد دوم ص ۴۱ میں ان مناصب کی تفصیل ہے [2] طبری ص ۱۰۹۷ [3] ایضاً،

اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا، اور خدائے واحد کی پرستش کے لئے مکہ میں سب سے پہلا خدا کا گھر بنایا، لیکن رفتہ رفتہ لوگون کے دلون سے صدائے توحید کا اثر زائل ہو گیا تھا، اور نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم مین خالص خدا کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہ گیا تھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوئے، بڑے بڑے مصلحین نے اخلاق کی صدائین بلند کین، ان کا وقتی اثر بھی ہوا، لیکن زود فراموش انسان نے توحید و اخلاق کے یہ سبق بہت جلد فراموش کر دئے، اور پانچوین صدی عیسوی کے آخر مین یہ نوبت پہنچ گئی کہ زمین کے کسی حصہ مین کوئی حقیقی خداشناس قوم باقی نہ رہ گئی، جن قومون مین نورِ الٰہی کی کوئی کرن تھی تو اس پر جہل کے اتنے تو بر تو حجاب پڑ گئے تھے کہ اس کی اصلی صورت نہ پہچانی جاتی تھی،

ایران، روم اور ہندوستان تمام روحانی مرکزون کی مذہبی حرارت سرد ہو چکی تھی، ایرانی قوم توحید خالص سے کبھی آشنا ہی نہ ہوئی تھی، زرتشت اور مانی نے جو اخلاقی آگ روشن کی تھی وہ یزدان اور اہرمن کا گورکھ دھندا بن گئی تھی، ان کی کتاب اخلاق مین باپ بیٹی اور بھائی بہن کی کوئی تمیز نہ تھی، حکومت البتہ ان مین تھی، لیکن حکمرانون کو راہب کا درجہ حاصل تھا، رعایا ان کی پرستش کرتی تھی، ملک کے لئے کوئی اخلاقی قانون نہ تھا، ظلم و جور کی حکومت تھی، طاقتور کے مقابلہ مین ناتوانون کی ہستی نہ تھی، ادنیٰ اعلیٰ کا غلام تھا، آئے دن کے سیاسی انقلابات نے ملک کو امن و امان سے محروم کر دیا تھا،

روم و فرنگ کی حالت جو دین و دنیا اور مذہب و حکومت دونون کے تاجدار تھے، کچھ ایران سے بھی زیادہ زبون تھی، پاک اور اصلی عیسائیت مدتون پہلے پال کے ہاتھون مسخ ہو چکی تھی، حضرت عیسیٰؑ، مریمؑ اور روح القدس کی شخصیت اور مرتبے کی تعیین نے بیسیون فرقے پیدا کر دئے تھے، جن مین ہمیشہ کشت و خون بپا اور پاک روحانیت کا دامن ان کے خون سے

رنگین رہتا تھا، توحید کی جگہ تثلیث اور مشرکانہ رسوم نے لے لی تھی، حضرت عیسیٰؑ اور مریمؑ کے بتوں کی پرستش ہوتی تھی، دین کی باگ گمراہ اور دنیا پرست پادریوں کے ہاتھوں میں آگئی تھی، ہر پادری ایک بااختیار خدا اور مسجود خلائق تھا، اور اس کی قبر عبادت خانہ تھی، ان کی جنبش لب پر نظام حکومت الٹ پلٹ جاتا تھا، حکومت اور کلیسا کی کشمکش عیسائیت کی نہایت تاریک تاریخ ہے، مذہبی اجارہ داری نے پادریوں میں طرح طرح کی اخلاقی برائیاں پیدا کردی تھیں، وہ عیسائیت جو دنیا کو امن وآشتی اور تجرد اور لذائذ دنیوی سے اجتناب کا سبق دینے کے لئے آئی تھی، جنگ وجدال سفاکی وخونریزی اور عیش وہوس پرستی کا گہوارہ بن گئی تھی، مذہبی پیشواؤں کی خانقاہیں عیش ونشاط کے چکلے تھیں، جن میں مذہبی جذبہ باقی بھی تھا، وہ ایسی کریہہ اور تکلیف دہ شکل میں، کہ اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، سیاسی حالت بھی اس سے کم ابتر نہ تھی، آئے دن کی خانہ جنگیوں اور صوبوں کی خودمختاری نے مشرقی اور مغربی روم کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا تھا اور چھٹی صدی کے آخر میں روم انتہائی تنزل وانحطاط کے درجہ کو پہنچ گیا تھا،

تیسرا روحانی مرکز ہندوستان تھا، اگرچہ یہ بھی ایران کی طرح ہمیشہ توحید خالص سے ناآشنا رہا، لیکن یہاں کے مصلحین کرشن اور گوتم وغیرہ مختلف زمانوں میں، فلسفیانہ روحانیت اور اخلاق کا درس دیتے رہے، لیکن یہ اسباق مدت ہوئی فراموش ہوچکے تھے: اور پرانوں کی تعلیم کا دور دورہ تھا، جو قدیم ہندوستان کا سب سے زیادہ تاریک عہد شمار کیا جاتا ہے، شرک ہمیشہ سے ہندوستان کے خمیر میں تھا، پرانے دور میں یہ شرک انتہا کو پہنچ چکا تھا، اوہام پرستی نے کروڑوں خدا بنادئے تھے، زمین سے لے کر آسمان تک ہر شے خدا تھی، بقول ایک ہندو مورخ کے خداؤں کی تعداد ہندوستان کی آبادی سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی، اور ایک ایک آدمی پر کئی کئی خدا کا اوسط پڑتا تھا، پران کی تعلیم نے شرافت انسانی کو بالکل مسخ کردیا تھا، ہر نیچا طبقہ اپنے سے بلند طبقہ کا غلام

بلکہ کچھ اس سے بھی پست تھا، اس کو جانوروں کے برابر بھی حقوق حاصل نہ تھے، برہمن کے لئے کسی حالت میں کوئی سزا نہ تھی، اگر اچھوت اونچی ذات والے کو چھو لیتے تو اس کی سزا موت تھی، نیچے طبقے مذہبی تعلیم سے قانوناً محروم کردئے گئے تھے،

اخلاقی حالت انتہائی شرمناک تھی، ایک ایک عورت کئی کئی شوہر کرسکتی تھی، شراب گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، بدمستی میں ہر گناہ ثواب بن جاتا تھا، محرمات تک سے تمتع بھی کار ثواب سمجھا جاتا تھا، عصمت کی کوئی قیمت نہ تھی، بڑے بڑے ذی وجاہت امرا کی عورتیں جامۂ عصمت اتار پھینکتی تھیں۔

مذہب بھی بداخلاقیوں سے محفوظ نہ تھا، بلکہ ان کا معلم بن گیا تھا، بعض فرقوں میں اعضائے تناسل کی پرستش ہوتی تھی، مندر کے پجاری بداخلاقیوں کا پیکر تھے، دیو داسیوں کی اخلاقی حالت شرمناک حد تک گری ہوئی تھی، عورتوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، بعض طبقوں میں لڑکیاں قتل کرڈالی جاتی تھیں، عورت شوہر کی موت کے بعد تمام دنیاوی لذائذ سے محروم کردی جاتی تھی اس لئے وہ شوہر کے ساتھ جل کر مرجانے کو زندگی پر ترجیح دیتی تھی،

اس تاریک دور میں اگر کسی انسان میں حق کی تلاش کا جذبہ پیدا بھی ہوتا تھا تو وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں جاکر خدا کو تلاش کرتا تھا، اور تزکیۂ روح کے لئے جسم کو ایسی دردانگیز سزائیں دیتا تھا جو طاقتِ بشری کی برداشت سے باہر ہیں،

اس عالمگیر تاریکی میں اگر کسی قوم یا جماعت سے اصلاح کی امید ہوسکتی تھی تو وہ بنی اسرائیل تھے، لیکن انھیں غرور اور گھمنڈ نے برباد کردیا تھا، ساری خدائی میں وہ صرف اپنی قوم کو خدا کا محبوب اور اس کا کنبہ سمجھتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ ان کی محبوبیت کی وجہ سے ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا تمرد اور سرکشی ایسی تھی کہ پیغمبروں کی بات تک نہ سنتے تھے، اور انھیں قتل کرڈالتے تھے،

ان کا مذہب اگرچہ الہامی تھا، لیکن وہ بھی ان کے دست برد سے محفوظ نہ رہ گیا تھا، احکام الٰہی کو توڑ مروڑ کر اپنے مقصد کے مطابق بنا لیتے تھے، اور صرف ان ہی احکام پر عمل کرتے جو ان کے مقصد کے معارض نہ ہوتے، ظاہری دین داری اور لفظی موشگافیون کے علاوہ مذہب کی روح ان سے رخصت ہو چکی تھی، اور سیکڑوں قسم کے اوہام وخرافات نے مذہب کی جگہ لے لی تھی، انتہا درجہ کے طماع اور لالچی تھے، سود خواری ان کی فطرت مین داخل تھی جس نے ان مین بڑی شقاوت اور سنگدلی پیدا کر دی تھی، معمولی زیور کی طمع مین چھوٹے بچون کو قتل کر ڈالتے تھے اگرچہ وہ مذہب کے اعتبار سے نہایت قدیم تھے، لیکن ان کی ذلت کی وجہ سے ان کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی، ان کا مذہبی مرکز بیت المقدس تک ان کے ہاتھون مین نہ تھا، اور وہ دوسرے ملکون مین آوارہ پھرتے تھے، اور ہر جگہ ان کے ساتھ نہایت ذلت وتحقیر کا برتاؤ کیا جاتا تھا، اور ان کی یہ حالت اب تک قائم ہے، غرض عقیدہ، مذہب، اخلاق اور سیاست ہر اعتبار سے بنی اسرائیل ایک مسخ شدہ قوم تھے[1]

خود عرب کی حالت، جہان حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا اور خدا کی بے آمیز پرستش کے لئے سب سے پہلا خانۂ خدا بنایا، دوسری اقوام سے کچھ بہتر نہ تھی، گو وہ دین ابراہیمی کے پیرو تھے، لیکن اس کی صورت بالکل مسخ ہو چکی تھی، اور توحید کا رخ زیبا شرک اور بت پرستی کے اوہام مین چھپ کر رہ گیا تھا، خدائے واحد کے ساتھ اور بہت سے کارساز شریک ہو گئے تھے، فرشتون کو خدا کی بیٹیان کہتے تھے، اجنہ کو الوہیت کا مرتبہ دیتے تھے، بتوں کو مظہر خدا مان کر ان کی پرستش کرتے تھے، سیکڑون بتون کی پوجا ہوتی تھی، ان مین لات، منات، ہبل، اور عزّیٰ زیادہ باعظمت تھے، ہبل خاص خانۂ کعبہ کی چھت پر نصب تھا، تمام عرب اس کی پرستش کرتا تھا، قبائل کے بت علیحدہ علیحدہ تھے، منات، اوس وخزرج کا تھا، لات ثقیف کا،

---

[1] دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت کا پورا بیان سیرۃ النبی ج ۴ ص ۱۶۲ تا ۱۶۹ سے ملخصاً ماخوذ ہے،

عزیٰ غطفان کا، عزیٰ کی پرستش ارکانِ حج مین داخل تھی، ان بتون کے نام پر سانڈ چھوڑے جاتے تھے، ان پر انسانون کی قربانیان ہوتی تھین، بتون کے نام کے تیرون کے ذریعہ سے قرعہ اندازی ہوتی تھی، ان کے علاوہ سیکڑون لکڑی اور مسالے کے خانہ ساز اور خانگی خدا تھے،[۱]

بت پرستی کے علاوہ مختلف قبائل مین مختلف مذاہب رائج تھے، ربیعہ و غسان عیسائی تھے، قضاعہ مین عیسائیت کا اثر تھا، حمیر، کنانہ، بنو حارث، اور کندہ یہودی تھے، بنی تمیم کا قبیلہ مجوسی تھا، بعض قبائل مین ستارہ پرستی رائج تھی،[۲]

ان مذاہب کے علاوہ مختلف قسم کے خیالات و عقائد پائے جاتے تھے، کچھ ملحد تھے جو سرے سے خدا کے وجود کے منکر تھے، بعض خدا کے قائل تھے، لیکن حشر و نشر اور سزا و جزا کو نہ مانتے تھے، بعض انبیا کے منکر تھے، غرض کوئی ایسا عقیدہ و خیال نہ تھا جو عربون مین رائج نہ رہا ہو،[۳]

ضعیف الاعتقادی نے صدہا قسم کے اوہام و خرافات وبا کی طرح پھیلا دئے تھے، اخلاقی حالت مذہبی حالت سے بھی زیادہ خراب تھی، جنگجوئی، انتقام پسندی، سفاکی اور خونریزی فطرت مین داخل تھی، معمولی معمولی باتون پر لڑائی چھڑ جاتی تھی، جس کا سلسلہ پشتہا پشت تک جاری رہتا تھا، عربون کی خانہ جنگیان "ایام عرب" کے عنوان سے عربون کی تاریخ کا مستقل باب ہین، اپنی بہیمیت اور درندگی سے مجرمون کو نہایت دردانگیز سزائین دیتے تھے، شراب نوشی گھٹی مین پڑی تھی، عرب کا ہر گھر میخانہ تھا، بدمستی مین مال و دولت، ننگ و ناموس سب قربان کر دیتے تھے، قمار بازی بڑے فخر و مباہات کی چیز تھی، گھر کی کل دولت حتی کہ عورتین تک بازی مین لگا دیتے تھے، سود خواری بھی یہودیون کے فیض سے داخل ہو گئی تھی، اور سود در سود سے مقروض

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ج اول اور کتاب الاصنام کلبی وغیرہ مین ان بتون کی پوری تفصیل ہے [۲] انقلاب الامم ابن صاعد اندلسی

[۳] کلام مجید کی آیات مین ان عقائد کی پوری تفصیل موجود ہے،

کو تباہ کرڈالتے تھے، چوری اور ڈاکہ بعض قبائل کا مستقل پیشہ تھا، فسق وفجور اور بے حیائی وبے شرمی ہنر بن گئی تھی، بڑے بڑے شرفا اپنی عزیز عورتون اور شریف خواتین کے عشق ومحبت کی داستان فخریہ عام مجمعون مین مزے لے لے کر سناتے تھے، زنا کوئی عیب نہ تھا، عورتون کی کوئی قیمت نہ تھی، لڑکیون کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کردیتے تھے، نکاح کی کوئی تعداد متعین نہ تھی، بھیڑ بکری کی طرح جتنی عورتین چاہتے تھے رکھ لیتے،

اس عالمگیر ظلمت مین جب کہ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور کہین نور حق کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی، اور خدا کی مخلوق، خدائی تعلیمات کے ساتھ انسانی اخلاق وشرافت کو بھی فراموش کرچکی تھی، اور انسان کی بے قید آزادی اور خود غرضی سے نظام عالم درہم برہم ہورہا تھا، ایک ایسے ہادیِ برحق کی ضرورت تھی جو بھٹکی ہوئی مخلوق کو راہِ راست پر لگائے، اور ایک قوم کو نمونۂ عمل بنا کر دنیا کے سامنے پیش کردے،

دعوتِ توحید کے لئے عرب کا انتخاب

دنیا کے ہر اصلاحی اور مفید انقلاب کی زد خواہ وہ اخلاقی وروحانی ہو یا مادی، سب سے زیادہ اونچے اور متمدن طبقے پر پڑتی ہے، اس سے اس کے وقار وامتیاز کو صدمہ پہنچتا ہے، اس لئے دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانہ مین ہر مفید تحریک اور دعوت اصلاح کی مخالفت خواہ وہ پیغمبر کی آواز برحق ہو یا دنیاوی مصلح کی دعوت اسی طبقہ نے کی ہے اور تجدید واصلاح اور اس کو قبول کرنے اور اس کو پھیلانے والے وہی طبقات رہے ہین جنھین غریب، نیچا اور غیر متمدن سمجھا جاتا ہے، اسلام کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا، ظہور اسلام کے زمانہ مین ایران وروم اور فرنگ کے خطے تعلیم وتہذیب، دولت وثروت اور دوسرے تمدنی اثرات سے بالکل مسخ ہوچکے تھے، ان مین جدید طغرائے حق کو قبول کرنے اور صدائے حق کو سننے کی صلاحیت باقی نہ تھی، عرب کا خطہ اب تک ان تمام تمدنی اثرات سے بالکل محفوظ اور فطری سادگی پر قائم تھا، عرب کتابی تعلیم سے

ناآشنا اور تمدنی اثرات سے پاک تھے، اور ہر طرح کی برائیوں کے باوجود ان مین آزادی، حریت، حق گوئی، جرأت، دلیری، شجاعت اور بہادری کے بدویانہ اخلاق موجود تھے، اس لئے متمدن اقوام کے مقابلہ مین ان مین قبول حق کی سب سے زیادہ صلاحیت تھی، اس لئے امانتِ الٰہی کی تفویض اور مخلوق کی رہنمائی کے لئے اسی سادہ مگر پرجوش قوم کا انتخاب ہوا، اور دنیا کے موحدِ اعظم ابراہیم خلیل اللہ کی نسل سے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ منصب جلیل تفویض ہوا،

ہاشم کے خدمات وکارنامے

اوپر ہاشم تک قریش کے حالات لکھے جا چکے ہین، کعبہ کے متولیون مین قصی کے بعد ہاشم بڑے رتبہ کے آدمی تھے: انھون نے اپنے زمانہ مین خاندانِ قریش کی بڑی عظمت قائم کی، قریش کا آبائی پیشہ تجارت تھا، وہ ملکوں ملکوں پھر کر تجارت کرتے تھے، ہاشم نے کوشش کر کے قیصر و نجاشی کے حدودِ سلطنت مین قریش کے تجارتی مال کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرا لیا، عرب کے راستے محفوظ نہ تھے، ہاشم نے دورہ کر کے قبائل سے معاہدہ کیا کہ وہ قریش کے کاروانِ تجارت سے کوئی تعرض نہ کرین گے[1] حرم کے متعلق اپنے مفوضہ خدمات نہایت خوبی سے ادا کرتے تھے، حجاج کو بڑی فیاضی اور سیر چشمی سے کھلاتے تھے، چرمی حوضون مین پانی بھروا کر سبیل لگواتے تھے، ان کے خدمات کی وجہ سے قریش مین انکی بڑی عزت و وقعت تھی، انھون نے مدینہ کے خاندان بنی نجار مین شادی کی، لیکن شادی کے بعد ہی شام جاتے ہوئے انتقال کر گئے، بیوہ بیوی سے ایک فرزند تولد ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا، ان کے بھائی مطلب کو خبر ہوئی تو وہ مدینہ جا کر یتیم بھتیجے کو لے آئے، اور اپنے آغوشِ شفقت مین ان کی پرورش کی، ان کی پرورش کی وجہ سے شیبہ کا نام عبد المطلب یعنی مطلب کا غلام پڑ گیا،[2]

عبد المطلب

سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد عبد المطلب باپ کی جگہ کعبہ کے متولی ہوئے، اپنے

---

[1] امالی ابوعلی قالی [2] زرقانی ج اول ص ۸۵،

زمانہ تولیت میں انھوں نے چاہِ زمزم کا جو اَٹ کر گم ہو گیا تھا، پتہ چلا کر اس کو صاف کرایا عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر وہ اپنی زندگی میں اپنے دس لڑکوں کو جوان دیکھ لیں گے تو ان میں سے ایک لڑکا خدا کی راہ میں قربان کریں گے، جب ان کی یہ آرزو پوری ہوئی تو منت اتارنے کے لئے دسوں لڑکوں کو لے کر کعبہ گئے. عبداللہ کے نام جو تمام اولادوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے قرعہ نکلا، عبدالمطلب بہت پریشان ہوئے، آخر میں رؤسائے قریش کے مشورہ سے عبداللہ کے بجائے سو اونٹ قربان کرکے منت پوری کی،[1]

عبداللہ اس کے بعد عبدالمطلب نے قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن مناف کی لڑکی آمنہ کے ساتھ عبداللہ کی شادی کردی، شادی کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد عبداللہ کا مدینہ میں انتقال ہوگیا، عبداللہ محبوبِ خاندان تھے، ان کی جوانمرگی کا سارے خاندان کو صدمہ ہوا،

ولادتِ نبوی عبداللہ کی وفات کے چند مہینوں بعد عین موسم بہار اپریل ۵۷۱ء میں ۹ ربیع الاول کو عبداللہ کے گھر میں فرزند تولد ہوا، بوڑھے اور زخم خوردہ عبدالمطلب پوتے کے تولد کی خبر سن کر گھر آئے اور نومولود بچہ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اس کے لئے دعا مانگی، ساتویں دن عقیقہ کرکے محمدؐ نام رکھا[2] اور کل قریش کی دعوت کی، قریش نے اس نامانوس نام رکھنے کا جو اب تک رائج نہ تھا، سبب پوچھا، عبدالمطلب نے کہا کہ میرا فرزند ساری دنیا میں مدح وستائش کا سزاوار قرار پائے،

حضرت حلیمہ کی پرورش اور حضرت آمنہ کا انتقال شرفائے مکہ میں دستور تھا کہ وہ عربی خصوصیات کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنے بچوں کو ایامِ رضاعت ہی میں دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے، اس دستور کے مطابق چھ مہینہ بعد عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو ایک دایہ حلیمہ کے جو بچوں کی تلاش میں مکہ آئی ہوئی تھیں حوالہ کردیا، دو برس تک اس بچہ نے حلیمہ سعدیہ کی گود میں پرورش پائی، تیسرے برس

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۸۲ و ۸۳ [2] ایضاً ص ۸۸ [3] ابو الفداء ج اول ص ۱۱۰

حلیمہؓ نے یہ امانت آکر آمنہ کو واپس کر دی، ابھی اس یتیم بچے کا سن چھ سال کا تھا، کہ آمنہ اسے لے کر اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے مدینہ گئیں، راستہ میں مقام ابوا میں ان کا انتقال ہو گیا، اور یتیم بچہ چھ ہی برس کی عمر میں ماں کی محبت سے بھی محروم ہو گیا، عبدالمطلب کو شروع سے یتیم پوتے کے ساتھ غیر معمولی محبت تھی، بہو کے انتقال کے بعد یہ محبت شیفتگی کی حد تک پہنچ گئی، ہر وقت پوتے کو ساتھ رکھتے، ایک پل کے لئے آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے، لیکن یہ سایۂ شفقت بھی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا، اور ماں کے انتقال کے دو سال بعد دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا،

ابو طالب کی پرورش شام کا سفر

عبدالمطلب دنیا چھوڑتے وقت پوتے کو اپنے لڑکے ابو طالب کے سپرد کر گئے، انکو بھی یتیم بھتیجے کے ساتھ عشق تھا، اس کے مقابلہ میں اپنے بیٹوں کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے، ابو طالب کا شغل تجارت تھا، اس سلسلہ میں وہ اکثر شام آیا جایا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہویں سال ان کو شام کا سفر پیش آیا، گو ابو طالب آپ کو ایک لمحہ کے لئے جدا نہیں کرتے تھے، لیکن سفر کی تکالیف کے خیال سے ساتھ نہیں لیجانا چاہتے تھے، لیکن چلتے وقت آپ چچا سے لپٹ گئے اس لئے وہ ساتھ لیجانے پر مجبور ہو گئے، عام روایتوں کے مطابق بحیرہ راہب کا واقعہ اسی سفر میں پیش آیا،[1]

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل روایتوں میں یہ ہے کہ جب ابو طالب بصری پہنچے تو ایک عیسائی راہب بحیرا کی خانقاہ میں اترے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ یہ سید المرسلین ہیں، لوگوں نے پوچھا تم نے کیونکر جانا، بحیرا نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو تمام درخت اور پتھر سب سجدے کے لئے جھک گئے: یہ روایت ترمذی میں ہے لیکن اصول روایت اور درایت دونوں حیثیتوں سے ناقابلِ اعتماد ہے، اولاً اس کے راوی ضعیف ہیں، دوسرے اس میں ہے کہ ابو طالب نے اس واقعہ کے بعد بصری ہی سے (بقیہ صہ۱۰۶ پر)

ایک جنگ میں شرکت

عربوں میں ہمیشہ لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سن رشد کو پہنچنے کے بعد قریش اور بنی قیس میں جنگ ہوئی، قریش اس جنگ میں برسرِ حق تھے، اس لئے آپ نے ان کا ساتھ دیا لیکن کسی پر تلوار نہیں اٹھائی[1]،

تجارت کا شغل

سن شعور کو پہنچنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسبِ معاش کی فکر ہوئی، اس وقت آپ نے تجارت کا خاندانی اور پاک شغل اختیار کیا، لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے مستقل کاروبار نہیں کر سکتے تھے، خاندانی شغل کی وجہ سے آپ کو تجارت کا کافی تجربہ تھا، آپ کے تجارتی تجربے اور دیانت کی شہرت کافی ہو چکی تھی، اس لئے سرمایہ دار منافع کی شرکت پر آپ کو سرمایہ دیتے تھے، آپ نہایت محنت اور دیانت کے ساتھ ان کا کام کرتے، رفتہ رفتہ آپ کی دیانت اور امانت داری کی شہرت دور دور تک پھیل گئی[2]،

حضرت خدیجہؓ سے شادی

حضرت خدیجہ قریش کی ایک معزز پاکیزہ اخلاق اور دولتمند بیوہ تھیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو بکرؓ و بلالؓ کے ساتھ واپس کر دیا حالانکہ اس زمانہ میں حضرت بلالؓ کا وجود بھی نہ تھا، اور حضرت ابو بکرؓ صغیر السن اپنے گھر میں رہے ہوں گے، لیکن اس ضعف روایت کے باوجود عیسائی مصنفین نے اس روایت کو بہت اچھالا ہے اور اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کے اسرار و حقائق بحیرا راہب ہی سے سیکھے تھے جس کو انھوں نے آگے چل کر اسلام کی شکل میں پیش کیا حالانکہ اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جاتا تو اس میں بحیرا راہب سے استفادہ کا کوئی ذکر نہیں ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت بارہ ۱۲ سال کی تھی، اس عمر کا بچہ مذہب کے اسرار و حقائق کیا سیکھ سکتا تھا، علامہ شبلیؒ نے سیرۃ جلد اول میں اس کی مفصل تردید کی ہے،

[1] روض الانف ج اول ص ۱۲۰،

[2] زرقانی ج اول تزویج خدیجہؓ میں اس کی تفصیل ہے،

ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی تجربات اور دیانت داری کا شہرہ سن کر انھوں نے درخواست کی کہ میرا سامان فروخت کرنے کے لئے شام لیجایئے، جو معاوضہ مین دوسروں کو دیتی ہوں، اس کا دونا آپ کو دوں گی، آپ نے منظور کرلیا اور خدیجہؓ کا سامان لے کر بصریٰ تشریف لے گئے، اس سفر مین حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات مشاہدہ کئے، اور واپس ہو کر اپنی مالکہ سے بیان کئے، خدیجہؓ آپ کے پاکیزہ اخلاق سے پہلے ہی سے واقف تھین، میسرہ کے بیان سے مزید تصدیق ہو گئی، ان کو اپنا کاروبار چلانے کے لئے ایک پاکیزہ اخلاق اور امین شوہر کی ضرورت تھی، اس لئے انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی درخواست کی آپ نے منظور فرمالیا، اور ابو طالبؒ نے پانسو طلائی درہم پر نکاح پڑھا دیا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی ۴۰ سال تھی، پانچوین پشت پر دونون کا نسب نامہ مل جاتا ہے[۱]،

حلف الفضول مین شرکت

قبائل کی خانہ جنگیون کی وجہ سے سیکڑون گھرانے برباد ہو چکے تھے، اور حجاز کا امن وامان خطرہ مین پڑ گیا تھا، جنگ فجار کے بعد لوگون کو ان تباہ کن نتائج کا احساس ہوا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبد المطلب کی تحریک پر بنی زہرہ اور بنی تیم نے آپس مین معاہدہ کیا کہ وہ ملک مین امن وامان قائم کرنے کی کوشش اور مسافرون کی حفاظت اور غریبون کی امداد کرین گے، اور مظلومون کو ظالمون کے پنجے سے چھڑائین گے[۲]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معاہدہ مین شریک تھے اور اس کو اس قدر پسند فرمایا تھا کہ زمانۂ اسلام مین آپ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر اس معاہدہ کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دئے جاتے تو بھی مین نہ لیتا، اور آج بھی اس قسم کا کوئی معاہدہ ہو تو مین اس مین شرکت کے لئے تیار ہون[۳]،

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھو زرقانی ج اول ص ۲۳۲ ومابعد [۲] طبقات ابن سعد ج اول ص ۸۲ [۳] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۲۰،

تعمیر کعبہ خانۂ کعبہ کی عمارت نشیب مین تھی، بارش کے زمانہ مین پانی سے بچاؤ کے لئے بند بندھوایا گیا تھا، لیکن وہ ٹوٹ جاتا تھا، خانۂ کعبہ کی عمارت بھی امتدادِ زمانہ کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی، اس لئے قریش نے اس کو تڑوا کر از سر نو تعمیر کرایا، جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو اس شرف کے حصول کے لئے قبائل مین تلوارین نکل پڑین، آخر مین یہ طے ہوا کہ دوسرے دن سویرے جو شخص سب سے پہلے کعبہ آئے، وہی حکم قرار پائے، اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ کی ایمانداری اور دیانت پر سب کو اعتقاد تھا، اس لئے سب نے بالاتفاق آپ کو حکم مان لیا، آپ نے رفعِ شر کی یہ صورت نکالی کہ چادر بچھا کر اس مین حجر اسود رکھا اور فرمایا ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی چادر پکڑ کے اٹھائے، اور جب چادر موقع کے برابر آگئی تو آپ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا[1]، اس حسنِ تدبیر سے ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔

چونکہ آیندہ چل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک منصب جلیل ملنے والا تھا اس لئے خدا نے ابتدا ہی سے آپ کو فطرتِ سلیم عطا فرمائی تھی، چنانچہ بچپن ہی سے آپ کا دامنِ اخلاق ہر قسم کی آلودگیون سے پاک رہا، اور آپ نے رسومِ جاہلیت مین سے کسی مین حصہ نہ لیا،

نبوت کی تمہید یہ قانونِ قدرت ہے کہ طلوعِ آفتاب سے قبل سپیدۂ سحر نمودار ہو جاتا ہے، بارانِ رحمت سے پہلے ٹھنڈی ہوائین موسمِ برشگال کا پتہ دیتی ہین، موسمِ بہار کے آغاز مین فضا کا تغیر بہار کی آمد آمد کا اعلان کرتا ہے، اس لئے جون جون آپ کی عمر بڑھتی جاتی تھی اور نبوت کا وقت قریب آتا جاتا تھا، آپ مین غیر معمولی تغیرات پیدا ہوتے جاتے تھے، اور عمر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ طبیعت دنیا سے ہٹتی جاتی تھی، اور روح ایک لامعلوم شے کے لئے بیقرار تھی، لیکن مطلوب کا پتہ نہ چلتا تھا، رفتہ رفتہ آپ کی طبیعت عزلت نشینی کی طرف مائل ہونے لگی، آپ سامان خورد و نوش

---

[1] مستدرک حاکم جلد اول ص ۴۵۸،

لے کر کہ کے باہر غارِ حرا چلے جاتے اور دنیا کی نگاہوں سے الگ مجاہدہ وریاضت اور مراقبہ میں مشغول رہتے تھے[1]، جب مجاہدہ وریاضت سے قلب فیضانِ الٰہی کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو گیا اس وقت نبوت کے آثار وعلامات شروع ہو گئے، خواب میں اسرار منکشف ہونے لگے، جو خواب دیکھتے وہ واقعہ کی شکل میں نظر آتا[2]، جوں جوں یہ مدارج بڑھتے جاتے تھے فیضانِ الٰہی کی لہریں زیادہ تیز ہوتی جاتی تھیں، تا آنکہ جب آپؐ کا سن شریف چالیس سال کو پہنچا تو ایک دن جب کہ آپؐ حسبِ معمول غارِ حرا میں تشریف رکھتے تھے، فرشتۂ غیب نظر آیا اور آپؐ سے کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (الآیۃ) (پڑھ اپنے رب کا نام جس نے پیدا کیا)[3]

---

[1] فتح الباری ج[?] [2] مشکوٰۃ ص ۵۱۳ [3] بخاری باب بدء الوحی،

بعثت

(ظہورِ اسلام)

یہ واقعہ نہایت غیر معمولی تھا، گھر واپس تشریف لائے تو سینہ جلالِ الٰہی سے لبریز تھا، حضرت خدیجہؓ سے واقعہ بیان کیا، انھون نے تسلی دی کہ آپؐ پریشان نہ ہون، خدا کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا، اور آپؐ کو اپنے عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس جو توریت و انجیل کے عالم تھے لے گئین، انھون نے یہ ماجرا سن کر کہا "یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا، کاش مین اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی، اس وقت آپ کی مدد کرتا[1] اس کے بعد حضرت جبرئیل کے ذریعہ آپ پر اصل حقیقت منکشف ہوگئی اور آپؐ نے اپنا فرض انجام دینا شروع کر دیا،

دعوتِ اسلام کا مخفی آغاز

لیکن ایک ایسی قوم کو جو صدیون سے شرک اور بت پرستی کی ضلالت مین مبتلا تھی، توحید کی دعوت دینا خصوصاً اس حالت مین کہ اس سے قوم کے سالہا سال کے اقتدار کا خاتمہ ہوا جاتا تھا، آسان نہ تھا، اس لئے اول اول اپنے ان مقربان خاص کو اسلام کی دعوت دی جو لوگ آپؐ کے عادات و خصائل سے اچھی طرح واقف تھے انھون نے بلا تامل اس دعوت کو قبول کر لیا، چنانچہ عورتون مین سب سے اول آپؐ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃؓ صدیقہ، مردون مین آپؐ کے قدیم رفیق و محرم راز حضرت ابوبکرؓ صدیق، غلامون مین آپ کے محبوب غلام زیدؓ، نوعمرون مین آپؐ کے چچیرے بھائی حضرت علیؓ اسلام سے مشرف ہوئے

[1] بخاری باب بدء الوحی و کتاب التعبیر،

اور آپؐ تین سال تک خاموشی کے ساتھ اس فرض کو انجام دیتے رہے، حضرت ابوبکرؓ صدیق بڑے باثر تھے، ان کے اثر سے حضرت عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، سعد ابن ابی وقاص، طلحہ بن زبیر رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوئے، ان کے قبولِ اسلام کے اثر سے اس کا دائرہ بڑھنے لگا، چنانچہ حضرت خباب بن ارت، عمار بن یاسر، سعید بن زید، عبداللہ بن مسعود، عثمان ابن مظعون، ابوعبیدہ، صہیب اور ارقم رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اسلام قبول کیا، اور ایک اچھی خاصی جماعت دائرۂ اسلام مین داخل ہوگئی، یہ تمام کام خفیہ ہوا[1]،

علانیہ تبلیغ

لیکن آپؐ کا فرض تنہا خفیہ تبلیغ اور چند آدمیون کے ہدایت یاب ہونے پر ختم نہ ہوجاتا تھا، بلکہ سارے عالم کو علانیہ دعوت دینا تھا، اس لئے تین سال کے بعد علانیہ تبلیغ کے احکام نازل ہوئے يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ اور فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ اور وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ۔

اس حکم پر آپؐ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر آواز دی "یا معشر قریش! اے قریشیو!" آپؐ کی آواز پر لوگ جمع ہوگئے، آپؐ نے ان سے سوال کیا کہ "اگر مین تم سے کہون کہ پہاڑ کی پشت سے ایک لشکر چڑھا آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا"، سب نے یک زبان ہوکر جواب دیا، "ہم نے تم کو ہمیشہ سچ ہی بولتے پایا ہے" فرمایا تو مین تم سے کہتا ہون کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے، تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا[2] یہ غیر متوقع اور اپنے معتقدات کے خلاف بات سن کر سب بگڑ گئے،

اس واقعہ کے چند دنون بعد آپؐ نے ایک دعوت کا انتظام کیا اور عبدالمطلب کی اولاد کو جمع کرکے ان سے فرمایا "مین وہ چیز لے کر آیا ہون جو دین و دنیا دونون کی کفیل ہے، اس بارِ گران کو اٹھانے مین کون میرا ساتھ دیتا ہے"، سب خاموش رہے، صرف حضرت علیؓ نے جواب دیا،

---

[1] ان چند لوگون کے قبولِ اسلام کے واقعات حدیث اور سیرت کی کتابون مین مذکور ہین [2] بخاری ج ۲ ص ۱۰،

گے مجھے آشوب چشم کی شکایت ہے، میری ٹانگین پتلی ہین، اور نوعمر ہون، لیکن مین آپ کا ساتھ دونگا، ان کے علاوہ سب خاموشی کے ساتھ لوٹ گئے،[1]

مشرکین مکہ کی جانب سے مخالفت کا آغاز

اب مسلمانون کی تعداد چالیس تک پہنچ چکی تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حرم مین جاکر توحید کا اعلان کیا، اس جرم پر مشرکین ٹوٹ پڑے، حارث بن ابی ہالہ نے آپ کو بچانے کی کوشش کی، اس مین وہ مقتول ہوئے، یہ راہ خدا مین پہلا خون تھا،[2]

اب تک مشرکین نے اسلام کی دعوت کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی، لیکن جون جون اسلام کے پرستارون کی تعداد مین اضافہ ہوتا جاتا تھا، مشرکین کی مخالفت بڑھتی جاتی تھی، ان کی مخالفت کے بہت سے اسباب تھے، اسلام ان کے صدیون کے عقائد و رسوم کو باطل کر رہا تھا، ان کے معبودون کو جن کی وہ پرستش کرتے تھے، آگ کا ایندھن بتاتا تھا، قرآن علانیہ قریش کی بداخلاقیون کی پردہ دری کرتا تھا، اور متولی کعبہ کی حیثیت سے عرب پر ان کا جو اقتدار قائم تھا، اسلام اس کا خاتمہ کئے دیتا تھا، بنی ہاشم اور بنی امیہ باہم پرانے رقیب تھے، اس لئے بنی امیہ آل ہاشم مین نبوت کے اعزاز کو برداشت نہیں کرسکتے تھے، اس لئے یہ سب سے زیادہ مخالفت مین پیش پیش تھے،

ابوطالب سے شکایت، ان کا جواب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقلال

ان اسباب کی بناپر سارا قریش اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمربستہ ہوگیا، تاہم شروع مین انھون نے سختی کے بجائے صلح اور آشتی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باز رکھنے کی کوشش کی، جب اس مین مایوسی ہوئی تو معززین قریش کا ایک وفد آپ کے چچا ابوطالب کے پاس گیا، انھون نے سمجھا بجھا کر واپس کردیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فریضہ سے دستکش نہین ہوسکتے تھے، قریش نے جب دیکھا کہ آپ کے رویہ مین کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تو دوبارہ ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا تمھارا بھتیجا ہمارے

[1] طبری جلد ۳ ص ۱۱۷۱ [2] اصابہ ذکر حارث بن ابی ہالہ،

معبودوں کو برا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے، ہمارے معززین کو ناسمجھ بتاتا ہے، اس لئے یا تو تم درمیان سے ہٹ جاؤ، ورنہ پھر میدان میں آؤ، کہ ہم تم فیصلہ کر لیں" یہ صورتِ حال دیکھ کر ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر سمجھایا کہ "بیٹا! چچا پر ناقابلِ برداشت بار نہ ڈال اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دے" آپ کا ظاہری سہارا جو کچھ تھے ابو طالب تھے، ان کی زبان سے اس قسم کی باتیں سن کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا "چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے ہاتھ پر ماہتاب لا کر رکھ دیں تو بھی میں اس فریضہ سے دستکش نہیں ہو سکتا، تا آنکہ میں کامیاب ہوں، یا اسی راہ میں میرا خاتمہ ہو جائے" ابو طالب یہ جواب سن کر سخت متاثر ہوئے اور کہا "جاؤ جو دل میں آئے کرو، میں کسی حالت میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا"[1]

قریش کی ایذا رسانی

ابو طالب سے مایوس ہونے کے بعد قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں، آپ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے، نماز پڑھنے میں پشت مبارک پر نجاست کا بار لا کر لاد دیتے، بدزبانیاں کرتے، ایک مرتبہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن معیط نے گردنِ مبارک میں اپنی چادر رسی کی طرح ڈال کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے[2]، آپ ان تمام سختیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے، اور اپنا فرض برابر ادا کئے جاتے تھے،

دنیاوی ترغیبات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

قریش سخت متحیر تھے کہ آپ یہ تمام سختیاں کیوں جھیلتے ہیں، انھوں نے اپنی محدود پروازِ خیال کے مطابق قیاس کیا کہ آپ کا مقصد صرف دنیاوی جاہ و دولت اور نام و نمود کا حصول ہے، اس لئے انھوں نے عتبہ بن ربیعہ کو آپ کے پاس بھیجا، اس نے آپ سے کہا "محمد کیا چاہتے ہو؟ مکہ کی ریاست؟ کسی بڑے گھرانے میں

[1] سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۸۹ [2] بخاری باب مالقی نبی صلی اللہ علیہ وسلم من المشرکین،

شادی؟ دولت کا ذخیرہ؟ ان میں سے ہر شے تمھارے لئے مہیا کر سکتے ہین، بشرطیکہ تم ان باتون سے باز آجاؤ، ان ترغیبات کے جواب میں آپ نے سورۂ حٰم کی چند آیتین تلاوت فرمائین، عتبہ نہایت غور اور تاثر کے ساتھ ان کو سنتا رہا، یہان سے واپس ہوا تو اس کا رنگ بدل چکا تھا، قریش سے جاکر کہا کہ "محمد جو کلام پیش کرتے ہین وہ نہ سحر ہے، نہ کہانت، نہ شاعری، وہ کچھ اور ہی شے ہے، اس سے بہتر کلام آجتک میرے کانون نے نہیں سنا میری رائے میں تم ان کو انکی حالت پر چھوڑ دو، اگر وہ کامیاب نہ ہوئے تو بھی تمھاری عزت ہے، اور اگر عرب کامیاب ہوئے تو بھی تمھاری عزت ہے[1] لیکن قریش نے انکی رائے منظور نہ کی

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام

چند دنون کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ اور قبیلۂ عدی کے منصب دار عمر بن الخطاب مسلمان ہوگئے، عمر بن الخطاب دوسرے رؤسائے قریش کی طرح اسلام اور مسلمانون کے سخت دشمن تھے، اور اپنی بہن اور بہنوئی کو جو مسلمان ہوچکے تھے، اسلام کے جرم میں سزا دینے کے لئے گئے تھے، لیکن قرآن کی سحر آفرین آیتین سن کر مسحور ہوگئے، اگرچہ اس وقت مسلمانون کی تعداد خاصی ہوچکی تھی، لیکن وہ بڑی بیکسی کی حالت میں تھے، ان کے لئے علانیہ نماز پڑھنا بھی ممکن نہ تھا، حضرت عمرؓ بڑے جری اور دبدبہ و شکوہ کے شخص تھے، ان کے مسلمان ہوتے ہی دفعۃً حالت بدل گئی، انھون نے بھرے مجمع میں اپنے اسلام کا اعلان کیا، مشرکین نے اول اول ان پر بھی بڑی سختی کی، لیکن ان کی ثابت قدمی نے انھیں شکست دی اور حضرت عمرؓ نے مسلمانون کو لے کر علانیہ حرم میں نماز ادا کی، اور اس وقت سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا[2]،

مسلمانون پر مشرکین کا جور و ستم

جب اسلام غربا اور کمزورون سے بڑھ کر ارکان و عمائد میں پھیلنے لگا، اور

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۱۵۰ و ۱۵۵ [2] اسلام کی تاریخ میں حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے اس لئے سیرت و طبقات کی تمام کتابون میں اس کا ذکر ہے، دیکھو ابن ہشام ج اول ص ۱۸۶ و ما بعد،

مشرکین ان کے مقابلہ مین مجبور ہو گئے، اس وقت ان کا غصہ غریب اور بے حامی ومددگار مسلمانون پر ٹوٹنے لگا، چنانچہ انھین ستانے کے لئے نئے نئے انداز ستم ایجاد کئے، ٹھیک نصف النہار کے وقت تپتے ہوئے سنگریزون پر لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ غریب ہسنے نہ پائین، دہکتے ہوئے انگارون پر لٹاتے اور اس وقت تک جنبش نہ کرنے دیتے جب تک زخمون کی رطوبت سے آگ بجھ نہ جاتی، پانی مین غوطہ دیتے، رسی باندھ کر گھسیٹتے، حضرت بلال، خباب، عمار اور صہیب رضی اللہ عنہم وغیرہ اس ستم رسیدہ جماعت کے سرگروہ تھے، مرد تو مرد مسلمان عورتین تک ان ظالمون کے ظلم سے محفوظ نہ تھین، حضرت بلالؓ وغیرہ کی طرح حضرت سمیہؓ، زنیرہؓ اور لبینہؓ بھی مشق ستم تھین، سمیہؓ کو ابوجہل نے نیزے سے چھید چھید کر ہلاک کر دیا[1]، لیکن یہ تمام سفاکیان کسی ایک مسلمان کو بھی جادۂ اسلام سے نہ ہٹا سکین،

حبشہ کی ہجرت

جب مشرکین کی ستم رانیان حد سے سوا ہو گئین اور ارض حرم مین جہان جانورون تک کو ستانے کی ممانعت ہے، مسلمانون کے لئے سانس لینے کی گنجایش باقی نہ رہی اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ارض حبشہ جو ان کے لئے مانوس مقام تھا، چلے جانے کا حکم دیا، اس حکم پر ۵ بعثت مین گیارہ مردون اور چار عورتون کا مختصر قافلہ حبشہ روانہ ہو گیا، قریش کو خبر ہوئی تو انھون نے بندرگاہ تک تعاقب کیا، لیکن مسلمان روانہ ہو چکے تھے[2]،

مسلمانون کو حبشہ سے نکلوانے کی کوشش اور اس مین ناکامی

حبشہ کا بادشاہ نجاشی نہایت رحمدل اور منصف مزاج تھا، اس کی عدالت کی دور دور تک شہرت تھی، اس لئے حبشہ پہنچکر مسلمانون کو اطمینان کی سانس لینے کا موقعہ ملا، لیکن قریش اسے بھی گوارا نہ کر سکتے تھے، چنانچہ عمرو بن العاص

---

[1] ان بزرگون کے اس ابتلا کے حالات ابن سعد وغیرہ مین ان کے ترجمون مین مذکور ہین۔ [2] اس کی پوری تفصیل طبری ج ۳ ذکر ہجرت حبشہ مین ہے،

اور عبداللہ ابن ربیعہ ہدایا و تحائف لے کر حبشہ پہنچے اور نجاشی کے درباریون کو ہموار کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے چند سادہ لوح نوجوانون نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین جو ہمارے اور آپکے دونون کے مذہب کے خلاف ہے اختیار کیا ہے اور آپکے ملک مین بھاگ آئے ہین، اس لئے ان کو ہمارے حوالہ کیا جائے" امرائے دربار نے بھی تائید کی، نجاشی نے نووارد مسلمانون کو بلا کر ان سے پوچھا، "تم نے وہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو بت پرستی اور نصرانیت دونون کے خلاف ہے:" اس کے استفسار پر حضرت جعفرؓ نے حسب ذیل تقریر کی:-

"ایہا الملک! ہم لوگ جاہل تھے، بتون کو پوجتے تھے مردار کھاتے تھے، بدکاری اور قطع رحم کرتے تھے، ہمسایون کے ساتھ زیادتی سے پیش آتے تھے، ہم مین کا طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا، ان حالات مین ہم مین خدا نے ایک پیغمبر بھیجا جس کی صداقت، پاکبازی، امانتداری اور حسب ونسب سے ہم سب واقف ہین، اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا اور ہمین تعلیم دی کہ ہم بتون کی پرستش چھوڑ دین، صرف خدائے واحد کی پرستش کرین، سچ بولین، امانت داری اور صلہ رحمی کرین، انسانون کا حق ادا کرین، خونریزی اور حرام باتون کو چھوڑ دین عفیفہ عورتون پر تہمت نہ لگائین، نمازین پڑھین، روزے رکھین، زکوٰۃ دین، ہم اس پیغمبر پر ایمان لائے، اس کی تعلیمات کو قبول کیا، شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی، حلال وحرام کو پہچانا، اور تمام اعمال بد سے باز آئے، اس جرم مین ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی، اور ہم کو طرح طرح کی اذیتین دیتی ہے کہ ہم ان باتون کو چھوڑ کر پھر گمراہی اختیار کر لین"

یہ تقریر سن کر نجاشی نے کہا اگر تم کو کچھ کلام الٰہی یاد ہو تو سناؤ، حضرت جعفرؓ نے کہیعص کا ابتدائی حصہ سنایا، اسے سن کر نجاشی اور اس کے بطریقون پر بے اختیار رقت طاری ہو گئی، اور اس نے کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور عیسیٰؑ کا کلام ایک ہی چراغ کے دو پر تو ہین" اور قریش کے

سفیرون کو صاف جواب دے دیا، کہ یہ مظلوم ہمارے حوالے نہین کیے جا سکتے ہیں

اس ناکامی کے بعد عمرو بن العاص دوسری چال چلے اور دوسرے دن دربار مین جا کر کہا

ان لوگون سے ذرا عیسیٰؑ کے متعلق تو پوچھیے کیا عقیدہ رکھتے ہین؟ اس نے پھر مسلمانون کو بلا بھیجا،

یہ بڑا آزمایش کا موقع تھا، قرآن حضرت عیسیٰؑ کے متعلق عیسائیون کے گمراہ کن عقائد کا سخت

مخالف تھا، لیکن حضرت جعفرؓ نے فیصلہ کیا کہ خواہ نتیجہ کچھ ہی ہو، وہ صحیح اسلامی عقائد بیان کرینگے چنانچہ

نجاشی نے جب ان سے پوچھا کہ عیسیٰؑ کے متعلق تم لوگون کا کیا عقیدہ ہے؟" تو حضرت جعفرؓ نے جواب

دیا کہ قرآن کی رو سے وہ خدا کے بندے، اس کے پیغمبر اور اس کی روح ہین: نجاشی نے ایک تنکا

اٹھا کر کہا کہ تم نے جو کچھ بیان کیا، عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہین، نجاشی کی زبان سے

یہ الفاظ سن کر اس کے بطارقہ برہم ہو گئے، لیکن اس نے کوئی پروا نہ کی، اور قریش کی سفارت ناکام لوٹ آئی[1]

حبشہ کی دوسری ہجرت

چند دنون حبشہ مین قیام کے بعد مسلمان اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبرین سن کر مکہ لوٹ آئے، قریب پہنچکر حقیقت معلوم ہوئی، کچھ لوگ تو پھر حبشہ لوٹ گئے، لیکن اکثر چھپ کے

مکہ چلے آئے اور کسی نہ کسی کی امان مین آ گئے، قریش اپنی سفارت کی ناکامی پر بہت جلے ہوئے تھے،

اس لئے اب انھون نے ستم رانی کا شکنجہ اور زیادہ کس دیا، اس لئے دوبارہ ایک سو دو[2] مسلمانون کو

جن مین ۸۳ مرد اور بیس عورتین تھین، ترکِ وطن کرنا پڑا؛

بنی ہاشم کا مقاطعہ اور شعب ابی طالب مین نظر بندی اور رہائی

قریش کی ہر طرح کی بندشون اور ستم آرائیون کے باوجود اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا تھا، اس لئے انھون نے آپس مین

طے کیا کہ اگر بنی ہاشم محمد کو قتل کے لئے حوالہ نہ کرین تو ان کا مکمل مقاطعہ کیا جائے، ان کے ساتھ شادی

بیاہ کے تعلقات منقطع کر لئے جائین، ان کے ہاتھ خرید و فروخت بند کر دی جائے، ان کے پاس

---

[1] یہ پوری تفصیل مسند احمد ابن حنبل ج اول ص ۲۰۲ اور سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۱۸۱ و مابعد مین مذکور ہے،

کھانے پینے کا سامان نہ جانے دیا جائے، ان سے کسی قسم کا ربط و ضبط نہ رکھا جائے، غرض ہر قسم کے معاشرتی تعلقات ان سے منقطع کر لئے جائیں،

مشرکین کی شرط ایسی تھی کہ کوئی باحمیت ہاشمی اسے پوری کرنے کے لئے تیار نہ ہو سکتا تھا اس لئے ابو طالب اپنے خاندان کو لے کر ایک گھاٹی میں جو انہی کے نام کی نسبت سے شعب ابی طالب مشہور تھی چلے گئے، اور کامل تین سال تک انتہائی مصیبتوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے، باہر سے ان کے پاس کھانے پینے کی کوئی شے نہ پہنچ پاتی تھی، بعض رحمدل چھپا چھپا کر غلہ پہنچا دیا کرتے تھے جس پر ان لوگوں کی زندگی کا مدار تھا، تین سال گذرنے کے بعد خاندان بنی ہاشم کے بعض قریبی اعزہ کو رحم، اور ہم کے ساتھ حمیت آئی، انھوں نے طے کیا کہ جس طرح ہو سکے ان لوگوں کو اس مصیبت سے نکالنا چاہیے، چنانچہ ہشام مخزومی، زمعہ بن الاسود، مطعم بن عدی اور زہیر نے معاہدہ نامہ چاک کر دیا، اور جا کر بنی ہاشم کو قید سے نکال لائے[1]۔

معراج اور فریضہ نماز

اسی سنہ میں معراج ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم افلاک اور جنت و دوزخ کی سیر کرائی گئی، معراج ہی میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی،

ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال

قید تنہائی سے نکلنے کے چند دنوں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے والے چچا اور ظاہری پشت پناہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا، اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد آپ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہؓ نے بھی سفر آخرت کیا، اور سال کے اندر اندر آپ کے دونوں اٹھ گئے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں بیباکی

ابو طالب کی حمایت اور حضرت خدیجہؓ صدیقہ کی مالی وجاہت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بڑے ظاہری سہارے تھے، ان کے بعد قریش کو کسی کا پاس و لحاظ باقی نہ رہ گیا، اور ان کو نہایت آزادی کے ساتھ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا

---

[1] اس کا ذکر ابن سعد، ابن ہشام اور طبری وغیرہ سب کتابوں میں ہے،

موقع ملا، چنانچہ انھون نے نہایت بے باکی کے ساتھ آپ کو ستانا شروع کردیا،[1]

تبلیغ کے لئے طائف کا سفر، اور واپسی

اگرچہ یہ ستم کشی کوئی نئی شے نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرصہ سے اسے برداشت کرتے چلے آرہے تھے، اور اس راہ کے ہر کانٹے کو پھول سمجھتے تھے لیکن اہلِ مکہ کی متمردانہ روش سے آپ کو ان کے قبولِ حق کی امید باقی نہ تھی، اس لئے دوسرے بندگانِ خدا کے کانون مین توحید کی آواز پہنچانے کے لئے طائف تشریف لے گئے، اور یہان کے رؤسا کے سامنے اسلام پیش کیا، لیکن یہان بھی وہی جواب ملا، اور وہی تمرد وسرکشی نظر آئی جس کا مشاہدہ مکہ مین ہوچکا تھا، بلکہ مکہ والے پھر بھی اپنے تھے، سب کو نہ سہی بعضون کو آپ کا پاس ولحاظ تھا، طائف والے بالکل بیگانہ تھے، اس لئے انھون نے اہلِ مکہ سے بھی زیادہ گستاخانہ سلوک کیا، اوباشون کو آپ کے پیچھے لگا دیا، جو تالیان بجاکر آپ کا تمسخر اڑاتے تھے، اور آپ پر پتھر برسا کر لہولہان کردیا، اس لئے آپ یہان سے بھی مایوس ہوکر پھر مکہ لوٹے،[2]

مطعم بن عدی کی زیرِ حمایت وظیفۂ تبلیغ مین وسعت

اس مرتبہ مطعم بن عدی نے آپ کو اپنی حمایت مین لے لیا، اور حرم مین جاکر اعلان کردیا کہ مین نے محمدؐ کو اپنی امان مین لے لیا ہے، اب کوئی انھین ستانے کا ارادہ نہ کرے،[3] مطعم بن عدی کی امان مین آنے کے بعد آپ نے اور زیادہ وسعت کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنا شروع کیا، عام مجمعون مین عکاظ اور ذی المجاز کے بازارون مین حج کے موقع پر بنی عامر، بنی فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، کندہ، کلب، غذرہ، حضارمہ، وغیرہ قبائل کا دورہ کرکے لوگون کو پیغامِ حق سنایا، دشمنِ اسلام ابولہب ہر جگہ ساتھ جاتا تھا، اور کہتا تھا یہ دین سے پھر گیا ہے، جھوٹ کہتا ہے اس کی باتین نہ سنو،[4]

---

[1] حدیث کی کتابون مین ان کے بہت سے واقعات ہین [2] مواہب لدنیہ مین اس کی پوری تفصیل ہے، دیکھو زرقانی ج اول ص ۲۹۵ [3] زرقانی جلد اول ص ۳۰۲،۳۰۳ [4] مستدرک حاکم ج اول ص ۱۵،

انصار کی بیعت اور مدینہ میں اسلام کی اشاعت

عین ان حالات میں خدا نے قبیلۂ اوس و خزرج کے بعض اشخاص کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی، اس سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا، اوس اور خزرج قحطانی نسل کے دو مشہور مدنی قبیلے تھے، اگرچہ یہ بھی مشرکینِ مکہ کی طرح بت پرست تھے، لیکن یہودیوں کی ہمسائگی کی وجہ سے مذہبی کتابوں سے بھی واقفیت رکھتے تھے، ان پر یہودیوں کا بڑا اثر و اقتدار تھا، لیکن ظہور اسلام سے کچھ پہلے ان کو بڑی حد تک اس سے آزادی حاصل ہو گئی تھی، مدینہ اور اس کے جوار میں ان کے بہت سے قلعے تھے، یہ بھی حج کے لئے مکہ آیا کرتے تھے ہیم حج میں تبلیغ کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور قبائلِ عرب کے ساتھ قبیلۂ خزرج کے چند آدمیوں کے سامنے بھی جو مکہ آئے ہوئے تھے اسلام پیش کیا، انھوں نے جن کی تعداد چھ تھی، اسلام قبول کر لیا، اس کے دوسرے سال بارہ [۱۲] آدمی اس شرف سے مشرف ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست پر مصعب بن عمیرؓ کو انھیں احکام سکھانے کے لئے ان کو ساتھ کر دیا، مصعبؓ مدینہ کے رئیس سعد بن زرارہ کے یہاں مقیم ہوئے، مدینہ آنے کے بعد انھوں نے گھر گھر اسلام کی دعوت شروع کر دی، ان کی کوششوں سے چند دنوں میں مدینہ میں اچھا خاصہ اسلام پھیل گیا، اس سلسلہ میں قبیلۂ اوس کے سردار سعد بن معاذ بھی مسلمان ہو گئے، ان کا اسلام گویا پورے قبیلہ کا اسلام تھا، دوسرے سال حج کے موقع پر بہتر [۷۲] اہلِ مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پر بیعت کی[۱]،

اگرچہ آفتاب اسلام کی کرنیں مکہ کی پہاڑیوں سے نکل کر مدینہ کے افق تک پہنچ گئیں، لیکن خود اہلِ مکہ کے تمرد و سرکشی کا اب تک وہی حال تھا، گو یہاں بھی ایک معتدبہ جماعت اسلام لا چکی تھی لیکن رؤسا جو اسلام کی راہ کا سنگِ گران تھے، اب تک ضلالت پر قائم تھے، بلکہ اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کا جنون اور زیادہ تیز ہوتا جاتا تھا، اور غریب مسلمانوں پر انھوں نے مکہ کی زمین تنگ کر رکھی تھی،

[۱] زرقانی ج اول ص ۳۱۷ تا ۳۲۷ میں ان کی پوری تفصیل ہے،

ہجرت کا عزم اور انصار کا عہد و پیمان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض صرف چند انسانون کو راہ راست دکھا دینے ختم نہ ہو جاتا تھا، بلکہ سارے عالم کو خدائے واحد کے سامنے جھکانا اور خانۂ کعبہ کو جو دنیا مین سب سے پہلا خدا کا گھر تھا، بتون کی آلائش سے پاک کرنا تھا، اور یہ اہم فرض مکہ مین رہ کر پورا ہونا ممکن نہ تھا، آپ کی بعثت کو اب تیرہ سال ہو چکے تھے، اس تیرہ سال کی جانکاہ محنت اور طرح طرح کی تکلیفون کو برداشت کرنے کے بعد ابھی بہت کم اہل مکہ مسلمان ہوئے تھے، اس لئے خدا کے دین کو زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ پھیلانے کے لئے کسی پر امن مقام کی ضرورت تھی، اوس و خزرج کے قبول اسلام سے مدینہ مین اسلام کی ایک پشت پناہ جماعت پیدا ہو چکی تھی جو اپنا تن من دھن سب اسلام پر سے نثار کرنے کو تیار تھی، اس لئے آپ نے اسلام کا تبلیغی مرکز مکہ سے مدینہ منتقل کر دینے کا عزم فرمایا، انصار کے لئے اس سے زیادہ سعادت کیا ہو سکتی تھی، وہ آنکھین فرش راہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے جو اگرچہ اب تک اسلام نہین لائے تھے، لیکن ان مین خون کی محبت موجود تھی، ان بہتر (۷۲) انصاریون سے جنھون نے حال مین اسلام قبول کیا تھا، فرمایا کہ "گروہ خزرج! محمدؐ اپنے خاندان مین معزز و محترم ہین، ہم ان کے دشمنون کے مقابلہ مین سینہ سپر رہے، اب وہ تمہارے یہان جانا چاہتے ہین، اگر تم لوگ مرتے دم تک ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتے ہو تو بہتر ہے ورنہ ابھی صاف جواب دیدو۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم لوگ اس پر بیعت کرو کہ اپنے اہل و عیال کی طرح میری حفاظت کرو گے، یہ سن کر براء بن معرور انصاری نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا، آپ نے ان سے بیعت لی، براءؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہم نے پشتہا پشت سے جنگ و جدال مین پرورش پائی ہے، ابھی انھون نے اتنا ہی کہا تھا کہ ابو الہیثمؓ انصاری بات کاٹ کر بولے، یا رسول اللہ ہم مین اور یہود مین جو تعلقات ہین بیعت کے بعد ٹوٹ جائین گے، ایسا نہ ہو کہ جب آپ کو اقتدار حاصل ہو اس وقت آپ ہم کو چھوڑ دین اور اپنے وطن لوٹ آئین۔" آپ نے مسکرا کر فرمایا نہین

تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں[1]،

اس گفتگو کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعتِ انصار میں سے بارہ نقیب مقرر فرما کر ان سے بیعت لی، سعد بن زرارہ نے کھڑے ہو کر اپنی جماعت سے کہا، سمجھتے ہو؟ خبر ہے، کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ بیعت عرب و عجم اور جن و انس کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے، سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا، ہاں ہم اسی پر بیعت کرتے ہیں[2]،

صحابہؓ کی ہجرت مدینہ

مدینہ میں جائے پناہ حاصل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ہجرت کی اجازت عطا فرما دی اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے روک ٹوک شروع کی، لیکن رفتہ رفتہ اکثر صحابہ نکل گئے، صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور وہ صحابہؓ جو ناداری کی وجہ سے مدینہ جانے تک کی مقدرت نہ رکھتے تھے باقی رہ گئے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش

مدینہ میں پہنچ کر مسلمانوں کو امن و سکون نصیب ہوا، اور ان کی تعداد نہایت تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی، اس کا تدارک مشرکین مکہ کے بس سے باہر تھا، وہ سخت پیچ و تاب کھاتے تھے، اور کچھ نہ کر سکتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک مکہ ہی میں تشریف رکھتے تھے، اس لیے مشرکین نے اپنی ناکامی کے غصہ میں (نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا قصہ چکا دینے کا عزم کر لیا، چنانچہ عتبہ، ابوسفیان، جبیر بن مطعم، ابوجہل، امیہ بن خلف اور حکم بن حزام وغیرہ رؤسائے قریش نے اس بارہ میں مختلف رائیں دیں، سرخیلِ اعدا ابوجہل نے تجویز پیش کی کہ سرے سے محمد ہی کا کام تمام کر دیا جائے، کہ یہ قصہ ہی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، اور ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس میں شریک ہو تاکہ بنی ہاشم بدلہ نہ لے سکیں، اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا، اور رات گذرنے کے بعد کاشانۂ نبوی کا محاصرہ کر کے آپ کے برآمد ہونے کا انتظار کرنے لگے[3]،

ہجرت نبوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارادہ سے آگاہی ہو گئی، آپ کے ذمہ اہل مکہ کی کچھ امانتیں

۱؎ سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۲۲۲ ۲؎ ایضاً ص ۲۴۴ ۳؎ ایضاً ص ۲۶۵،

تھیں، حضرت علیؓ کو بلا کر یہ امانتیں سپرد کیں، اور فرمایا میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا، تم میرے پلنگ پر چادر اوڑھ کر سو رہو، صبح کو سب کی امانتیں پہنچا دینا۔ خدا کو اپنا دین مکمل کرنا تھا، اس لئے مشرکین کو نیند آگئی، اور انھیں غافل پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نکل آئے، اور ان حسرت کلمات کے ساتھ کہ تو مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے، لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے، کعبہ کو الوداع کہہ کر حضرت ابو بکرؓ کے گھر تشریف لے گئے، یہاں سواری وغیرہ سفر کا ضروری سامان موجود تھا، فوراً دونوں روانہ ہو گئے، اور مکہ سے تین میل چل کر غار ثور میں روپوش رہے، تین دن تک اس غار میں مقیم رہے، اس درمیان میں حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے عبداللہ برابر رات کو غار میں ساتھ رہتے، اور صبح سویرے مکہ چلے جاتے، اور وہاں کے حالات کا پتہ چلا کر شام کو آکر ان کی اطلاع دیتے، آپ کا غلام روزانہ دودھ پہنچا جاتا،

تعاقب اور مشرکین کی ناکامی

ادھر مکہ میں جب محاصرہ کرنے والوں کی آنکھیں کھلیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت علیؓ کو بستر پر پایا، یہ بہت کمسن تھے، اس لئے معمولی تنبیہ کر کے چھوڑ دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے، ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور کے دہانہ تک پہنچ گئے، حضرت ابو بکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے گھبرائے، آپ نے اطمینان دلایا، گھبراؤ نہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے، اس اعتماد نے دستگیری کی، اور تلاش کرنے والوں کی نظر آپؐ لوگوں پر نہ پڑی، اور وہ ناکام لوٹ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چوتھے دن غار سے نکل کر آگے بڑھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے نکلنے کے بعد قریش نے اشتہار دے دیا تھا کہ جو شخص محمد یا ابو بکر کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو سو اونٹ دئے جائیں گے، اس انعام کی طمع میں بہت سے آدمی تلاش کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے نکلنے کے وقت ایک شخص سراقہ ابن جعشم نے دور سے آپؐ کو دیکھا تھا، لیکن اس کو پورا یقین نہ تھا، اشتہار کے بعد وہ بھی تعاقب میں

نکلا اور تلاش کرتے کرتے قریب پہنچ گیا، لیکن اس کے گھوڑے نے پیہم ٹھوکرین لین، قریب پہنچکر گھوڑے کے پاؤن زمین مین دھنس گئے، اس پیہم بدشگونیون پر اسے خیال ہوا کہ یہ آثار تو کچھ اور ہین، اس لئے اس نے گرفتاری کا خیال ترک کردیا، اور آنحضرت ﷺ کے پاس جاکر آپ کو اشتہار کا حال سنایا، اور استدعا کی کہ آیندہ کے واسطے میرے لئے امان نامہ لکھ دیجئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ سے لکھوا کر دیدیا، یہ تحریر پاکر سراقہ لوٹ گیا، اور آنحضرت ﷺ منزلین طے کرتے ہوئے آگے بڑھے،[1]

اہلِ مدینہ کا انتظار

اہلِ مدینہ آپ کی تشریف آوری مین چشم براہ تھے، روزانہ شہر سے نکل کر انتظار کرکے ناکام لوٹ جاتے تھے، ایک دن حسب معمول انتظار کرکے واپس ہوئے تھے، کہ ایک یہودی نے اطلاع دی کہ اہلِ عرب جس کا تم انتظار کرتے تھے، وہ آگیا، یہ سنتے ہی سارا شہر تکبیرون سے گونج اٹھا،

قبا مین ورود اور مسجد قبا کی تاسیس

مدینہ سے باہر قبا مین چند انصاری خاندان آباد تھے، جو لی مدینہ مین پہنچ کر آپ نے پہلی منزل انہی کے پاس کی، اور کلثوم بن ہدم کو شرف میزبانی حاصل ہوا، قبا مین آپ کے آنے کی خبر سن کر جوق در جوق انصاری سلام کے لئے حاضر ہونے لگے،[2] یہان آپ نے چودہ دن قیام فرمایا، اور ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر فرمائی، یہ اسلام مین سب سے پہلی مسجد تھی، قرآن مین لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى سے یہی مسجد مراد ہے۔[3]

مدینہ مین داخلہ، انصار کا جوش اور ابو ایوبؓ انصاری کے یہان قیام

تعمیر مسجد کے بعد مدینہ روانہ ہوئے، راستہ مین بنی سالم کے محلہ مین پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی، سارا مدینہ استقبال کے لئے ٹوٹ پڑا تھا، قبا سے مدینہ تک دو رویہ انصاریون کی صفین تھین، ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا حضور یہ جان

---

[1] یہ پوری تفصیل بخاری باب الہجرۃ سے ماخوذ ہے [2] بخاری ج اول ص ۵۶۰ و طبقات ابن سعد حصہ سیر ص ۱۵۸

[3] اس مسجد کی تعمیر کی تفصیل وفاء الوفاء مین ہے،

ہے، یہ مال ہے، یہ دولت ہے، آپؐ اظہارِ منت کرتے، اور دعائے خیر فرماتے ہوئے مدینہ پہنچے، سارا مدینہ جوشِ استقبال مین امنڈ آیا، عورتین گاتی ہوئی چھتون پر چڑھ گئین، معصوم لڑکیان خوشی مین دَف بجا بجا کر گاتی تھین[1]، جب کوکبۂ نبویؐ حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے مکان کے پاس پہنچا، اس وقت شرفِ میزبانی کے لئے باہم سخت کشمکش ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اونٹنی خدا کی طرف سے مامور ہے وہ جہان جا کر بیٹھ جائے گی وہی میری قیام گاہ ہوگی، چنانچہ یہ دولت حضرت ابو ایوبؓ کے حصہ مین آئی، آپؐ نے سات مہینہ ان کے یہان قیام فرمایا، اسی وقت سے سنہ ہجری کا آغاز ہوتا ہے

تعمیر مسجد اور نماز باجماعت کا اہتمام،

اب تک مدینہ مین مویشی خانہ مین نماز پڑھی جاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لانے کے بعد مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا، آپؐ کی قیام گاہ کے قریب بنی نجار کی افتادہ زمین تھی، انھون نے بلا قیمت نذر دینی چاہی مگر آپؐ نے منظور نہ فرمایا، اور باصرار قیمت ادا فرمائی، اور صحابہؓ کے ساتھ مل کر ایک مختصر اور سادہ مسجد تعمیر کی جس کی دیوارین کچی اینٹون کی، ستون کھجور کے تنون کے، اور چھت پتون کی تھی، قریب ہی نادار مسلمانون کے قیام کے لئے ایک چبوترہ تعمیر فرمایا، جو تاریخِ اسلام مین صفہ کے نام سے مشہور ہے، مسجد کی تعمیر کے بعد ہی متصل ازواجِ مطہرات کے حجرے بنے[2]،

تعمیرِ مسجد سے پہلے نماز باجماعت کا اہتمام نہ تھا جس سے اسلام کی عبادتون کا ایک مقصد یعنی وحدت واجتماع فوت ہوتا تھا، تعمیرِ مسجد کے بعد نماز باجماعت قائم ہوئی اور اعلان کیلئے حضرت عمرؓ کی رائے سے اذان دینے کا طریقہ جاری ہوا[3]

مہاجرین اور انصار مین رشتۂ اخوت انصار کا بے مثال ایثار

مکہ کے غریب الوطن جنھیں اسلامی اصطلاح مین "مہاجرین" کہا جاتا ہے، بالکل بے سروسامان مدینہ آئے تھے، اگرچہ ان مین بہتیرے صاحب حیثیت بھی

---

[1] زرقانی ج اول ص ۳۹۳ [2] اس مسجد کی تعمیر کے حالات بخاری کے مختلف ابواب مین پوری تفصیل ابن سعد حصہ سیرت ص ۱۶۱ مین مذکور ہے [3] بخاری باب الاذان وابوداؤد باب بدء الاذان،

تھے، لیکن ایسی حالت میں وطن چھوڑا تھا کہ کوئی شے گھر سے لا نہ سکے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سہارا قائم کرنے اور ان کی اجنبیت دور کرنے کے لئے ان میں اور انصار میں رشتۂ اخوت قائم کر دیا، یعنی ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا، یہ اخوت حقیقی اخوت سے بڑھ گئی، اس موقع پر انصار نے جس فیاضی، جس ایثار اور جس میزبانی کا ثبوت دیا، تاریخ اس کی مثال[ل] نہیں پیش کر سکتی، انھوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کی حیثیت محض مہمان کی نہ رہنے دی، بلکہ ان کو مال و دولت، زمین، جائداد، کھیتی باڑی، اپنی ساری کائنات میں برابر کا شریک و سہیم بنا لیا، حتی کہ حضرت سعد بن ربیع نے جن کے دو بیویاں تھیں ایک بیوی کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی حضرت عبد الرحمنؓ کے سامنے نکاح کے لئے پیش کیا، لیکن انھوں نے احسان مندی کے ساتھ اس سے انکار کر دیا اکثر مہاجرین نے صرف بقدر ضرورت نقد لے کر اپنا کاروبار علٰحدہ شروع کر دیا، یہ رشتہ اتنا قوی تھا کہ جب تک آیۂ میراث نازل نہ ہوئی اس وقت تک متوفی انصارؓ کی وراثت مہاجرینؓ کو ملتی تھی جب جب مہاجرین کی حالت سنبھلتی گئی، مہاجرین انصار کی امانت انہیں واپس کرتے گئے،

یہود مدینہ سے معاہدہ یہود اپنے تمول اور ثروت کی وجہ سے مدینہ میں بڑے صاحب اقتدار تھے اور مدتوں سے انصار کو دباتے چلے آرہے تھے، گو اب ان کا پہلا اقتدار باقی نہ رہ گیا تھا تاہم انصار کے مقابلہ میں ان کی امتیازی شان قائم تھی، اس لئے ان کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرات تھے، چنانچہ آپ نے ان سے ایک معاہدہ کیا جس کی اہم دفعات یہ ہیں کہ خونبہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے وہ قائم رہے گا، یہود کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی، اور وہ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھیں گے، فریقین میں سے جب کسی کو تیسرے فریق سے جنگ پیش آئے تو باہم ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں گے، کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا، جب کوئی بیرونی طاقت مدینہ پر

ل انصار کے اس ایثار و قربانی کے واقعات مختلف کتابوں میں ہیں حضرت سعدؓ بن ربیع کا واقعہ بخاری کتاب المناقب باب اخاء النبی میں ہے

حملہ کرے گی تو دونون مل کر مدافعت کرین گے، فریقین مین سے جب کوئی کسی تیسری طاقت سے صلح کرے گا تو دوسرے کو بھی صلح کرنی ہوگی، البتہ مذہبی لڑائیان اس سے مستثنیٰ رہین گی،[1] اب تک نماز کی صرف دو رکعتین تھین، سنہ ۱ھ مین فجر اور عصر کے علاوہ چار چار ہوگئین،

کعبہ کا قبلہ قرار پانا

اب تک مسلمان بیت المقدس کی جانب جو یہود و نصاریٰ کا قبلہ تھا نماز پڑھتے تھے، لیکن اسلام ایک مستقل مذہب تھا، اس کے استقلال و اختصاص کے لئے ایک مستقل قبلہ کی ضرورت تھی، اسلام ملت ابراہیمی کی تجدید کے لئے آیا تھا، اس لئے اس کا قبلہ خانۂ ابراہیم ہی ہو سکتا تھا، چنانچہ سولہ مہینے بیت المقدس کی سمت نماز پڑھنے کے بعد سنہ ۲ھ مین خدا نے کعبہ کو مسلمانون کا قبلہ قرار دیا،

یہودیون کی مخالفت کا آغاز

انصاریون کی مالی کمزوری اور بت پرستی کی وجہ سے ان پر مدتون سے یہودیون کا جو مذہب اور دولت و ثروت دونون مین ان سے ممتاز تھے، مذہبی اور مالی تفوق چلا آتا تھا، اسلام نے ان کی اس برتری کو نقصان پہنچایا تھا، اس لئے یہودی دل سے اسلام کے خلاف تھے، لیکن ابتدا مین ان کی مخالفت پردہ مین رہی، اور جب تک بیت المقدس اسلام کا قبلہ رہا اس وقت تک یہود منافقانہ مسلمانون کے بھیس مین نماز مین بھی مسلمانون کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے، لیکن بیت المقدس کو وہ کسی حالت مین نہین چھوڑ سکتے تھے، اس لئے تحویل قبلہ کے بعد جب ان کا یہ رہا سہا امتیاز بھی جاتا رہا اس وقت ان کی منافقت کا راز فاش ہوگیا اور وہ علانیہ مسلمانون کے خلاف ہوگئے،

مسلمانون کی عام مخالفت اور مدینہ پر حملہ کا خطرہ

سنہ ۲ھ سے اسلام کی زندگی مین ایک نئے باب کا آغاز ہوا اس کے پیروون کو دشمنون کی ریشہ دوانیون سے مجبور ہو کر اپنی بقاء و حفاظت کے لئے تلوار ہاتھ مین لینی پڑی، اس دور پر بعض کوتاہ بین یہ اعتراض کرتے ہین کہ اسلام جب تک

[1] تفصیل کے لئے دیکھو ابن ہشام ج اول ص ۲۷۸ و ۲۷۹،

مکہ میں کس مپرسی کی حالت میں رہا، اس وقت تک وہ ہر قسم کے ستم سہتا رہا، مدینہ پہنچکر جب اس میں قوت پیدا ہوئی اس وقت اس نے تلوار اٹھائی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدینہ آنے کے بعد بھی مسلمانوں کو پورا اطمینان نہیں ہوا، یہ صحیح ہے کہ مکہ کی طرح ان کی زندگی مشق ستم نہیں رہی لیکن ان کی مخالفت کے اسباب اور مخالفین کی تعداد میں اور اضافہ ہوگیا، وہان صرف ایک قریش کا مقابلہ تھا، مدینہ آکر اس میں یہودیون اور بعض انصار کا بھی اضافہ ہوگیا، یہود کی مخالفت کا سبب تو کھلا ہوا ہے، کہ اسلام ان کے عہدیون کے وقار کو مٹا رہا تھا، انصاریون کے خاندان میں بھی بعض وہ رؤسا جن کی سیادت خطرہ میں پڑگئی تھی، گو زبان سے کچھ نہ کہتے تھے لیکن دل سے اسلام اور مسلمانون کے خلاف تھے، عبد اللہ بن ابی منافق جو ہجرت سے پہلے رئیس الانصار تھا، اور انصار نے اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کے لئے تاج تیار کر لیا تھا[1]، اس کے علاوہ قریش جنھیں سارے عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی، تمام قبائل عرب کو جن میں اہل مدینہ بھی شامل تھے، مسلمانون کے خلاف بھڑکا رہے تھے، چنانچہ انھون نے عبد اللہ بن ابی کو لکھا تھا کہ "تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہان پناہ دی ہے ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہین کہ یا تو تم لوگ اسے قتل کردو، یا اپنے یہان سے نکال دو، ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کرین گے، اور تم کو فنا کرکے تمھاری عورتون پر تصرف کرین گے[2]"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوگئی، آپ نے عبد اللہ کو سمجھایا کہ کیا اپنے بیٹون اور بھائیون سے لڑوگے، اکثر اہل مدینہ مسلمان ہوچکے تھے، اس لئے عبد اللہ قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا، انصار کی حمایت اسلام پر قریش کا جوش غضب برابر بڑھتا جاتا تھا، اتفاق سے اسی زمانہ میں اوس کے رئیس اعظم حضرت سعد بن معاذ انصاری عمرہ کیلئے مکہ گئے ہوئے تھے، اور اپنے پرانے رفیق امیہ بن خلف کے مہمان ہوئے، قریش کے بعض افراد نے ان سے کہا کہ تم لوگون نے بے دینون کو پناہ دی ہے، اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو یہان سے بچکر

---

[1] بخاری باب السلام علی جماعۃ فیہا المسلم والکافر [2] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۶ باب خبر النضیر،

نہین جاسکتے تھے، سعدؓ نے کہا "اگر تم نے مجھ کو حج سے روکا تو ہم تمھارا مدینہ کا راستہ بند کردینگے"
قریش نے نہ صرف مدینہ پر حملہ کی دھمکی دی، بلکہ حملہ کی تیاریان شروع کردین، اور یہ خطرہ
اس قدر بڑھ گیا کہ صحابہؓ راتون کو ہتھیار لگا کر سوتے تھے،[2]

حفاظت اور مدافعت کی تدبیرین

ان حالات سے مجبور ہوکر مسلمانون کو اپنی اور اپنے حامی انصاریون کی
حفاظت کے لئے جنھون نے اسلام کی خاطر قریش کی دشمنی خریدی تھی، مدافعانہ
کاروائی کرنی پڑی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے کاروان تجارت کی روک ٹوک شروع
کی، اور حمزہؓ، عبیدہ بن حارثؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ کو مختلف اوقات مین تھوڑی جماعت کے
ساتھ مکہ کی طرف بھیجا، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، اس کے بعد مدینہ کی حفاظت کے لئے مدینہ کے
آس پاس کے قبائل سے معاہدہ کیا، سب سے پہلے قبیلہ جہینہ سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین مین سے کسی کا
ساتھ نہ دین گے، اس کے بعد قبیلہ مزینہ سے معاہدہ کیا، کہ اگر کوئی قوت ان پر حملہ آور ہوگی، تو مسلمان
ان کی مدد کرین گے، اور جب مسلمانون کی مدد کی ضرورت ہوگی تو وہ مدد کے لئے آئین گے،[3]

مدینہ کی چراگاہ پر حملہ

اس معاہدہ کے ایک مہینہ بعد مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی
چراگاہ پر حملہ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی لوٹ لئے، مسلمانون نے تعاقب کرکے مویشی
چھین لئے، لیکن کرز بچ کر نکل گیا،[4] اسی سنہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالعشیرہ تشریف لیجا کر بنی مدلج سے معاہدہ کیا،

سریہ عبداللہ بن جحش

رجب ۲ھ مین آپ نے عبداللہ بن جحش کو بارہ آدمیون کی مختصر جماعت کے ساتھ
قریش کے کاروان تجارت کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا، اتفاق سے قریش کے چند
آدمی جو تجارتی سامان لئے ہوئے شام سے واپس آرہے تھے مل گئے، عبداللہ نے ان پر حملہ کردیا،

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی [2] لباب فی اسباب النزول للسیوطی و مسند دارمی [3] زرقانی جلد اول ص ۳۹۱ [4] بخاری کتاب المغازی و اصابہ تذکرہ کرز بن جابر،

اور ایک آدمی قتل اور دو گرفتار کر کے مدینہ لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل پر ناپسندیدگی ظاہر فرمائی کہ میں نے تم کو جنگ کی اجازت نہیں دی تھی، اور غنیمت کا مال بھی قبول نہ فرمایا، صحابہؓ نے بھی ناپسندیدگی ظاہر کی۔[1]

غزوۂ بدر | سوئے اتفاق سے جو لوگ قتل و گرفتار ہوئے تھے، وہ معززین قریش تھے، اس لئے قریش جو پہلے سے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کر رہے تھے، اس واقعہ سے اور زیادہ مشتعل ہو گئے، اسی دوران میں مکہ میں یہ خبر اڑ گئی کہ مسلمان قریش کا کاروانِ تجارت لوٹنے کے لئے آ رہے ہیں، اس خبر پر قریش بڑے زور شور کے ساتھ حملہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا، مہاجرینؓ نے جان نثارانہ تقریریں کیں، لیکن آپ انصارؓ کا عندیہ لینا چاہتے تھے قبیلہ خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہؓ نے انصار کی طرف سے عرض کیا کہ آپ جہاں تشریف لیجائیں گے ہم آپکے ساتھ ہیں، اور جس سے چاہئے تعلق منقطع کر لیجئے، جس سے چاہئے قائم رکھئے، آپ ہم سے جو لینا چاہیں یا ہم کو دینا چاہیں ہم دونوں کے لئے حاضر ہیں، آپ ہمارا جس قدر مال قبول فرمائیں گے اس سے ہم کو زیادہ خوشی ہوگی اس مال کے مقابلہ میں جو آپ چھوڑ دیں گے، آپ جو حکم دیں گے ہم سب آپکے تابع فرمان ہیں، اگر آپ برک غمدان تک بھی جائیں گے تو ہم آپکے ساتھ ہیں، اگر آپ ہم کو سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے، تو ہم کود پڑیں گے، حضرت مقدادؓ نے کہا کہ ہم موسیٰؑ کی امت کی طرح نہیں ہیں جس نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہم آپ کے داہنے بائیں آگے پیچھے آپ کے ساتھ لڑیں گے، یہ تقریریں سن کر آپ کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا، اور آپ رمضان ۲ھ میں تین سو تیرہ مسلمانوں کو لے کر جن میں ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے، مدینہ سے روانہ ہوئے، اس درمیان میں قریش کا لشکر جس میں ایک ہزار پیدل سپاہ اور سو سوار

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۴۴۳، ۴۴۵ و طبری ص ۱۲۷۵ و زاد المعاد ج اول ص ۳۴۲،

تھے، عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں مدینہ کے قریب پہنچ گیا، اور مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہ بدر کے قریب اس کی اطلاع ملی، آپ وہیں ٹھہر گئے، لیکن قریب کوئی کنواں نہ تھا، اس لئے آگے بڑھ کر ایک چشمہ پر خیمہ زن ہوئے، اور رات بھر دعا و مناجات میں مصروف رہے صبح کو فوج مرتب کر کے دعا فرمائی، خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر، اگر آج تیرے یہ چند بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا۔[1]

یہ بڑے امتحان و آزمائش کا موقع تھا، جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمانوں کو نظر آیا کہ خود ان کے بزرگ اور ان کے قلب و جگر کے ٹکڑے تلواروں کے سامنے ہیں لیکن اسلام کی محبت نے تمام رشتوں کو بھلا دیا تھا، چنانچہ میدان جنگ میں حضرت ابوبکرؓ کی تلوار اپنے لخت جگر عبدالرحمن کے مقابلہ میں بے نیام ہوئی،[2] حضرت عمرؓ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی، حذیفہؓ کو اپنے والد عتبہ کے مقابلہ میں آنا پڑا،[3]

پہلے فرداً فرداً مقابلہ ہوا، اور دونوں فوجوں میں سے ایک ایک آدمی میدان میں آیا، مقتول عامر کے بھائی عمرو کو حضرت عمرؓ کے غلام نے قتل کیا، قریش کے سپہ سالار عتبہ کا کام حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے تمام کیا، اس کے بھائی شیبہ کو علیؓ کی تلوار نے ختم کیا، عبیدہ بن سعید کو حضرت زبیرؓ نے مارا، اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی، اور دونوں فوجیں آپس میں گتھ گئیں، دو انصاری نوجوان معوذؓ اور عفراؓ ابوجہل کی تاک میں تھے، نظر پڑتے ہی اس کا کام تمام کر دیا، ابوجہل کے نے جھپٹ کر معوذؓ پر تلوار کا وار کیا، ہاتھ شانہ سے لٹک گیا، صرف تسمہ لگا رہ گیا، مگر وہ اس حالت میں بھی لڑتے رہے، لیکن کٹا ہوا ہاتھ تلوار چلانے میں مزاحم ہوتا تھا، اس لئے تسمہ کاٹ کر الگ کر دیا، ابوجہل کے قتل سے قریش میں بددلی پھیل گئی، لیکن ابھی ایک اور سردار امیہ بن خلف باقی تھا،

[1] سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۲۶۰ [2] استیعاب ذکر عبدالرحمن بن ابی بکرؓ [3] سیر ابن ہشام ذکر غزوہ بدر

عبدالرحمن بن عوف اس کے حلیف تھے اس لئے وہ مسلمانون کی نظر بچا کر اسے نکال دینا چاہتے تھے، اتفاق سے حضرت بلالؓ نے جو مکہ مین اس کے مشقِ ستم رہ چکے تھے، دیکھ لیا، انھون نے انصار کو خبر کردی، وہ طرف سے ٹوٹ پڑے، حضرت عبدالرحمنؓ بچانے کے لئے امیہ پر لیٹ گئے، لیکن بلالؓ کی فریاد کے مقابلہ مین لوگون نے ان کی پرواہ نہ کی، اور نیزے سے چھید چھید کر قتل کر ڈالا[1]،

اسیران جنگ سے حسنِ سلوک

امیہ کے قتل ہوتے ہی کفار نے میدان چھوڑ دیا، مسلمانون مین کل ۱۴ آدمی شہید ہوئے، اور قریش کے بہت سے نامور سردار شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابو البختری، زمعہ بن اسود، امیہ بن خلف وغیرہ مارے گئے، اور مشاہیرِ قریش مین حضرت عباسؓ، عقیل، نوفل، اسود، عبد بن زمعہ وغیرہ گرفتار ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قیدیون کو صحابہؓ مین تقسیم کرکے انھین آرام سے رکھنے کا حکم دیا، اس پر صحابہؓ نے اس شدت سے عمل کیا کہ خود کھجور کھا کر بسر کرتے تھے، اور قیدیون کو کھانا کھلاتے تھے[2]، جن کے پاس کپڑے نہ تھے، انھین کپڑے دئے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ جنگ کے بارہ مین صحابہؓ سے مشورہ کیا، حضرت ابوبکرؓ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، لیکن حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ قتل کردیا جائے، اور مسلمان خود اپنے ہاتھون سے اپنے اعزہ کو قتل کرین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند فرمائی اور فدیہ لے کر سب کو رہا کردیا، جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ نہ ادا کرسکتے تھے تو ان مین سے جو لوگ لکھنا جانتے تھے، ان کے متعلق حکم ہوا کہ دس دس لڑکون کو لکھنا سکھادین تو وہ رہا کردئے جائین گے[3]،

قریش کا جوشِ انتقام اور غزوۂ سویق

اس جنگ مین بہت سے رؤساے قریش مارے گئے تھے، ان کے بعد ابوسفیان ابن حرب اموی قریش کی مسندِ ریاست پر بیٹھا، عرب کی روایات کے مطابق اب وقت اس کا مقدم فرض مقتولین بدر کا انتقام لینا تھا، چنانچہ اس نے عہد کیا کہ جب تک وہ اپنے

---

[1] بخاری کتاب المغازی غزوۂ بدر [2] طبری ص ۱۳۳۸ [3] مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۲۴۶،

مقتولین کا انتقام نہ لے لیگا، اس وقت تک سر میں تیل نہ ڈالے گا، اور دو سو سواروں کا دستہ لے کر خفیہ مدینہ پہنچا، بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم یہودی نے پر تکلف دعوت کی، اور مدینہ کے مخفی رازوں سے آگاہ کیا، اس سے حالات معلوم کرنے کے بعد ابوسفیان نے عریض پر حملہ کیا، اور ایک انصاری کو قتل کر کے مکانات اور گھاس کے ذخیرے جلادئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ اس کے تعاقب میں نکلے، لیکن ابوسفیان نکل گیا،[1]

متفرق واقعات

اسی سنہ یعنی ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے، اور پہلی مرتبہ عیدگاہ میں نماز عید ادا ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ کے ساتھ سوا سو روپے مہر پر کیا، اور ایک چارپائی، چمڑے کا گدا، ایک چھاگل، دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے جہیز میں دئے،[2]

غزوۂ احد

اگرچہ عریض پر حملہ سے ابوسفیان کی قسم فی الجملہ پوری ہوگئی، لیکن جن جن لوگوں کے اعزہ بدر میں قتل ہوئے تھے، وہ ابوسفیان کے پاس پہنچے اور کہا محمد نے قریش کو تباہ کر دیا ہے، اس کا انتقام ضروری ہے، اس کے اخراجات کے لئے اس مرتبہ کاروانِ قریش کا منافع ہم کو دلا دیا جائے، سب نے اسے بخوشی منظور کر لیا، اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ تیاریاں شروع ہوگئیں، اور شوال ۳ھ ۶۲۴ء میں بڑے سروسامان سے قریش مدینہ روانہ ہوئے، حضرت عباسؓ نے جو اسلام لا چکے تھے اور مکہ ہی میں مقیم تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خفیہ اطلاع بھجوادی، آپ نے پتہ چلانے کے لئے آدمی بھیجے، معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب عریض تک پہنچ چکا ہے،[3]

دوسرے دن صبح کو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا، اکثر مہاجرین اور تجربہ کار انصار نے رائے دی کہ عورتوں کو شہر کے باہر قلعوں میں بھیجدیا جائے اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے

---

[1] ابن سعد ج ۲ ص ۲۱ [2] ابن سعد ج ۸ تذکرہ فاطمہؓ و زرقانی ج ۲ میں اس نکاح کی پوری تفصیل ہے [3] ابن سعد ج ۲ ص ۲۵

دو کڑیان پیوست ہوگئیں، یہ دیکھ کر جان نثارون نے ہر طرف سے حصار مین لے لیا، ابودجانہؓ آپؐ کے سامنے جھک کر سینہ سپر ہوگئے، جو تیر آتا تھا اسے پیٹھ پر روکتے تھے، حضرت طلحہؓ تلوار کے وار ہاتھ پر روکتے تھے، ایک ہاتھ کٹ کر الگ ہوگیا، ابوطلحہؓ نے تین کمانین توڑین اور سینہ سامنے کردیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چشم زخم نہ پہنچنے پائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تیرون کی بارش ہو رہی تھی، لیکن رحمت عالمؐ کی زبان پر اس وقت بھی یہ الفاظ تھے "اے خدا میری قوم کو بخشدے کہ وہ جانتے نہیں"[1] چہرۂ انور سے خون جاری تھا، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ نے زخم کو دھویا اور چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اسے زخم مین بھرا، اس سے خون تھما[2]،

مشرکین کا ریلا رکا تو آپؐ چند جان نثارون کے ساتھ پہاڑی کے اوپر چڑھ گئے، مشرکین کی فوج مین بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پھیل گئی تھی، ابوسفیان نے اس کی تصدیق کے لئے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی، محمدؐ یہان ہین؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانون کو جواب دینے سے منع کردیا، ابوسفیان نے جواب نہ پاکر ابوبکرؓ و عمرؓ کو آواز دی، اس پر بھی جب کوئی جواب نہ ملا، اس وقت اس نے مسرت مین نعرہ لگایا کہ سب مارے گئے، حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہوسکا، بولے دشمن خدا! ہم سب زندہ ہین، یہ سن کر ابوسفیان نے ہبل کا نعرہ لگایا "اعل ھبل" صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جواب دیا "اللہ اعلیٰ واجل" ابوسفیان پکارا "لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم" صحابہؓ نے کہا "اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم"[3] مسلمانون کے سنبھلنے کے بعد قریش کی ہمت پست ہوگئی، اور وہ لوٹ گئے،

اس معرکہ مین ستر مسلمان شہید ہوئے[4] جن مین زیادہ تر انصار تھے، اختتام جنگ کے بعد قریش کی خواتین نے مقتولین بدر کے انتقام کے جوش مین مسلمان شہدا کے ناک کان کاٹ دیے، ابوسفیان

---

[1] مسلم غزوۂ احد ج اول ص ۱۰۰ [2] بخاری غزوۂ احد ج ۲ ص ۵۸۱ [3] بخاری غزوۂ احد جلد ۲ ص ۵۸۰ [4] ایضاً،

کی بیوی ہندہ نے ان پھولون کا ہار بنا کر پہنا، اور حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا گئی،

اس غزوہ مین مسلمان عورتون نے بھی بڑی بہادری اور جانفروشی دکھائی، حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ مشک مین پانی بھر کر لاتی تھین اور زخمیوں کو پلاتی تھین[1]،

مشرکین کے حملۂ عام کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند جان نثار باقی رہ گئے تھے، آپ کی حفاظت کے لئے حضرت ام عمارہؓ آپ کے پاس پہنچ گئین، جو مشرک آپ کی طرف بڑھتا تھا اس کو تیر اور تلوار کے ذریعہ روکتی تھین، ابن قمیہ جب آپ کے پاس پہنچ گیا تو ام عمارہؓ نے بڑھ کر اس کو بھی روکا، اس روکنے مین ان کا شانہ زخمی ہوا، انھون نے بھی تلوار چلائی، لیکن ابن قمیہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا، اس لئے وار کارگر نہ ہوا[2]،

حضرت حمزہؓ کی بہن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ مسلمانون کی شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلین، مشرکین نے حضرت حمزہؓ کی لاش کو مثلہ کر دیا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ بن عوام کو بلا کر حکم دیا، کہ صفیہ بھائی کی لاش نہ دیکھنے پائین، انھون نے مان سے کہا، وہ بولین مین بھائی کا ماجرا سن چکی ہون، لیکن راہِ خدا مین یہ کوئی بڑی قربانی نہین ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت لے کر لاش پر گئیں، عزیز بھائی کے بدن کے ٹکڑے دیکھ کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ خاموش ہو گئین، اور مغفرت کی دعا مانگی[3]،

ان سب سے بڑھ کر ایک انصاری خاتون کا واقعہ ہے جن کے باپ، بھائی، اور شوہر سب کے سب جنگ مین مارے گئے تھے، ان کو یکے بعد دیگرے تینون حادثون کی خبر ملی، یہ ہر مرتبہ یہی پوچھتی تھین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہین؟ لوگون نے کہا بخیریت، انھون نے پاس جا کر چہرۂ مبارک کو دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھیں[4]:-

[1] بخاری ج ۲ ص ۵۸۲ [2] سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۴۰۰ [3] طبری ص ۱۴۲۱ [4] ایضاً ص ۱۴۲۵،

کل مصیبۃ بعدک جلل — تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں!

قریش کے واپس جانے کے بعد مسلمان بھی مدینہ لوٹ آئے، اس وقت مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا ہر گھر میں کہرام مچا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا کہ سب کا ماتم ہو رہا ہے لیکن آپ کے چچا حمزہؓ کا کوئی رونے والا نہیں، یہ انسانی فطرت تھی، چنانچہ انصار نے آپ کا تاثر دیکھ کر اپنی عورتوں کو حمزہؓ کا سوگ منانے کے لئے بھیجا، لیکن آپ نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا کہ مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں ہے[1]

متفرق واقعات اسی سال حضرت حسنؓ پیدا ہوئے، حضرت حفصہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کی شادی ہوئی، وراثت کا قانون نازل ہوا اور مشرکہ عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حرام قرار پایا،

مختلف سرایا غزوہ احد کے بعد سرایا یعنی چھوٹی چھوٹی فوجکشیوں اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اس کے مختلف اسباب تھے، سب سے بڑا سبب تو یہ تھا کہ عرب کا ہر قبیلہ بت پرست تھا اور اسلام اس کو مٹانے آیا تھا، دوسرا سبب یہ تھا کہ قریش کی مذہبی سیادت سارے عرب میں تھی، اور حج کے موقع پر ہر حصہ کے لوگ مکہ میں جمع ہوتے تھے، قریش ان کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتے تھے، تیسرا سبب یہ تھا کہ اکثر قبائلِ عرب کے معاش کا ذریعہ لوٹ اور غارتگری تھا، اسلام اس کو بھی روکتا تھا، اس لئے قبائل کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اگر اسلام غالب آگیا تو ان کے ذرائع معاش بند ہو جائیں گے، بدر کی کامیابی سے قبائل عرب پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا تھا، اور وہ خاموش ہو گئے تھے، لیکن احد کی شکست نے ان کا حوصلہ بڑھا دیا، اور دفعۃً بہت سے قبائل اٹھ کھڑے ہوئے، اور سب سے اول محرم ۴ھ میں طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو قطن میں آباد تھا، مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ابو سلمہؓ کو ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ مقابلہ کے لئے بھیجا،

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۸،

لیکن حملہ آور منتشر ہو گئے[1]، اسی سال بنی لحیان کے سردار سفیان بن خالد نے مدینہ پر حملہ کا عزم کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن انیس کو بھیجا، انھون نے بلطائف الحیل سفیان کو قتل کر دیا[2]،

صفر سنہ ۴ھ میں بنی کلاب کے سردار ابو براء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہو کر درخواست کی کہ میری قوم مین تبلیغ اسلام کے لئے کچھ آدمی بھیجدیجئے، آپ نے ستر (۷۰) آدمی ساتھ کر دئے، انھون نے بیر معونہ میں قیام کیا، اور حرام بن ملحان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر قبیلہ کے رئیس عامر بن طفیل کے پاس بھیجا، اس نے ان کو قتل کر دیا، اور عصیہ، رعل، اور ذکوان کے قبائل کو لے کر مسلمانون کی طرف بڑھا، مسلمان حرام کی واپسی کا انتظار کر کے ان کی تلاش مین نکلے، آگے بڑھکر عامر کا مقابلہ ہوا، اس نے گھیر کر کل مسلمانون کو قتل کر دیا، صرف عمرو بن امیہ کو چھوڑ دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی، تو آپ کو سخت صدمہ ہوا[3]،

اسی زمانہ مین قبیلہ عضل و قارہ کے چند اشخاص نے مدینہ حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے، ان کی تعلیم کے لئے کچھ آدمی بھیجدیجئے، آپ نے دس (۱۰) معلم بھیجدیئے، مقام عسفان مین پہنچکر غدارون نے بنی لحیان کو اشارہ کر دیا، انھون نے دو سو آدمیون کے ساتھ مسلمانون کو گھیر لیا، اور ان سے کہا ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تم کو امان دیتے ہین، سات مسلمانون نے ان کی امان مین جانا پسند نہ کیا، اور لڑ کر جان دی، حبیب اور زید دو مسلمان اعتماد کر کے چلے گئے، کافرون نے انھیں پکڑ لیا اور مکہ لیجا کر فروخت کر دیا، یہ دونون مشرکین مکہ کے ہاتھون قتل ہوئے[4]،

متفرق واقعات

اسی سال حضرت حسین رض پیدا ہوئے، ام المومنین زینب رض کا انتقال ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رض کے ساتھ عقد کیا، بعض مورخون کے نزدیک شراب بھی اسی سنہ مین حرام ہوئی،

یہودیوں کی مخالفت اور اس کے اسباب

انصار بت پرست اور یہود اہل کتاب تھے، اس کے علاوہ وہ دولت و ثروت

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۳۵ [2] ایضاً ص ۳۶ [3] زرقانی ج ۲ ص ۸۰ و ۸۸ میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے کہ ہمی غزوہ رجیع طبقات ابن سعد غزوہ مذکورہ،

مین بھی نہایت ممتاز تھے، اس لئے انصاریون کے مقابلہ مین ان کو خاص تفوق و امتیاز حاصل تھا لیکن مسلمانون کے مدینہ آنے کے بعد سے ان کا قدیم وقار گھٹتا جاتا تھا، انصاریون کی یہودیت رک گئی تھی، اور وہ ان کے قرضون سے چھوٹتے جاتے تھے، قرآن علیحدہ انکے اخلاق ذمیمہ کی پردہ دری کرتا تھا، اس لئے اب یہود علانیہ اسلام کے مقابلہ مین آگئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانا شروع کیا، ان کا معمول تھا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو السلام علیک کے بجائے السام علیک کہتے جس کے معنی ہین تجھکو موت آئے، آپ نے بڑے ضبط و تحمل سے کام لیا اور حتی الامکان یہودیون کو ٹھیس پہنچانے سے بچتے بلکہ ان کی دلجوئی کرتے، اور ان معاشرتی امور مین جن کے بارہ مین قرآن مجید مین کوئی حکم نہ ہوتا یہود کی موافقت فرماتے، لیکن یہودیون کو نظر آرہا تھا کہ اسلام کے مقابلہ مین ان کی ہستی قائم نہین رہ سکتی، اس لئے وہ اسلام کی بیخ کنی پر آمادہ ہوگئے،

مشرکین کی نگاہون مین اسلام کے وقار کو گھٹانے کے لئے ان سے کہتے کہ مسلمانون سے تو تم اچھے ہو، اور خود جھوٹ اسلام قبول کرکے مرتد ہوجاتے، تاکہ اسلام کی حقانیت لوگون کے دلون مین نہ جمنے پائے،[۱] اوس و خزرج مین جو باہم پرانے حریف اور اسلام کے دست و بازو تھے، اور اسلام نے انھین ملادیا تھا، پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کرتے، ایک آدھ مرتبہ دونون مین تلوارین نکل آئین لیکن عین موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھنڈا کردیا،[۲] ان کی دشمنی یہان تک بڑھ گئی کہ مخفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کے درپے ہوگئے اور ان کی جانب سے برابر خطرہ لگا رہتا تھا،[۳]

غزوۂ بنی قینقاع | اگرچہ یہودیون نے اسلام کی مخالفت کو شعار بنا لیا تھا اور وہ کسی موقع پر اپنی دشمنی سے نہ چوکتے تھے، تاہم اب تک علانیہ تصادم کی نوبت نہ آئی تھی، ایک اتفاقی واقعہ نے اس کے اسباب پیدا کردئے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی نے ایک انصاری عورت کی بے حرمتی کی،

---

۱ قرآن پاک کی اس آیت ویقولون للذین کفروا ھؤلاء اھدی من الذین آمنوا سبیلا کی تصریح موجود ہے ۲ اصابہ ج ۱ ص ۲۲۰

۳ تفصیل کیلئے دیکھو اصابہ تذکرۂ طلحہ بن براء

ایک انصاری نے جوش حمیت میں یہودی کو قتل کر دیا، یہودیوں نے انصاری کو مار ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، اور ان سے کہا "خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو بدر والوں کی طرح تم پر بھی عذاب نازل ہو جائے،" گو یہود مدینہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہو چکا تھا، جو اوپر گذر چکا ہے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے جواب دیا، "ہم قریش نہیں ہیں ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم بتا دیں گے کہ لڑائی کس کا نام ہے" یہ نقض عہد ایک طرح کا اعلان جنگ تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آئے دن کی ریشہ دوانیوں کے سد باب کرنے کا فیصلہ کر لیا، یہود قلعہ بند ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ کر لیا، پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہو گئے، آپ نے عبد اللہ بن ابی کی تجویز پر سات سو یہودیوں کو جلاوطن کر دیا، اور یہ لوگ شام کے علاقہ اذراعات جا کر آباد ہوئے[۱]، یہ ۲ھ کا واقعہ ہے،

کعب بن اشرف کی فتنہ انگیزیاں اور اس کا قتل

مدینہ کے یہودیوں میں کعب بن اشرف بڑا با اثر یہودی تھا، اس کو ابتدا ہی سے اسلام کے ساتھ پرخاش تھی، بدر میں قریش کی شکست کا اس کو بڑا غم ہوا تھا، چنانچہ اظہار تعزیت کے لئے مکہ گیا تھا، اور مقتولین بدر کا نہایت پُر زور مرثیہ لکھا تھا، اور اس کو پڑھ پڑھ کر لوگوں کو انتقام پر ابھارتا تھا[۲]، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کہہ کر قریش کو آپ کے خلاف بھڑکاتا تھا، ابو سفیان کو خانۂ کعبہ میں لیجا کر انتقام کا حلف دلوایا تھا[۳]، مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کہہ کر سناتا تھا، آپ کو خفیہ نقصان پہنچانے یا شہید کرنے کی سازش کی[۴]، اس کی اس فتنہ انگیزیوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے شکایت کی، رؤساے اوس نے قتل کی راے دی، چنانچہ یہ خدمت محمد بن مسلمہ انصاری کے سپرد ہوئی، انھوں نے اس کے گھر جا کر بلطائف الحیل اس کو قتل کر ڈالا[۵]،

۱؎ تفصیل کے لئے دیکھو سیرۃ ابن ہشام و ابن سعد غزوۂ بنی قینقاع ۲؎ سیرۃ ابن ہشام حالات غزوۂ بدر، ۳؎ ابوداؤد باب کیف کان اخراج الیہود ۴؎ تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۱۵ ابن وضاح کاتب عباسی کے الفاظ یہ ہیں: اما وان یمکر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۴۹ ۵؎ بخاری میں اس واقعہ کی تفصیل ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش

عمرو بن امیہ نے قبیلۂ عامر کے دو آدمیون کو قتل کر دیا تھا، اس کا خونبہا یہود بنی نضیر کے ذمہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مطالبہ کے لئے تشریف لے گئے، بنی نضیر نے خونبہا ادا کرنے کا وعدہ کیا، لیکن ایک یہودی نے اوپر سے پتھر لڑھکا کر ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا، آپ کو اس کا علم ہو گیا، اس لئے آپ بچ کر لوٹ آئے[1]، چند دنون کے بعد آپ نے بنی قریظہ کے یہودیون سے معاہدہ کی تجدید کی، بنی نضیر سے بھی تجدید کرنی چاہی، مگر وہ راضی نہ ہوئے[2] اور آپ کو تین آدمیون کے ساتھ اپنے علماء سے مناظرہ کے لئے بلا بھیجا، کہ اگر یہ لوگ آپ پر ایمان لے آئین گے تو ہم بھی لے آئین گے، آپ نے منظور فرما لیا، راستہ مین آپ کو معلوم ہوا کہ یہود نے اس بہانہ سے قتل کیلئے بلایا ہے[3]،

غزوۂ بنی نضیر

ان پیہم مخالفتون کی بنا پر آپ نے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا، یہ اس غلط فہمی مین تھے کہ بنی قریظہ ان کا ساتھ دین گے، لیکن وہ معاہدہ کر چکے تھے اور علانیہ حمایت نہیں کر سکتے تھے، اس لئے پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بنی نضیر نے مدینہ چھوڑ دیا، اور اپنا مال و متاع ساتھ لے کر خیبر جا کر آباد ہوگئے[4]، پہلے تنہا قریش کی مخالفت کا مقابلہ تھا، اب یہود بھی حریف بن گئے، اور دونون نے مل کر مکہ سے لے کر مدینہ تک تمام قبائل مین مسلمانون کے خلاف آگ لگا دی، اور سب نے اپنی اپنی جگہ پر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریان شروع کر دین، پہلے انمار و ثعلبہ نے پیشقدمی کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی، تو آپ محرم ۵ھ مین چار سو صحابہ کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے نکلے، انمار و ثعلبہ ابھی پورے تیار نہ تھے، اس لئے پہاڑون مین بھاگ گئے[5]، اس کے بعد ربیع الاول سنہ مذکور مین کفار نے دومۃ الجندل مین اجتماع کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار مسلمانون کے ساتھ ان کی طرف بڑھے، یہ بھی منتشر ہو گئے،

---

۱ زرقانی ج ۲ ص ۹۳ ۲ ابوداؤد کتاب الخراج ج ۲ ۱۱ باب خبر النضیر ۳ فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۵ ۴ طبری ص ۱۴۵۲

۵ ابن سعد غزوۂ ذات الرقاع،

غزوۂ بنی مصطلق | خزاعہ کا قبیلہ قریش کا حلیف تھا، ان دونوں میں باہم قرابت داریاں بھی تھیں، اس لئے خزاعہ کو قریش کے ساتھ ایک خاص تعلق تھا، اس قبیلہ کی ایک شاخ بنی مصطلق مدینہ سے تھوڑی مسافت پر بمقام مریسیع میں آباد تھی، اس کے رئیس حارث بن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا[1] اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعبان ۵ھ میں مدافعت کے لئے نکلے، حارث بھاگ گیا، لیکن مریسیع کی اور آبادی نے مقابلہ کیا، مسلمانوں نے شکست دی، اور دس اہل مریسیع مقتول اور چھ سو (۶۰۰) زندہ گرفتار ہوئے، اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا[2]،

مریسیع کے معرکہ میں، مال غنیمت کی لالچ میں بہت سے منافقین بھی مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، جو ہر موقع پر فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرتے تھے، ایک دن چشمہ سے پانی لینے میں ایک مہاجر اور انصاری میں جھگڑا ہو گیا، دونوں نے اپنی اپنی جماعت کو آواز دی، فریقین کی تلواریں نکل آئیں، چند آدمیوں نے درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا، اس واقعہ سے رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کو بھڑکانے کا موقع مل گیا، اس نے انصار سے کہا "تم نے یہ بلا خود مول لی ہے" مہاجرین کو تم نے اتنا سر چڑھا دیا ہے کہ اب وہ تمہارے مقابلہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں، اگر اب بھی تم ان کی دستگیری چھوڑ دو تو میدان سے چلے جائیں گے، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ غصہ سے بے تاب ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، اجازت ہو تو اس کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا تم یہ چاہتے پسند کرتے ہو کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں؟ عبد اللہ کے لڑکے مسلمان ہو چکے تھے اور اسلام کے سچے شیدائی تھے، انھیں خبر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ "دنیا جانتی ہے کہ میں والد کا کتنا اطاعت گذار ہوں، لیکن اگر آپ کی یہ مرضی ہے تو مجھی کو حکم ملے میں جا کر ان کا سر کاٹ لاتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ آپ کسی دوسرے کو حکم دیں، اور میں محبت اور غیرت کے

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ۴۵ [2] ایضاً [3] بخاری جلد دوم ص ۷۲۸،

جوش میں قاتل کو قتل کردوں، آپؐ نے اطمینان دلایا کہ "میں قتل نہ کروں گا، بلکہ ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤں گا[1]

افک افک یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت رکھنے کا واقعہ غزوۂ مریسیع میں پیش آیا، لیکن قرآن نے خود اس کی پردہ دری کردی ہے، اس لئے اسے لکھنے کی ضرورت نہیں،

غزوۂ احزاب اوپر گذر چکا ہے کہ معاہدہ کی بناء پر بنی قریظہ مسلمانوں کی مخالفت میں بنی نضیر سے الگ تھے، لیکن پھر چند دنوں کے بعد روسائے بنی نضیر کی کوششوں سے وہ ان سے مل گئے اور ۵ھ میں انھوں نے بنی نضیر، بنی قریظہ، قریش اور بہت سے قبائل کو جمع کرکے دس ہزار کی تعداد میں مدینہ پر چڑھائی کی،[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے مشورہ سے مدینہ کے گرد خندق کھود کر شہر میں قلعہ بند ہو گئے، اتحادیوں نے مدینہ پہنچکر ہر طرف سے محاصرہ کرلیا، اور ایک مہینہ تک اس شدت کے ساتھ محاصرہ قائم رہا کہ مسلمانوں پر کئی کئی فاقے گذر گئے، ایک دن بیتاب ہو کر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیٹ کے پتھر دکھائے، آپؐ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر بندھے تھے[3] جب محاصرہ کی شدت خطرناک حد تک پہنچ گئی تو آپؐ نے جماعتِ صحابہ سے خطاب فرمایا کہ "کوئی ہے جو محاصرہ کرنے والوں کی خبر لائے؟" اس کے جواب میں صرف حضرت زبیرؓ کی آواز آئی، اس جانبازی کے صلہ میں ان کو حواری کا معزز لقب عطا ہوا،[4]

چند دنوں تک کفار خندق کے پار سے تیر اور پتھر برساتے رہے، جب اس سے کوئی نتیجہ نہ نکلا تو عرب کے نامور بہادر ضرار، جبیرہ، نوفل اور عمرو بن عبدود ایک مقام سے جہاں خندق نسبتہً کم چوڑی تھی، گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کو پار کر گئے، خندق کے پار پہنچکر عمرو بن عبدود نے مبارز طلبی کی، حضرت علیؓ نے بڑھ کر اس کا کام تمام کردیا، اس کے بعد ضرار اور جبیرہ ہمت کرکے آگے بڑھے، لیکن پھر ڈر کر پیچھے ہٹ گئے، نوفل خندق میں گر پڑا، حضرت علیؓ نے کود کر اس کو بھی ختم کردیا، دن بھر لڑائی جاری رہی،

[1] طبری ص ۱۵۱۵ [2] تفصیل کیلئے دیکھو طبقات ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۴۷ و فتح الباری ج ۷ ص ۳۰۱ [3] شمائل ترمذی [4] ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۷۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی نمازیں قضا ہو گئین، لیکن جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا، جون جون محاصرہ بڑھتا جاتا تھا اہلِ مدینہ سے زیادہ کفار کے لئے مصیبت بڑھتی جاتی تھی، اس لئے کہ دس ہزار فوج کی رسد کا سامان آسان نہ تھا، اسی درمیان مین ایک دن اس زور کی آندھی آئی کہ خیمون کی طنابین اکھڑ اکھڑ گئیں، عین اس موقع پر نعیم بن مسعود ثقفی نے جو در پردہ مسلمان ہو گئے تھے، قریش اور یہودیون مین پھوٹ ڈلوا دی[1] کفار چند در چند دشواریون مین پھنس گئے، اور قریش آپس کی نا اتفاقی، موسم کی ناسازگاری اور سامان رسد کی قلت کی وجہ سے ہمت ہار گئے، چنانچہ ابوسفیان نے یہ کہہ کر کہ سامان رسد ختم ہو چکا ہے، یہود نے ساتھ چھوڑ دیا ہے، موسم ناخوشگوار ہے، ان حالات مین محاصرہ بیکار ہے، محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا، قریش کے بعد بنی قریظہ نے بھی میدان چھوڑ دیا[2]، اس جنگ مین مسلمانون کا کم نقصان ہوا، صرف ایک صحابی حضرت سعد بن معاذؓ زخمی ہوئے جس کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے، اور غزوہ بنی قریظہ کے بعد انتقال کر گئے، اس جنگ کا نام غزوہ خندق یا احزاب ہے،

بنی قریظہ کا خاتمہ بنی قریظہ نے معاہدہ کے خلاف جنگ احزاب میں شرکت کی تھی، اس مین شکست اور واپسی کے وقت مسلمانون کے سب سے بڑے دشمن حیی بن اخطب کو اپنے یہان لیتے گئے تھے[3]، اس لئے غزوہ احزاب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی طرف بڑھے، اگر اس وقت بھی بنی قریظہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر مصالحت کا ہاتھ بڑھاتے تو ممکن تھا صلح ہو جاتی، لیکن اس کے برعکس جب مسلمان قریب پہنچے تو بنی قریظہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیان دینی شروع کین[4]، اس لئے آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا، ایک مہینہ تک محاصرہ قائم رہا، آخر مین بنی قریظہ نے مجبور ہو کر سپر ڈال دی، اور کہلا بھیجا کہ سعد بن معاذؓ جو ابھی تک زندہ تھے، جو فیصلہ کرین وہ ہم کو منظور ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا حضرت

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۴۰ و ۴۱ [2] ابن سعد ج ۲ ق ۲ حالات خندق [3] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۷۶ وطبری ج ۳ ص ۱۴۸۶ [4] طبری ص ۱۴۸۵،

سعدؓ نے یہود کی کتاب توریت کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ تمام لڑنے والے قتل کر دیے جائین، عورتین اور بچے گرفتار کر لیے جائین، اور ان کا مال و اسباب مال غنیمت سمجھا جائے، یہ فیصلہ تورات کے حکم کے مطابق تھا، اس لیے یہودیون کو چار و ناچار قبول کرنا پڑا[1]، اور صحیح روایت کی رو سے چار سو یہودی جن مین دوران محاصرہ کے مقتولین بھی شامل ہین قتل کیے گئے،

حضرت زینبؓ سے نکاح | اسی سنہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھیری بہن حضرت زینبؓ سے نکاح کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آقا و غلام کی تمیز اٹھانے کے لیے زینبؓ کا عقد اپنے غلام اور متبنیٰ حضرت زیدؓ کے ساتھ کیا تھا، لیکن دونون کے اختلاف طبع کی وجہ سے نہ نبھ سکی، اس لئے زیدؓ نے طلاق دینے کا ارادہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا، مگر ناخوشگواری برابر بڑھتی گئی، اس لئے زیدؓ نے آخر مین طلاق دے دی، عرب مین متبنیٰ بیٹون کی بیوی کے ساتھ نکاح معیوب سمجھا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کو مٹانے اور زینبؓ کی دلجوئی کے لئے خود ان کے ساتھ نکاح کر لیا[2]،

پردہ کا حکم | اس وقت تک عورتین جاہلیت کے طریقہ پر بے پردہ نکلتی تھین، اور بے باکانہ چلتی پھرتی تھیں، اسی سال یہ حکم نازل ہوا کہ "شریف عورتین گھرون سے نکلین تو چادر اوڑھ کر منھ چھپا کر سینہ پر آنچل ڈال کر نکلین، چلنے مین اٹکھیلی نہ کرین، پردے کی اوٹ سے بولین، آواز مین بناوٹ نہ پیدا کرین، ازواج مطہرات نامحرمون کے سامنے نہ آئین"، اسی سال عورتون پر تہمت لگانے والون پر حد جاری کرنے کا حکم اور لعان کا طریقہ جاری ہوا، پانی نہ ملنے کی صورت مین تیمم کی اجازت ملی، اور صلوٰۃ خوف کا حکم نازل ہوا[3]،

---

[1] طبری ص ۱۴۹۰ و ۱۴۹۲، تورات کا حکم یہ ہے "اگر دشمن صلح نہ کرین تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا ان پر تجھ کو قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہون سب قتل کر دے، باقی بچے، عورتین، جانور اور جو چیزین شہر مین موجود ہون سب تیرے لئے مال غنیمت ہون گی (کتاب تثنیہ اصحاح ۲۰ آیت ۱۰) [2] اس کی تفصیل حدیث کی قریب قریب تمام کتابون مین ہے۔ [3] یہ احکام سورۂ نور مین افک کے واقعہ کے سلسلہ مین نازل ہوئے تفصیل کے لئے دیکھو بخاری ج ۲ ص ۷۰۰ و ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۲ و فتح الباری ج ۲ ص ۱۰۶،

عمرہ چھ برس سے جب سے مسلمان مکہ سے نکالے گئے تھے انھون نے کعبہ کو غلط انداز نظر سے بھی نہ دیکھا تھا، اس لئے ذیقعدہ ۶ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو مسلمانون کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے اور اس خیال سے کہ قریش کو جنگ وغیرہ کا شبہہ نہ ہو یہ احتیاط فرمائی تھی کہ احرام باندھ کر قربانی کے اونٹ ساتھ لے لئے[1]، اور مسلمانون کو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے، صرف تلوار ساتھ ہو، وہ بھی نیام کے اندر، ذوالحلیفہ پہنچکر قربانی کی ابتدائی رسمین ادا کین، قریش کو خبر ہوئی تو انھون نے آپ کو روکنے کے لئے بڑی زبردست تیاریان کین، اور پیغام بھیجکر تمام متحدہ قبائل کو جنگ کے لئے جمع کیا، اور خالد بن ولید کو جو ابھی تک اسلام نہین لائے تھے، تھوڑی سی فوج کے ساتھ پتہ لگانے کے لئے بھیجا، انھون نے جاکر قریش کو خبر دی کہ مسلمان غمیم تک پہنچ چکے ہین، ان کے جانے کے بعد مسلمان بڑھکر حدیبیہ مین ٹھہرے[1]

صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان قبیلہ خزاعہ مسلمانون کا حلیف تھا، اس کے رئیس بدیل نے جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ قریش مسلمانون کو مکہ مین داخل نہ ہونے دین گے، آپ نے فرمایا قریش سے جاکر کہدو کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے ہین، بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہین[1]، بہتر یہ ہے کہ قریش ہم سے ایک مدت معینہ کے لئے معاہدہ کرلین، اور اگر اس پر وہ راضی نہیں ہین تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھون مین میری جان ہے مین اس وقت تک لڑون گا، جب تک میری گردن الگ نہ ہو جائے اور خدا اپنا فیصلہ نہ پورا کردے[1]

بدیل نے مکہ جاکر قریش کو یہ پیغام سنانا چاہا، آزمودہ کار نوجوان اس قدر جوش سے لبریز تھے کہ سننے کے لئے بھی تیار نہ ہوئے، لیکن تجربہ کارون نے آمادگی ظاہر کی، بدیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام اور آپ کے شرائط سنائے، یہ شرائط سنکر ان کی جماعت کے ایک معمر اور تجربہ کار شخص عروہ ابن مسعود ثقفی نے کہا، محمد نے بڑی معقول شرطین پیش کی ہین، مجھ کو اجازت دو، مین خود جاکر معاملہ طے کرآؤن، قریش کو ان پر پورا اعتماد تھا، اس لئے وہ ان کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۰ و ۱۶۱ ابن سعد حصہ مغازی ص ۷۰،

پاس گئے، اور کہا "محمد فرض کرو تم نے قریش کا استیصال کر دیا، تو مین تم سے پوچھتا ہون کہ اس کی دنیا مین کوئی مثال مل سکتی ہے کہ کسی شخص نے اپنی قوم کو خود اپنے ہاتھون برباد کر دیا ہو" عروہ ضروری گفتگو کر کے لوٹ گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی جو حیرت انگیز عقیدت دیکھی تھی قریش کو سنائی[1]

بیعت رضوان | اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصالحت کی گفتگو کے لئے خراش بن امیہ کو بھیجا، قریش نے ان کو قتل کر ڈالنا چاہا، مگر ان کے قبیلہ کے آدمیون نے بچا لیا[1]، خراش کی واپسی کے بعد قریش نے مسلمانون پر حملہ کے لئے ایک دستہ بھیجا، مگر وہ گرفتار کر لیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درگذر سے کام لے کر اسے رہا فرما دیا، قریش کی اس مخالفانہ روش کے باوجود آپ نے ایک مرتبہ پھر مصالحت کی کوشش کی، اور دوبارہ حضرت عثمان رضی کو قریش کے پاس بھیجا، انھون نے آپ کو روک لیا، مسلمانون مین یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان رضی قتل کر دئے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا، آپ نے قصاص کے لئے صحابہ رضی سے جانبازی کی بیعت لی، اس بیعت کو تاریخ اسلام مین ایک خاص اہمیت حاصل ہے، اور بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے، بیعت کے بعد معلوم ہوا کہ قتل کی خبر غلط تھی،

اس دوران مین قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور وہ مصالحت کے لئے آمادہ ہو گئے، اور اپنے خطیب سہیل بن عمرو کو صلح کی گفتگو کے لئے بھیجا، ان مین اور مسلمانون مین رد و قدح کے بعد ان شرائط پر صلح ہوئی :-

(۱) مسلمان اس سال بغیر عمرہ کے لوٹ جائین گے،

(۲) اگلے سال آئین گے اور تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرین گے،

(۳) ہتھیار لگا کر نہ آئین گے، صرف تلوارین ساتھ ہون گی، وہ بھی نیام مین،

(۴) مکہ مین جو مسلمان پہلے سے مقیم ہین، ان کو مسلمان اپنے ساتھ نہ لیجائین گے، اور جو مسلمان

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۰، [2] بخاری کتاب الشروط والمصالحہ مع اہل الحرب مین ان واقعات کی پوری تفصیل ہے،

مکہ مین رہ جانا چاہے گا اسے قیام سے نہ روکین گے،

(۵) اہل مکہ یا مکہ کے مسلمانون مین سے اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے گا، تو مسلمان اسے واپس کردین گے، اور اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا آئے گا تو اسے نہ واپس کیا جائے گا،

(۶) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین مین سے جس کے چاہین ساتھ ہو جائین،

ابھی اس معاہدہ کی کتابت ہو ہی رہی تھی کہ سہیل کے لڑکے ابو جندل جو مسلمان ہو چکے تھے اور اس جرم مین طرح طرح کے مصائب جھیل رہے تھے، کسی طرح چھوٹ کر مسلمانون کی فرودگاہ پر پہنچ گئے انھین دیکھ کر ان کے باپ نے کہا، محمد! پابندیِ عہد کا یہ پہلا موقع ہے، آپ نے فرمایا ابھی معاہدہ مکمل نہین ہوا ہے، سہیل نے کہا تو ہمین صلح منظور نہین ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش اسلوبی کے ساتھ سہیل کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ نہ مانا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہو کر ابو جندل کو حوالہ کردیا، انھون نے جسم کے نیل دکھا کر جو مشرکین کے ظلم سے پڑ گئے تھے مسلمانون سے فریاد کی کہ کیا پھر اسی عذاب کے لئے کفار کے حوالہ کرتے ہو، مسلمان ان کی دردانگیز فریاد سن کر تڑپ اٹھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فیصلہ قائم رکھا، صلح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے اونٹ ذبح کرکے بال ترشوائے اور احرام کھولا[1]،

گو صلح حدیبیہ بظاہر دب کر ہوئی تھی، لیکن خدا نے اس کو فتح سے تعبیر کیا، اور سورۂ انا فتحنا لک فتحا مبینا نازل ہوئی، کہ نتائج کے اعتبار سے یہ صلح درحقیقت فتح کا دیباچہ تھی، ہر صلح سے پہلے مسلمان کافرون سے الگ تھلگ رہتے تھے، اس کے بعد دونون مین میل جول اور آمد و رفت شروع ہوئی، ہر مسلمان اسلام کی سچی تصویر تھا، اس تصویر کو دیکھ کر اور تبادلۂ خیالات سے کفار کے دل خود بخود اسلام کی طرف کھنچنے لگے، اور اسلام نہایت سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا، چنانچہ صلح حدیبیہ

---

[1] بخاری کتاب الشروط والمصالحۃ مع اہل الحرب،

سے لے کر فتح مکہ تک جس کثرت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے اتنے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے[1]

اس مصالحت کی رو سے مکہ کے ستم رسیدہ مسلمانوں کی گلو خلاصی کی کوئی صورت باقی نہ رہ گئی تھی، لیکن خدا نے بلا شرط ان کے لئے راستہ کھول دیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مشق ستم مسلمان ابو بصیر مکہ سے مدینہ بھاگ آئے، قریش نے ان کی واپسی کے لئے دو آدمی بھیجے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے مطابق انہیں حوالہ کر دیا، راستہ میں ابو بصیر نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا، دوسرا ڈر کر مدینہ بھاگ آیا، اس کے عقب سے ابو بصیر بھی مدینہ پہنچ گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے مجھ کو واپس کر دیا تھا، اب آپ کی ذمہ داری ختم ہو گئی، یہ کہہ کر وہ ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے، اس سے دوسرے مسلمانوں کے لئے راستہ کھل گیا، چنانچہ وہ سب بھاگ بھاگ کر ایک جگہ جمع ہو گئے، اور جب ان کا اچھا خاصہ جتھہ بن گیا اس وقت انھوں نے قریش کے کاروان تجارت پر جو ان کے قریب سے ہو کر گذرتا تھا، چھاپہ مارنا شروع کر دیا، اس سے ان کی تجارت خطرہ میں پڑ گئی، آخر میں قریش نے مجبور ہو کر لکھ بھیجا کہ ہم گذشتہ شرط سے باز آئے، جو مسلمان مدینہ میں رہنا چاہے، وہ جا سکتا ہے، اس شرط کی تنسیخ کے بعد آپ نے آوارہ وطن مسلمانوں کو مدینہ واپس بلا لیا[1]،

سلاطین کو دعوت اسلام اور ان کے نتائج

صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قدر اطمینان حاصل ہوا، تو آپ نے ۶ھ میں قیصر روم، کجکلاہ ایران، عزیز مصر، النجاشی شاہ حبش، رؤسائے یمامہ، والی حدود شام، حارث غسانی، شرجیل بن عمرو والی بصریٰ کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے، اور علی الترتیب یہ خدمت حضرت دحیہ کلبیؓ، عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ، عمرو بن امیہ ضمریؓ، سلیط بن عمروؓ، شجاع بن وہبؓ اور حارث بن عمیرؓ کے سپرد ہوئی؛

قیصر روم نے خط پا کر حکم دیا کہ اگر اس کے حدود سلطنت میں عرب کا کوئی شخص مل جائے تو اسے

[1] بخاری کتاب الشروط والمصالحہ مع اہل الحرب ص ۲

حاضر کیا جائے اتفاق سے اسوقت ابوسفیان جو تجارت کے سلسلہ مین شام آئے ہوئے تھے موجود تھے چنانچہ انھیں لے جاکر پیش کیا گیا، قیصر نے ان سے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند سوالات کئے، ان مین جھوٹ بولنے کی گنجائش نہ تھی، اس لئے ابوسفیان نے صحیح جوابات دئے، یہ جوابات سن کر قیصر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین ہوگیا، اس نے ابوسفیان سے کہا کہ اگر تمھارے جوابات صحیح ہین، تو میرے قدم گاہ تک اس شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا قبضہ ہو جائے گا، مجھ کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب مین ظاہر ہوگا، اگر مین اس تک پہنچ سکتا تو اس کے قدم دھوتا، قیصر کے ان خیالات کو سن کر اس کے بطارقہ سخت برہم ہوئے لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ تخت و تاج کی طمع مین اسلام کی دولت سے محروم رہ گیا،[1]

ان تبلیغی خطوط مین عرب کے طرزِ تحریر کے مطابق خدا کے نام کے بعد اور مرسل الیہ کے نام سے پہلے فرستندہ کا نام تھا، خسرو پرویز کجکلاہِ ایران اس طرزِ تحریر سے آشنا نہ تھا، اس لئے اسے اپنی تحقیر سمجھکر سخت برہم ہوا، اور کہا "میرا غلام ہوکر مجھے یون لکھتا ہے" اور نامۂ مبارک چاک کر ڈالا، اور اپنے یمنی گورنر کو لکھا کہ عرب کے مدعی نبوت کو میرے پاس بھیجدو، اس نے دو آدمی مدینہ بھیجے، انہون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر کہا کہ "تم کو شہنشاہِ عالم نے طلب کیا ہے، اگر اس کے حکم کی تعمیل نہ کروگے تو تم کو اور تمھارے ملک کو برباد کر ڈالے گا" شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، جاکر اس سے کہہ دو کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچے گی،[2] ابھی یہ دونون سفیر واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ خود خسرو پرویز کے لڑکے نے باپ کا کام تمام کردیا،

مقوقس عزیز مصر نے جواب دیا کہ مجھ کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن مین سمجھتا تھا کہ وہ شام مین ظاہر ہوگا، مین نے آپکے قاصد کو عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا، آپکے لئے قبطی لڑکیان

[1] یہ واقعہ بخاری کے مختلف ابواب مین مذکور ہے [2] ابن سعد ج اول ق اول ص ۱۶ و طبری ج ۳ ص ۱۵۶۲،

لباس اور خچر تحفہ بھیجتا ہوں[۱]؛

شاہِ حبش نجاشی کے پاس نامۂ مبارک پہنچا تو اس کے احترام میں تخت سے نیچے اتر آیا اور اس کو آنکھوں سے لگا کر حضرت جعفرؓ کے ہاتھوں پر جو ہجرت اولی میں حبشہ گئے تھے اور اب تک وہیں مقیم تھے، اسلام قبول کر لیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے پیغمبر اور اس کے رسول ہیں[۲]،

شرحبیل والی بصری نے آپ کے قاصد حارث بن عمیرؓ کو شہید کر دیا، اسی سنہ میں قریش کے دو نامور اشخاص خالد بن ولید فاتح عراق و شام اور عمرو بن العاص فاتح مصر اسلام لائے،

غزوۂ خیبر ۷ھ | عرب میں یہودیوں کی قوت کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا، یہود ابتدا ہی سے اسلام کے خلاف تھے بنی نضیر نے خیبر جلا وطن ہونے کے بعد یہاں کے یہودیوں کو اور بھڑکانا شروع کیا، قریب ہی عرب کا ممتاز قبیلہ غطفان آباد تھا، جو یہود خیبر کا حلیف و ہم عہد تھا، سلام بن ابی الحقیق نے جو حیی بن اخطب کے بعد یہودیوں کی مسند ریاست پر بیٹھا تھا، بڑا بااثر تھا، اس نے غطفان اور آس پاس کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کر لیا، اور ایک عظیم الشان فوج نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی فتنہ انگیزی کی خبر ہوئی، تو آپ کے ایما سے ایک انصاری عبد اللہ بن عتیکؓ نے خیبر جا کر خاص سلام بن ابی الحقیق کو قتل کر دیا،

سلام بن ابی الحقیق کے بعد اسیر بن رزام مسند ریاست پر بیٹھا، اس نے یہودیوں کو جمع کر کے ان سے کہا کہ "میرے پیشروؤں نے محمد کے مقابلہ میں جو تدبیریں اختیار کی تھیں وہ غلط تھیں خود محمد کے دار الریاست پر براہ راست حملہ کرنا چاہئے[۳]، چنانچہ غطفان وغیرہ کا دورہ کر کے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر تیار کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی، تو آپ نے عبد اللہ بن رواحہؓ کو

---

[۱] طبقات ابن سعد ج اول ق ۲ ص ۱۶ و ۱۷، [۲] ابن سعد ج اول ق اول ص ۱۰، [۳] ایضاً ص ۶۶ و زرقانی جلد ۲ ص ۱۹۶

تحقیقات کے لیے بھیجا، انھون نے بذات خود تحقیقات کرکے اس کی تصدیق کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مصالحت کے ذریعہ سے اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کی، اور عبداللہ بن رواحہؓ کو اس غرض سے اسیر کو لانے کے لیے بھیجا، کہ مدینہ بلوا کر خیبر مین اس کی حکومت کی تصدیق فرما دین، چنانچہ اسیر عبداللہ کے ساتھ روانہ ہوا، راستہ مین اس کو بدگمانی پیدا ہوئی، اس نے عبداللہ بن رواحہؓ کے ایک ہمراہی مسلمان عبداللہ بن انیس کی تلوار چھیننی چاہی، عبداللہ نے اس کی بدنیتی پر اسے قتل کردیا[1]، اس کے قتل پر فریقین مین تلوارین نکل آئین، اسیر کے سب ساتھی مارے گئے، صرف ایک زندہ بچا،

یہودی پہلے سے تیاریان کر رہے تھے، اسیر کے قتل سے انھین ایک بہانہ ہاتھ آگیا، اور وہ مسلمانون کے مقابلہ کے لیے بالکل آمادہ ہوگئے، سب سے پہلے ان کے حلیف بنی فزارہ محرم ۷ھ مین ذی قرد کی چراگاہ پر جس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی چرا کرتے تھے، حملہ کرکے چند اونٹنیان لوٹ لے گئے، لیکن سلمہ بن اکوعؓ صحابی نے جو بڑے تیر انداز تھے اس کا تعاقب کرکے اونٹنیان چھین لین[2]،

اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے مقابلہ مین آنا پڑا، چنانچہ آپ محرم ۷ھ مین سولہ سو مسلمانون کے ساتھ خیبر کی طرف بڑھے، مقام رجیع مین عورتون اور بار برداری کا سامان چھوڑ کر خیبر روانہ ہوئے، راستہ مین غطفان ہتھیار لگا کر نکلے، لیکن یہ دیکھ کر کہ خود ان کا گھر خطرہ مین ہے، لوٹ گئے[3]

خیبر مین یہودیون کے چھ قلعے تھے، ان مین بیس ہزار آزمودہ کار سپاہی موجود تھے، عرب کا مشہور بہادر مرحب بھی یہین رہتا تھا، مسلمانون کی نقل و حرکت دیکھ کر یہودیون نے سامان رسد قلعہ ناعم مین جمع کیا تھا، اور فوجین نسطاط اور قموص مین تھین، اس لیے مسلمانون نے خیبر پہنچکر سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا، لیکن یہان کوئی بڑی فوجی قوت نہ تھی، اس لیے آسانی کے ساتھ فتح کرلیا[4]، اور چھوٹے چھوٹے قلعے بھی آسانی کے ساتھ تسخیر ہوگئے، سب سے اہم قموص کا قلعہ تھا، مرحب اسی

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۶ [2] بخاری غزوہ ذی قرد [3] طبری ص ۱۵۷۵ [4] سیرۃ ابن ہشام غزوہ خیبر،

مین رہتا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے خاص اہتمام فرمایا، اور پہلے یکے بادیگر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو اس مہم پر مامور فرمایا، لیکن قلعہ فتح نہ ہوسکا، دوسرے دن حضرت علیؓ کو علم مرحمت فرمایا، مرحب رجز پڑھتا ہوا مقابلہ مین آیا، حضرت علیؓ نے اسے قتل کردیا، اس کے قتل ہوتے ہی یہودیون کی ہمت چھوٹ گئی، اور بیس دن کے محاصرہ کے بعد قموص کا قلعہ فتح ہوگیا، اس معرکہ مین ترانوے (۹۳) یہودی اور بیس مسلمان مقتول ہوئے،

خیبر فتح ہونے کے بعد مسلمانون نے زمینون پر قبضہ کرلیا، یہودیون نے درخواست کی کہ زمینین ہمارے قبضہ مین رہنے دی جائین، ہم اس کے معاوضہ مین نصف پیداوار دیا کرین گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا جب بٹائی کا وقت آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے، وہ غلہ کو دو حصون مین تقسیم کرکے کہتے کہ جو حصہ چاہے لے لو، یہودیون پر اس کا یہ اثر پڑا کہ وہ کہتے تھے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل پر قائم ہین،[2] اس جنگ مین رئیس خیبر کی لڑکی صفیہ قید ہوئی تھین اور حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصہ مین پڑی تھین، لیکن لوگون نے اعتراض کیا کہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ دحیہ کے حصہ مین نہیں جاسکتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی اس کا اہل نہیں ہے، ان کے اعتراض پر آپ نے ان کو آزاد کرکے اپنے عقد مین لے لیا،[3]

خیبر فتح ہونے کے بعد بھی یہودیون کی مخفی شرارتین جاری رہین، سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کھانے مین زہر ملادیا، آپ نے بہت کم نوش فرمایا تھا اس لئے آپ پر زہر کا اثر نہ ہوا، لیکن ایک دوسرے صحابی بشرؓ بن براء ہلاک ہوگئے، اس لئے آپ نے ان کے قصاص مین زینب کو قتل کرادیا:

غزوۂ خیبر کے سلسلہ مین متعدد نئے احکام جاری ہوئے، درندے جانور، پنجہ والے پرندے،

[1] بخاری غزوۂ خیبر و ابن سعد غزوۂ خیبر [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵ و طبری ۹ ص ۱۵۸۲ [3] صحیح مسلم باب فضیلۃ عتق الامۃ ثم التزوج بہا و ابوداؤد باب ماجاء فی سہم الصفی

گدھا اور خچر حرام قرار پائے، لونڈیون سے تمتع کے لئے استبرا یعنی چند دنون تک توقف کی قید ہوگئی، چاندی سونے کا تبادلہ بہ تفاضل حرام قرار دیا گیا،

وادی القریٰ خیبر کے بعد مسلمان وادی القریٰ کی سمت روانہ ہوئے، یہودی اس وقت بھی شرارت سے باز نہ آئے، اور تیر برسا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام مدعمؓ کو شہید کر دیا، اس لئے جنگ ہوگئی، لیکن یہودیون نے معمولی مقابلہ کے بعد سپر ڈال دی، اور خیبر کے شرائط پر صلح کر لی، [1]

۷ھ عمرہ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے مکہ تشریف لے گئے، اور صلح حدیبیہ کے شرائط کے مطابق بغیر اسلحہ کے مکہ مین داخل ہوئے، کفارِ مکہ تین دن کے لئے شہر خالی کر کے پہاڑون پر چلے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین دن قیام کے بعد عمرہ پورا کر کے مدینہ واپس تشریف لائے، "رمل" کی سنت اسی عمرہ مین جاری ہوئی،

غزوۂ موتہ ۸ھ اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حارث بن عمیرؓ کو شرحبیل والیِ بصریٰ نے قتل کر دیا تھا، آپؐ کو اس کا سخت صدمہ تھا، لیکن یہودیون کی مخالفانہ روش کی وجہ سے ادھر توجہ کرنے کا موقع نہ ملا، ان کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد زید بن حارثہؓ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حارث بن عمیرؓ کے انتقام کے لئے بھیجا، اور ہدایت فرما دی کہ اگر زید شہید ہون تو جعفر امیر ہون، وہ شہید ہون تو عبد اللہ بن رواحہ، شرحبیل کے جاسوسون نے اسے مسلمانون کی پیشقدمی کی خبر کر دی، وہ ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لئے بڑھا، زیدؓ بن حارثہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کا قصد کیا، لیکن عبد اللہ بن رواحہؓ نے روک دیا، کہ ہمارا مقصد فتح نہیں بلکہ شہادت ہے، اور وہ ہر حالت مین حاصل ہو سکتا ہے، چنانچہ جوشِ شہادت مین تین ہزار مسلمانون کا گروہ ایک لاکھ لشکر کے مقابلہ مین آیا، اس تناسب کے باوجود مسلمانون نے بڑی بہادری اور جانبازی سے مقابلہ کیا، لیکن تین ہزار اور ایک لاکھ کا

---

[1] بیہقی باب الجہاد ذکر غلول،

مقابلہ ہی کیا، زیدؓ لڑتے لڑتے شہید ہوئے، ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم سنبھالا، انھوں نے بھی جامِ شہادت پیا، ان کے بعد عبد اللہ بن رواحہؓ نے علم لیا، یہ بھی مرتبۂ شہادت پر سرفراز ہوئے، سب سے آخر میں خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں میں علم آیا، یہ بڑی بہادری اور خوش تدبیری سے باقیماندہ فوج کو دشمنوں کے نرغے سے نکال لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جعفرؓ کی شہادت کا سخت قلق ہوا، ان کی شہادت کی خبر سن کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے[1]،

فتح مکہ ۸ھ اب تک جو واقعات پیش آئے وہ درحقیقت اصل مقصد کا دیباچہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے مقدم فرض خانۂ کعبہ کو جو دنیا میں توحید کا سب سے پہلا اور واحد مرکز تھا، بتوں کی آلایش سے پاک کرنا تھا، لیکن قریش کی دشمنی اور قبائلِ عرب کی عام مخالفت نے اب تک اس کا موقع نہ دیا تھا، صلح حدیبیہ کی بدولت ایک مرتبہ مسلمان یادگارِ ابراہیمی کو نگاہِ غلط انداز سے دیکھ آئے تھے لیکن قریش زیادہ دنوں تک صلح حدیبیہ پر بھی قائم نہ رہ سکے، حدیبیہ کی صلح کے مطابق قبیلہ بنی خزاعہ مسلمانوں کا حلیف ہو گیا تھا، اور اس کے حریف بنی بکر قریش کے معاہد ہو گئے تھے، مگر از روئے معاہدہ فریقین میں سے کسی کو دوسرے کے حلیف پر ہاتھ اٹھانے کا حق حاصل نہ تھا، لیکن بنی بکر اور ان کی حمایت میں قریش نے اس کے خلاف عین حرم میں بنی خزاعہ کو قتل کیا[2]، بنی خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فریاد لے کر آئے، آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا کہ یا وہ مقتولین کا خونبہا ادا کریں، یا بنی بکر کی حمایت چھوڑ دیں اور نہ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا،

یہ شرطیں سن کر قریش کی جانب سے قرطہ بن عمر نے کہا کہ ہم کو تیسری شرط منظور ہے[3] لیکن پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کے واپس آنے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی، انھوں نے ابو سفیان کو فوراً تجدیدِ معاہدہ کے لئے مدینہ دوڑایا، لیکن اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا، اور خانۂ کعبہ

---

[1] بخاری غزوۂ موتہ وسیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۷۱ [2] طبری نمبر ۱۶۲۱ و ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۷ [3] زرقانی ج ۲ ص ۳۳۶

کو بتون سے پاک کرنا آپ کا ضروری فرض تھا، اس لئے آپ نے معاہدہ کی تجدید نہ فرمائی، ابوسفیان نے آپ سے مایوس ہوکر ابوبکرؓ و عمرؓ کو درمیان مین ڈالنا چاہا، مگر ان بزرگون نے انکار کردیا، ان کے انکار پر حضرت علیؓ کے مشورہ سے حرم مین تجدید معاہدہ کا اعلان کرکے لوٹ گیا،[1]

ابوسفیان کے واپس جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تطہیر حرم کی تیاریان شروع کردین، اور رمضان ۸ھ مین دس ہزار فوجون کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے، راستہ مین معاہد قبائل ساتھ ہوتے جاتے تھے، قریب پہنچکر مکہ سے ایک منزل ادھر مرظہران مین مسلمانون نے منزل کی، اور ان کے دستے دور دور تک پھیل گئے، قریش مسلمانون کی روانگی کی خبر سن چکے تھے، انھون نے تحقیقات کے لئے ابوسفیان، حکیم بن حزام، اور بدیل بن ورقا کو بھیجا، یہ لوگ پتہ چلاتے ہوئے مرظہران پہنچے، ابوسفیان پر حضرت عباسؓ کی نظر پڑگئی، وہ اس کے رفیق تھے، اس کی جان بچانے کے لئے اسے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین پہنچے، لیکن خیمہ نبوی کے محافظ دستے نے دیکھ لیا، حضرت عمرؓ کی نظر بھی پڑگئی، وہ اسے دیکھ کر بے قابو ہوگئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوکر عرض کیا، یارسول اللہ کفر کے استیصال کا وقت آگیا، لیکن حضرت عباسؓ آڑے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان کی جان بخشی کرادی،

اس وقت ابوسفیان کے تمام پچھلے اعمال سامنے تھے، اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش، ان مین سے ہر عمل اس کے خون کا دعویدار تھا، لیکن رحمۃ للعالمین کی شان کچھ اس سے بھی بالاتر تھی، تمام گناہون پر خط عفو پھیر دیا، پھر بھی ابوسفیان بدستور کفر و ضلالت پر قائم رہا، لیکن آخر مین حضرت عباسؓ کے ڈرانے سے کلمۂ توحید پڑھ لیا، اور وہ سر پرغرور جو خدا کے سامنے بھی نہ جھکتا تھا آستان نبوی پر خم ہوگیا،[2]

---

[1] زرقانی ج ۲ ص ۳۰۷، [2] بخاری کتاب المغازی غزوۂ فتح مکہ و ابن ہشام ج ۲ ص ۲۰۵ مین اس کی پوری تفصیل ہے،

اس کے بعد افواج اسلامی کا سیلاب مکہ کی طرف بڑھا، ہر قبیلہ کا دستہ الگ الگ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو افواج الٰہی کا نظارہ کرانے کے لئے ایک بلند مقام پر بھیجدیا، تمام قبائل کے پرچم یکے بادیگرے گذرتے تھے، ابوسفیان افواج اسلامی کی ہیبت سے سہما جاتا تھا، سب کے آخر میں کوکبۂ نبوی نمودار ہوا، اور ٹھیک آٹھ برس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ اس سرزمین میں فاتحانہ داخل ہوئے، جس سے انتہائی بیکسی کی حالت میں محروم کئے گئے تھے،

قریش میں دس ہزار فوج کے مقابلہ کی تاب نہ تھی، ان کی جانوں کے لالے پڑ گئے، لیکن رحمۃ للعالمین نے مکہ میں داخلہ کے وقت ہی مسلمانوں کو حکم دیدیا تھا کہ جب تک کوئی شخص خود ان پر حملہ آور نہ ہو وہ کسی پر تلوار نہ اٹھائیں، اور مکہ کے داخلہ کے بعد اعلان عام کردیا کہ جو شخص حرم میں چلا جائے گا یا دروازہ بند کرلے گا یا ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا، وہ مامون ہے[1]، صرف چند خیرہ سروں نے معمولی سی مزاحمت کی، جن میں دو مسلمان شہید اور ۱۳ کفار مقتول ہوئے،

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں گئے، اس وقت یہاں تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت نصب تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لکڑی سے گرانا شروع کیا، اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے، جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا، خاص خانۂ کعبہ کے اندر جس قدر بت تھے، سب نکال دیئے گئے، حضرت عمرؓ نے دیوار کی تصویریں مٹائیں، شرک کی آلائشوں سے تطہیر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ و طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے، اور نماز شکرانہ ادا فرمائی، اس کے بعد جابرۂ قریش کے روبرو توحید و رسالت پر حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا[2]، جس کا خطاب نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم سے تھا،۔

ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۵ و ۲۴۸، دوسری کتابوں میں ان کے علاوہ بعض اور صورتوں کو بھی امن جان بخشی کا ذریعہ بتایا ہے، بخاری باب فتح مکہ

[2] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۲،

اس نے اپنے عاجز بندے کی مدد کی، اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا، ہاں آج تمام مفاخرہ سارے انتقامات وخونبہاے قدیم سب میرے قدموں کے نیچے ہیں،

اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا، تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے، اس کے بعد کلام مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ	لوگو ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا،
وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ	اور تمھارے قبیلے اور خاندان بنائے تاکہ ایک
لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ	دوسرے سے پہچان لئے جاؤ، لیکن خدا کے نزدیک
اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ،	شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے خدا جاننے والا
	اور واقف کار ہے،
ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر (بخاری)	اللہ اور اس کے رسول نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی

خطبہ کے بعد آپ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جبارانِ قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں سب کے سرگروہ تھے، وہ بھی تھے جو پیکرِ اقدس کے ساتھ طرح طرح کی گستاخیاں کر چکے تھے، وہ بھی تھے جو ہر طرح کی اذیتیں پہنچاتے تھے، وہ بھی تھے جنھوں نے غریب مسلمانوں کو مشقِ ستم بنایا تھا، وہ بھی تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازشیں کی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا، کچھ معلوم ہے، میں تمھارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ اگرچہ یہ سرکش تھے، گمراہ تھے، اسلام کے دشمن تھے، لیکن مزاج شناس تھے، بول اٹھے "اخ کریم و ابن اخ کریم" تو شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہے، فرمایا لاتثریب علیکم الیوم اذھبو فانتم الطلقاء[1]، تم پر کوئی مواخذہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ اور چند اشتہاری مجرموں کے علاوہ

[1] ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۲

سب کو امان دے دی،

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی، قریش کی قوت اور رعونت اگرچہ خاک مین مل چکی تھی، لیکن اب بھی جاہلی عصبیت باقی تھی، چنانچہ اذان کی آواز سن کر ان کی غیرت مشتعل ہو گئی، اور عتاب بن اسید کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا، خدا نے میرے باپ کی عزت رکھی کہ اس آواز کو سننے کے لئے دنیا مین باقی نہ رکھا، [1] تاہم ان کے لئے دامن رحمت کے علاوہ اور کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو عام نے اکثروں کے دلوں سے اسلام کی نفرت دور کر دی تھی، اس لئے صدہا پر غرور سر آستان اسلام پر خم ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام صفا مین ایک بلند مقام پر تشریف فرما تھے، اور کفار جوق در جوق آکر بیعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے، پندرہ یوم قیام کرنے کے بعد معاذ بن جبل کو نو مسلموں کی تعلیم کے لئے چھوڑ کر مدینہ واپس تشریف لائے،

غزوہ حنین

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین ہوا، اگرچہ فتح مکہ نے جابرہ قریش کی قوت توڑ دی تھی، اور اس کے بعد قبائل عرب نے عام طور پر خود پیشقدمی کر کے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا، لیکن بعض سرکش قبائل پر اس کا الٹا اثر پڑا، ان مین ہوازن اور ثقیف عرب کے بڑے ممتاز اور جنگجو قبیلے تھے اسلام کے اقتدار سے ان کا امتیاز ختم ہو رہا تھا، اس لئے دونون قبیلون کے اشراف نے جمع ہو کر طے کیا کہ مسلمانون سے جنگ کی جائے، مسلمانون کو اب تک جن قبائل سے واسطہ پڑا ہے وہ اس میدان کے مرد نہ تھے، اور قبل اس کے کہ وہ ہماری طرف رخ کرین، ہمین بڑھ کر حملہ کر دینا چاہئے، اس قرار داد کے بعد وہ مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، [2] جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ عورتون اور بچون کو بھی ساتھ لے لیا کہ ان کی لاج مین قدم نہ اکھڑنے پائین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تیاریون کی خبر ملی تو آپ نے عبد اللہ بن حدرد کو تحقیقات کیلئے

---

[1] بخاری فتح مکہ باب مقام النبی بمکۃ [2] زرقانی ج ۳ ص ۶،

بھیجا، انھون نے حنین جاکر خفیہ تحقیقات کی تو واقعہ صحیح نکلا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شوال ۸ھ مین بارہ ہزار مسلمانون کو لے کر بڑے سروسامان کے ساتھ حنین روانہ ہوئے، یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد مین دشمن کے مقابلہ مین نکلے تھے، چنانچہ بعضون کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے،

حنین پہنچکر فریقین مین مقابلہ ہوا، بعض روایتون مین ہے کہ پہلے ہی حملہ مین مسلمانون کے پاؤن اکھڑ گئے[1]، لیکن صحیح یہ ہے کہ پہلے حملہ مین مشرکین پسپا ہوئے، مگر ابھی پوری طرح ان کو شکست نہین ہوئی تھی کہ مسلمان مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، مشرکین کو موقع مل گیا، انھون نے تیر باری شروع کر دی[2]، مسلمانون کی فوج مین بہت سے مکہ کے مولفۃ القلوب نومسلم بھی تھے، جو دل سے شریک نہین تھے، انھون نے عین موقع پر دھوکا دیا[2]، اس سے مسلمانون کے پاؤن اکھڑ گئے، اور وہ اس بری طرح سے منتشر ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی صرف چند جان نثار باقی رہ گئے، لیکن پیکر اقدس اپنی جگہ قائم رہا، اور انصار کو آواز دی، جواب مین آواز آئی، "ہم حاضر ہین"، اس نازک حالت مین آپ سواری سے اتر پڑے، اور جلالِ نبوت کے لہجہ مین فرمایا "مین خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہون"[3] حضرت عباسؓ نے آپ کے حکم سے مہاجرین اور انصار کو پکارا، ان کی آواز سنتے ہی مسلمان پلٹ پڑے، اور اس جانبازی کے ساتھ لڑے کہ دیکھتے دیکھتے لڑائی کا رنگ بدل گیا، کفار ان کے بے پناہ حملون کی تاب نہ لاسکے، اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، بنی مالک نے استقلال دکھایا، لیکن ان کے سردار عثمان بن عبداللہ کے قتل کے بعد انھین بھی میدان چھوڑ دینا پڑا، جو باقی رہ گئے وہ زندہ گرفتار ہوئے، اور بیشمار مالِ غنیمت مسلمانون کے ہاتھ آیا،

اوطاس حنین کے شکست خوردہ کفار کچھ اوطاس اور کچھ طائف مین جمع ہوئے، ہوازن کا

---

[1] بخاری غزوۂ حنین [2] طبری ج ۳ ص ۲۰، و بخاری غزوۃ الطائف مع الیہ [3] بخاری غزوۂ طائف ص ۶۲۱،

رئیس اعظم درید بن صمہ بھی کئی ہزار فوج لے کر اوطاس پہنچ گیا، اس لئے حنین سے واپسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامرؓ اشعری کو تھوڑی فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا، درید کے لڑکے نے ابو عامرؓ کو قتل کر کے علم اسلام پر قبضہ کر لیا، یہ حالت دیکھ کر ابو موسیٰ اشعریؓ نے جھپٹ کر اس کا کام تمام کر دیا، اور علم واپس لے لیا،[1]

طائف کا محاصرہ بنی ثقیف کی ایک شاخ طائف میں آباد تھی، جو اپنی شجاعت و بہادری کے لحاظ سے سارے عرب میں ممتاز تھی، طائف کے گرد فصیل نما چہار دیواری اور قلعہ تھا، اس لئے حنین کی شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ طائف چلا آیا تھا، اور اہل شہر سے مل کر سامان رسد اور مقابلہ کے ضروری سامان جمع کر کے قلعہ بند ہو گیا،[2] اس لئے حنین سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کا مال غنیمت جعرانہ بھجوا دیا، اور خود طائف تشریف لے گئے، اور اس کا محاصرہ کر لیا، بیس دن محاصرہ قائم رہا، لیکن کامیابی نہ ہوئی، چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی اس لئے بیس دن کے بعد محاصرہ اٹھا لیا،

تقسیم غنائم طائف سے جعرانہ تشریف لائے خیبر کے مال غنیمت میں بیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی، اور چھ ہزار قیدی بھی تھے، جعرانہ تشریف لانے کے بعد قیدیوں کے بارہ میں کئی دن تک فدیہ کا انتظار کیا، جب کوئی چھڑانے نہیں آیا، تو آپ نے شرعی اصول کے مطابق کل مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، اور تالیف قلب کے خیال سے اس کا زیادہ حصہ جدید الاسلام مسلمانوں کو جن میں زیادہ تر شرفائے مکہ تھے، عطا فرمایا، اس سے بعض انصاریوں کو شکایت پیدا ہو گئی، اور انھوں نے غائبانہ کہا کہ قریش کو مال غنیمت ملتا ہے، اور ہم جن کی تلواروں سے قریش کا خون ٹپکتا ہے محروم رکھے جاتے ہیں، بعضوں نے کہا، مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے، اور غنیمت کے وقت دوسرے کو یاد کیا جاتا ہے،[3]

---

[1] مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۹ [2] تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۲۲ و ابن سعد غزوۂ اوطاس [3] بخاری غزوۂ طائف،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے انصار کو بلا کر پوچھا، انھون نے عرض کی کہ ہمارے سربرآوردہ لوگون مین سے کسی نے یہ نہین کہا ہان نوجوانون نے یہ فقرے کہے تھے کچھ لوگون نے اقرار کیا، آپ نے ان کا ملال خاطر دور کرنے کے لئے خطبہ دیا "کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تمھاری ہدایت کی، تم منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم مین اتفاق پیدا کیا، تم مفلس تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولتمند بنایا" انصار ہر ہر ارشاد پر کہتے جاتے تھے کہ "خدا اور رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے"[1]

آپ نے فرمایا، نہیں تم یہ جواب دو کہ "محمد جس وقت لوگون نے تجھکو جھٹلایا اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی، جب لوگون نے تجھ کو چھوڑ دیا، اس وقت ہم نے تجھ کو پناہ دی، تو اپنے یہان سے مفلس آیا تھا، ہم نے ہر طرح تیری مدد کی" تم یہ کہتے جاؤ مین جواب دیتا جاؤن گا کہ "ہان تم سچ کہتے ہو" لیکن کیا تم کو یہ پسند نہین کہ لوگ اونٹ اور بکریان لے جائین اور تم محمد کو لے کر اپنے گھر جاؤ"

یہ سحر آفرین خطبہ سن کر انصار چیخ اٹھے، کہ ہم کو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم درکار ہین، اکثرون کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ہچکیان بندھ گیئن، اس کے بعد آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہین، ان کو مین نے جو کچھ دیا ہے وہ کسی حق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف تالیف قلب کے لئے[2]،

حنین کے مال غنیمت کے سلسلہ مین یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ قیدیون مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن (غالباً حضرت حلیمہ کی لڑکی) شیما بھی تھین، یہ جب گرفتار ہوئین تو انھون نے کہا، مین تمھارے پیغمبر کی رضاعی بہن ہون، لوگ تصدیق کے لئے آپ کے پاس لائے، شیما نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک مرتبہ بچپن مین آپ نے دانت کاٹا تھا، یہ اس کا نشان ہے، یہ سن کر فرط محبت مین آپ کی آنکھون مین آنسو بھر آئے، ان کے بیٹھنے کے لئے خود ردائے مبارک بچھائی، لطف و محبت کی

---

[1] بخاری غزوہ طائف [2] یہ واقعات بخاری مین مجمل اور فتح الباری مین بہ تفصیل ہین،

باتین کین، چند اونٹ اور بکریان عطا کین، اور ارشاد فرمایا جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو، اور اگر گھر جانا چاہو تو وہان پہنچا دیا جائے، شیماء نے گھر جانا پسند کیا، آپ نے عزت و احترام کے ساتھ بھجوا دیا،[1]

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے، اور آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا،

غزوہ تبوک رجب ۹ھ مین غزوہ تبوک پیش آیا، تبوک عرب اور شام کی سرحد پر ایک مقام ہے یہ رومیون کی حکومت مین تھا، روم اور عرب کے سرحدی علاقے پر رومی حکومت کی جانب سے عرب سردار حکومت کرتے تھے، شرجیل والی بصری بھی انہی سردارون مین تھا، جنگ موتہ کے بعد ہی رومیون نے عرب پر حملہ کا ارادہ کر لیا تھا، اور شام کے غسانی خاندان کو جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھا، اور رومی حکومت کے ماتحت حاکم تھا، اس مہم پر مامور کیا تھا، اس وقت سے عرب پر ان کے حملہ کی افواہین برابر پھیلتی رہتی تھین، اسی زمانہ مین شام کے نبطی سوداگرون نے جو مدینہ آیا کرتے تھے، اطلاع دی کہ شام مین رومیون نے بہت بڑی فوج جمع کی ہے، اور اس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ چکا ہے،[2] یہ بھی افواہ پھیل گئی کہ عیسائی عربون کی درخواست پر ہرقل نے چالیس ہزار فوجین بھیجدی ہین،

چونکہ رومیون کی جانب سے عرصہ سے حملہ کا خطرہ تھا، اس لئے ان خبرون کے یقین کرنے مین تامل نہ ہوا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رجب ۹ھ مین حضرت علیؓ کو مدینہ مین چھوڑ کر تیس ہزار مسلمانون کے ساتھ جس مین دس ہزار سوار تھے، شام روانہ ہوئے، تبوک پہنچکر معلوم ہوا کہ حملہ کی افواہین غلط تھین، تاہم آپ نے بیس [۲۰] دن تک تبوک مین قیام فرمایا، ایلہ کے سردار یوحنا نے حاضر ہو کر جزیہ دینا قبول کیا، اور ایک خچر ہدیہ مین پیش کیا، آپ نے اس کو ایک ردا عطا فرمائی، جرباء اور اذرح کے عیسائیون نے بھی آکر جزیہ پر رضامندی ظاہر کی، دومۃ الجندل کا حاکم اکیدر قیصر کے ماتحت تھا، اس کی جانب سے خطرہ تھا، اس لئے

[1] طبقات ابن سعد و طبری ج ۳ ص ۱۶۶۸، [2] زرقانی ج ۳ ص ۶۲، [3] ایضاً،

آپ نے خالد بن ولید کو چار سو آدمیون کے ساتھ دومۃ الجندل بھیجا، خالدؓ نے اسے گرفتار کر لیا، اکیدر
مصالحت کے لئے آمادہ ہو گیا، خالدؓ نے اسے اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
مین حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے، بیس دن تبوک مین قیام کے بعد آس پاس کے حکمرانون کو جن کی جانب سے
خطرات تھے مطیع بنا کر مدینہ واپس تشریف لائے، یہین اکیدر حاضر خدمت ہوا اور آپ نے اسے امان نامہ عطا فرما کر واپس کر دیا[1]

حج اور اعلانِ برأت

مکہ ۸ھ مین فتح ہو چکا تھا، لیکن اس سال مشرکین ہی کے اہتمام مین حج ادا ہوا تھا،
اس لئے غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ ۹ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کی
امارت مین تین سو حجاج کا ایک قافلہ حج کے لئے روانہ فرمایا، اور حضرت علیؓ کو منصب نقابت تفویض ہوا[2]
قرآن نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے، اس لئے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ جب سنت ابراہیمی کے مطابق حج
کے ارکان ادا ہوئے، اور خانۂ خدا مین عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومت اسلام کے آغاز کا اعلان کیا
گیا، اور زمانۂ جاہلیت کی تمام رسمین باطل قرار پائین، مکہ پہنچکر حضرت ابو بکرؓ نے لوگون کو مناسک حج
کی تعلیم دی، قربانی کے دن خطبہ مین مسائل حج بیان کئے، حضرت علیؓ نے سورۂ برأت کی چالیس آیتین
پڑھ کر سنائین، اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانۂ کعبہ مین داخل نہ ہو سکے گا، نہ کوئی برہنہ حج کرنے پائیگا،
اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے ہین ان کے نقض عہد کے باعث آج سے چار مہینہ بعد ٹوٹ جائین گے،[3]

اسی سال زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا، اور تحصیل زکوٰۃ کے لئے عمال مقرر ہوئے[4]، اور سود حرام قرار پایا،

مختلف اغراض کے لئے چھوٹے چھوٹے سرایے

مذکورہ بالا غزوات کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات مین
بکثرت چھوٹے چھوٹے مسلح دستے عرب کے مختلف حصون مین بھیجے، انھین اصطلاح
مین سرایا کہا جاتا ہے، ان سرایا کو عموماً لوگ جنگی دستون سے تعبیر کرتے ہین، جو صحیح نہین ہے، یہ دستے
مختلف ضروریات کے لئے بھیجے جاتے تھے، مثلاً

---

[1] یہ حالات ابن سعد اور طبری مین ہین [2] بخاری کتاب المناسک باب لا یطوف عریان [3] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۷۹ [4] زرقانی ج ۳ ص ۱۰۲
[5] طبری ج ۴ ص ۱۷۲۲،

(۱) دشمنون کی نقل وحرکت کی سراغ رسانی کے لئے،

(۲) دشمنون کے حملے کی خبر سن کر مدافعت کے لئے،

(۳) قریش کے کاروانِ تجارت کی روک ٹوک کے لئے،

(۴) امن وامان قائم کرنے کے لئے،

(۵) اشاعتِ اسلام کے لئے، انھین تاکید کردی جاتی تھی کہ وہ تلوار سے کام نہ لین،

(۱) پہلی قسم کے سرایا مین عبداللہ بن جحش کا سریہ تھا، جسے آپ نے ۲ھ مین مکہ کی طرف بھیجا تھا، اس مین صرف بارہ آدمی تھے، اور ایک خط دے کر ہدایت فرمادی تھی کہ دو دن بعد اسے کھولنا، دو دن بعد عبداللہ نے اسے کھولا تو اس مین لکھا تھا کہ برابر بڑھتے چلے جاؤ اور مکہ اور طائف کے درمیان مقامِ نخلہ مین ٹھہر کر قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو اور ان کی خبرین معلوم کرو،[۱]

(۲) دوسری قسم یعنی مدافعت کے سرایا مین سریہ غطفان ۳ھ، اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تھا کہ قبیلہ بنی ثعلبہ اور محارب کی ایک جماعت ذی امر مین حملہ کرنے کے قصد سے جمع ہوئی ہے، اس لئے آپ نے ایک مختصر جماعت مدافعت کے لئے روانہ فرمائی،[۲] سریہ ابوسلمہ ۲ھ طلیحہ اور خویلد کے مقابلہ کے لئے جن کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوئے ہین بھیجا گیا تھا،[۳] سریہ عبداللہ بن انیس ۳ھ، یہ ابوسفیان بن خالد کے جتھے کو جو مخالفانہ جمع ہوا تھا، منتشر کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا،[۴] غزوہ ذات الرقاع ۵ھ مین اس لئے ہوا تھا کہ ایک جاسوس نے اطلاع دی تھی کہ انمار و ثعلبہ کے قبیلے مسلمانون کے مقابلہ کے لئے فوج جمع کر رہے ہین، سریہ دومۃ الجندل ۵ھ مین اس لئے گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ دومۃ الجندل مین ایک بڑا گروہ مدینہ پر حملہ کے لئے جمع ہوا ہے،[۵] غزوہ مریسیع ۵ھ کا سبب یہ تھا کہ قبیلہ بنی مصطلق

[۱] طبری جلد ص ۱۲۷۴، [۲] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۲۳، [۳] ایضاً ص ۳۵، [۴] ایضاً، [۵] ایضاً ص ۴۴،

سردار حارث بن ابی ضرار نے اپنے قبیلہ اور ان لوگوں کو جو اس کے قابو میں تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کی دعوت دی تھی،[1] سریۂ فدک علی بن ابی طالب ۶ھ، یہ بنی سعد کے مقابلہ کے لیے جو یہود خیبر کی مدد کے لئے فدک میں جمع ہوئے تھے، روانہ کیا گیا تھا،[2] سریہ بشیر بن سعد ۷ھ، اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تھا کہ غطفان کا ایک گروہ مقام جناب میں جمع ہوا ہے اور عیینہ بن حصن ان سے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے،[3] سریہ ذات السلاسل ۸ھ عمرو بن العاص، یہ قضاعہ کے مقابلہ کے لیے جو مدینہ کی طرف بڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے، بھیجا گیا تھا،[4]

(۳) تیسری قسم کے سرایا کا سبب یہ تھا کہ قریش نے مسلمانوں کو حج اور عمرہ سے روک دیا تھا، قریش کا مایۂ غرور ان کی تجارت تھی، اس کے رک جانے سے ان کو سخت نقصان پہنچتا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کاروان تجارت کی روک ٹوک شروع کی تھی، تاکہ قریش مجبور ہو کر مسلمانوں کو کعبہ جانے کی اجازت دیدیں، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے سرایا صلح حدیبیہ سے پہلے بھیجے جاتے تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب قریش نے چند شرائط کے ساتھ عمرہ کی اجازت دیدی، تو ان سرایا کا سلسلہ بند ہو گیا، اگرچہ ان سے مقصود صرف قریش کو دھمکانا تھا لیکن اس سلسلہ میں کبھی کبھی تصادم بھی ہو جاتا تھا،

(۴) چوتھی قسم کے سرایا کا سبب یہ تھا کہ قبائل عرب میں ہمیشہ جنگ وجدال کا سلسلہ برپا رہتا تھا، ان کی وجہ سے راستے بالکل غیر محفوظ ہو گئے تھے، تجارتی قافلے دن دھاڑے لوٹ لئے جاتے تھے، اسلام کا ایک اہم فرض امن عام قائم کرنا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدامنی کی خبر سن کر ان کی مدافعت کے لیے سرایا روانہ فرماتے تھے، ان سرایا میں،

پہلا سریہ ۶ھ میں زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں بھیجا گیا تھا، اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت زید سامان تجارت لے کر شام گئے ہوئے تھے، واپسی میں مقام وادی القریٰ میں بنی فزارہ نے مار پیٹ کر

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۴۵ [2] ایضاً ص ۶۴ [3] ایضاً ص ۸۷ [4] ایضاً ص ۹۵

کل سامان چھین لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لٹیرون کی تنبیہ کے لئے ایک دستہ روانہ فرمایا جس نے ان لوگون کو سزا دی[1]،

سریہ زید بن حارثہ ۶ھ اس کا باعث یہ تھا کہ ایک شخص ہنید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد دحیہ کلبی کا جو قیصر روم کے پاس خط لے کر گئے تھے، کل سامان چھین لیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدلہ کے لئے زید بن حارثہ کو ایک جماعت کیساتھ روانہ فرمایا[2]، اس قسم کے سریے عموماً خانہ بدوش اور پیشہ ور غارتگر قبائل کی طرف بھیجے جاتے تھے، سریہ دومۃ الجندل بھی اسی قسم کا سریہ تھا[3]،

(۵) پانچوین قسم اشاعت اسلام کے سرایا، قبائل سارے عرب مین پھیلے ہوئے تھے، ان سب کے کانون تک اسلام کی آواز پہنچانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا، اس لئے آپ وقتاً فوقتاً اسلام کی اشاعت کے لئے ان مین مسلمانون کی جماعتین بھیجتے تھے، یا کبھی کبھی خود قبائل کی درخواست پر دعاۃ اور معلمین روانہ فرماتے تھے، اور چونکہ بدامنی عام تھی، اس لئے یہ لوگ مسلح بھیجے جاتے تھے، کبھی کبھی ان مین اور مخالفین اسلام مین جنگ کی نوبت آجاتی تھی، اس سلسلہ کے بعض سرایے یہ ہین:

سریہ بیر معونہ ۳ھ، قبیلہ کلاب کے رئیس عامر بن مالک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے یہان دعاۃ اسلام بھیجنے کی درخواست کی تھی، اس درخواست پر آپ نے منذر بن عمرو ساعدی کی ماتحتی مین ستر قراء کی جماعت بھیجی، بیر معونہ کے قریب یہ سب کے سب قبائل رعل اور ذکوان کے ہاتھون شہید ہوئے، صرف ایک شخص بچ گیا، جس نے مدینہ آکر اطلاع دی[4]، سریہ مرثد بن ابی مرثد غنوی ۳ھ، یہ دس مسلمانون کی جماعت تھی، جو قبیلہ عضل اور قارہ کی درخواست پر ارشاد و تعلیم کے لئے بھیجی گئی تھی، مقام رجیع مین بنی لحیان نے حملہ کرکے ایک کے سوا سب کو شہید کر دیا[5]، سریہ ابن ابی العوجاء ۷ھ، اس مین ابن ابی العوجاء کی ماتحتی مین پچاس مبلغین بنی سلیم کے پاس بھیجے گئے تھے، بنی سلیم نے ان کی دعوت کا جواب تیرون و

---

[1] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۶۵ [2] ایضاً ص ۶۳ [3] ایضاً ص ۴۴ [4] ایضاً ص ۳۷ تا ۳۸ [5] ایضاً ص ۳۹، ۴۰.

پتھرون سے دیا، مسلمانون نے بھی مجبوراً مقابلہ کیا، لیکن ابن ابی العوجاء کے سوا باقی سب شہید ہوگئے[1]،

سریہ کعب بن عمیر ۸ھ ، یہ پندرہ مبلغین کی جماعت کعب بن عمرو غفاریؓ کی ماتحتی مین ذات اطلاح اشاعت اسلام کے لئے بھیجی گئی تھی، یہان کے باشندون نے بھی بنی سلیم کی طرح تیر و تفنگ سے جواب دیا، اور ایک کے سوا کل مسلمان شہید ہوگئے[2]،

اگرچہ یہ تبلیغی سرایا اپنی حفاظت کے لئے مسلح بھیجے جاتے تھے، لیکن انھین خاص طور سے تاکید کردی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لین گے، پھر بھی کبھی کبھی اتفاقیہ واقعات پیش آجاتے تھے، اگر یہ واقعات مسلمانون کی غلطی سے پیش آتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا سخت صدمہ ہوتا، اور آپ ان کی پوری تلافی فرماتے تھے، فتح مکہ کے بعد آپ نے حضرت خالد بن ولید کو تین سو آدمیون کے ساتھ دعوت اسلام کے لئے بنی جذیمہ بھیجا، اور چلتے چلتے تاکید فرمادی کہ "صرف اسلام کی دعوت دینا جنگ مقصود نہین ہے" لیکن خالد نے غلطی سے تلوار اٹھادی اور بہت سے آدمی قتل ہوگئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ کو سخت تکلیف ہوئی، اور قبلہ رو کھڑے ہوکر فرمایا خدایا مین خالد کے اس فعل سے بری ہون، پھر حضرت علیؓ کو بھیجکر تمام مقتولین حتی کہ کتون تک کا خون بہا ادا فرمایا[3]،

اسی سلسلہ کی کڑی وہ سرایا بھی ہین جو مختلف اطراف مین بت شکنی کے لئے بھیجے گئے، سارے عرب مین صنمکدون کا ایک جال پھیلا ہوا تھا، ہر ہر قبیلہ کا بت جدا تھا، اس لئے کوئی خطہ بتکدون سے خالی نہ تھا، فتح مکہ کے بعد اکثر قبائل مسلمان ہوچکے تھے، اور انھون نے بت پرستی چھوڑ دی تھی لیکن صدیون کی پرستش کی وجہ سے ان کے دلون سے بتون کی ہیبت نہ مٹتی تھی، اور وہ ان کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے، طائف کے باشندون نے اسلام قبول کرتے وقت یہ شرط پیش کی تھی کہ ان کا بتخانہ ایک سال تک نہ توڑا جائے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسترد فرمادی اس وقت انھون نے

---

[1] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۸۵ ، [2] ایضاً ص ۹۲ ، [3] ایضاً ص ۱۰۶ و ۱۰۷ و طبری ص ۱۶۵۰ ،

کہا اچھا ہم اپنے ہاتھون سے نہ توڑین گے، اس قسم کے خوف و ہراس کو مٹانے کے لئے راسخ العقیدہ مسلمان بتکدون کو توڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے، چنانچہ سریہ خالد بن ولید عزیٰ کے صنمکدہ کو، سریہ عمرو بن العاص سواع کے بتخانے کو، سریہ سعد بن زید مناۃ کے صنم خانے کو، سریہ ابو سفیان و مغیرہ لات کی پرستش گاہ کو، سریہ جریر، ذی الخلصہ کے مندر کو، سریہ طفیل بن عمرو ذی الکفین کی مورت کو، سریہ علی بن ابی طالب فلس کی عبادت گاہ کو توڑنے کے لئے بھیجے گئے تھے[1]،

اس کے علاوہ ۶ھ مین سریہ عکاشہ بن محصن و سریہ علی بن ابی طالب ۶ھ مین، سریہ عمر بن الخطاب ۷ھ مین، سریہ کعب بن عمرو چھوٹے چھوٹے سرایا مختلف سمتون مین دشمنون کی خبر سن کر بھیجے گئے اور سرایا بھی ہین، لیکن ان کا استقصا مقصود نہین ہے، ان سب کے حالات ابن سعد اور زرقانی مین مذکور ہین،

جنگ مین اسلام کی اصلاحات۔

ان غزوات و سرایا سے ظاہر بینون کو یہ دھوکا ہوا، یا وہ عمداً یہ غلط نتیجہ نکالتے ہین کہ ان کا مقصد قتل و غارتگری اور اسلام کی جبری اشاعت تھا، حالانکہ یہ تمام لڑائیان تبلیغ اسلام کی راہ مین کفار کی مزاحمت کی بنا پر پیش آئین، اور ان مین اور دوسری قوم کی لڑائیون مین بڑا فرق ہے، خود عرب مین جنگ سفاکی اور درندگی کا نمونہ تھی، اس کا مقصد دوسرون کے ملک مین اور مال و متاع پر قبضہ کرنا یا جذبۂ انتقام کی تسکین ہوتی تھی، اور لڑائی مین فریقین انسانیت کے حدود سے گذر جاتے تھے، اسیران جنگ مین جنگجو مردون کے ساتھ عورتون اور بچون کو بھی قتل کر ڈالتے، بلکہ آگ مین زندہ جلا دیتے تھے، غفلت کی حالت مین دفعۃً دشمنون پر ٹوٹ پڑتے، بچون کو نشانہ بنا کر تیرون سے مارتے، زندہ آدمیون کے اعضا کاٹ ڈالتے کہ تڑپ تڑپ کر مرے، جذبۂ انتقام مین مردہ لاشون کے اعضا کاٹ ڈالتے، حاملہ عورتون کے پیٹ چاک کر ڈالتے، سرسبز کھیتون کو اجاڑ ڈالتے، آبادیون کو ویران کر ڈالتے

اسلام نے خاص حالات مین جنگ کی اجازت ہی نہین بلکہ اس کا حکم تک دیا ہے،

---

[1] ابن سعد ج ۲ ق اول مین ان سب کے حالات ہین؛

لیکن اس کو تمام دنیاوی اغراض اور وحشیانہ افعال سے پاک کر کے بلند مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا دیا، اور مذکورۂ بالا امور بلکہ تمام خلاف انسانیت باتوں سے روک دیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمادی[1]، دشمن کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بنانے کو جس کا عرب میں عام دستور تھا، سختی سے روک دیا[2]،

لڑائیوں میں عہد کی پابندی کی کوئی قیمت نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی عہد کی سخت تاکید فرمائی، خود قرآن میں اس کے صریح احکام ہیں، قاصدوں کے قتل اور ان کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا، حتی کہ ان قاصدوں سے بھی ناروا سلوک نہیں فرمایا جنھوں نے آپ کے ساتھ گستاخی کی، اسیران جنگ کو ہر قسم کی تکلیف پہنچانے کی ممانعت فرمادی، جنگ بدر کے قیدیوں کو جب صحابہؓ کے حوالہ کیا تو تاکید کردی کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے پائے، چنانچہ صحابہ خود کھجور کھا کر پیٹ بھرتے تھے، اور ان کو شکم سیر ہو کر کھانا کھلاتے تھے، غزوہ حنین میں ۶ ہزار قیدیوں کو رہا کر دیا، اور ان کے پہننے کے لئے اسی قدر جوڑے مرحمت فرمائے[3]،

اس زمانہ میں عام دستور تھا کہ فوجکشی کے وقت جن جن مقامات اور راستوں سے فوجیں گذرتی تھیں ان میں عام لوٹ مار کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی منع فرمایا، ایک غزوہ میں مسلمانوں کو سامان رسد کی کمی کی وجہ سے دشواری پیش آگئی، اتفاق سے بکریوں کا ایک گلہ نظر آیا، مسلمانوں نے اسے لوٹ لیا، اور بکریاں ذبح کر کے گوشت پکایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو جا کر اپنے ہاتھوں سے پکتی ہوئی ہانڈیاں چولھے پر سے الٹ دیں اور فرمایا، لوٹ کا مال مردار کے گوشت کے برابر ہے[4]، ایک مرتبہ اور مسلمانوں نے کچھ تاخت و تاراج کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی

۱؎ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین ۲؎ ایضاً باب قتل الاسیر بالنبل ۳؎ تفصیل کے لئے دیکھو ابن سعد ج ۲ ق اول حالات غزوہ بدر و حنین ۴؎ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی النہی عن النہب اذا کان فی الطعام قلة،

تو آپ نے عام منادی کرادی کہ جو شخص دوسروں کو ان کے گھروں مین تنگ کرے گا، یا غارت گری کرے گا، اس کا جہاد جہاد نہیں ہوگا[1]

مالِ غنیمت ہر قوم کے فاتحین کا جائز حق ہے، اس لئے اسلام نے بھی اس کو قائم رکھا، لیکن اس کی حرص و طمع کو، اور اسے جنگ کا مقصد قرار دینے کی نہ صرف ممانعت فرمائی، بلکہ حصولِ اجر و ثواب کے منافی قرار دیا، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ کوئی شخص غنیمت کے لئے جہاد کرتا ہے کوئی اظہارِ شجاعت کے لئے، ان مین سے کس کا جہاد خدا کی راہ مین ہے، فرمایا جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو[2]،

خود قرآن پاک مین جن جن صورتون مین جنگ کی اجازت اور اس کا حکم دیا گیا ہے اس کے رو سے اسلامی جہاد خدا ناشناسی کمزورون پر ظلم و زیادتی اور ملک مین فتنہ و فساد کے استیصال کا ذریعہ ہے اور اس کا مقصد صرف اعلاء کلمۃ اللہ، روے زمین پر خدا کی حکومت کا قیام اور اس کی تحمید و تقدیس ہے کلام مجید مین اس کی متعدد آیات ہین، اس طرح اس نے جنگ کو جو صرف سفاکی و خونریزی سے عبارت تھی عبادت بنا دیا،

مذہبی انتظامات

تبلیغ و دعوتِ اسلام | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی کام نہ صرف عرب بلکہ ساری مخلوق کو توحید الٰہی کی دعوت دینا اور سارے عالم مین اسلام کی تبلیغ و اشاعت تھا، لیکن کفار عرب کی مسلسل مزاحمت اس راہ مین سنگِ گران بنی رہی، اس مزاحمت کی مدافعت نے جنگ کی شکل اختیار کرلی جس کے حالات اوپر گذر چکے ہین، ورنہ یہ لڑائیان مقصود بالذات نہ تھین، لیکن ان مزاحمتون کے باوجود تبلیغ اسلام کا کام برابر جاری رہا، اور آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا رہا، اور جس قدر مزاحمتین دور ہوتی گئین، اسلام

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یؤمر من انضمام العسکر [2] بخاری کتاب الجہاد باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا،

کی اشاعت کی رفتار بڑھتی گئی، تاآنکہ فتحِ مکہ کے بعد جب قریش کی قوت کا خاتمہ ہوگیا اور عربوں کا مذہبی مرکز کعبۃ اللہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، اس وقت سارے عرب میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور یہی رسالت کا حقیقی کارنامہ ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ اسلام کے مختلف طریقے اختیار فرمائے، ابتدا میں تن تنہا، اشخاص سے مل کر مجمعوں، میلوں اور قبائل میں جاکر خدا کا پیغام پہنچاتے تھے، اس راہ میں آپ نے جو جو تکلیفیں اور صعوبتیں اٹھائیں، اس کے حالات اوپر گذر چکے، سابقین اولین اور انصار کی ابتدائی جماعت کا اسلام جو درحقیقت تبلیغِ اسلام کا سنگ بنیاد ہے، اسی دور کے مساعی کا نتیجہ ہے،

اس کے بعد جوں جوں اسلام میں تقویت آتی گئی، اس فریضہ کی ادائی میں اور زیادہ وسعت ہوتی گئی، تربیت یافتہ مبلغین اور چھوٹی چھوٹی تبلیغی جماعتیں مختلف قبائل اور مقامات میں بھیجی جانے لگیں، جس قبیلہ کا کوئی آدمی مسلمان ہوجاتا تھا وہ خود جاکر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کرتا تھا، امرا اور فرمانرواؤں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے گئے، ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،

ان مساعی کے ساتھ ساتھ ایسے قدرتی اسباب بھی پیدا ہوتے گئے جو تبلیغ اسلام کا ذریعہ بن گئے، اگرچہ سارا عرب کفر و بت پرستی میں مبتلا تھا، لیکن بعثتِ نبوی کے قبل ہی سے ان میں کچھ خدا پرست یا کم از کم متلاشیِ حق موجود تھے، ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ انہی متلاشیانِ حق میں تھے،[1] اس جماعت میں سے جنہوں نے اسلام کا زمانہ پایا وہ خود اس دولت سے سرفراز ہوئے اور اپنے ساتھ اپنی زیر اثر جماعت کو بھی اس سے نوازا، مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ خود مسلمان ہوئے اور اپنے قبیلہ کو مسلمان بنایا،[2] پھر قبیلۂ غفار کے اثر سے اس کا ہم جوار قبیلہ غفار مسلمان ہوا،[3]

حضرت سلمان فارسیؓ بھی ان لوگوں میں تھے جو سالہا سال سے دینِ حق کی تلاش میں سرگرداں

---

[1] طبقات کی کتابوں میں ان بزرگوں کے حالات میں اس کی تفصیل ہے۔ [2] بخاری ذکر اسلم و غفار، [3] مسلم باب اسلام ابی ذر،

تھے، اور اس سلسلہ میں انھوں نے پہلے عیسوی مذہب اختیار کیا، اس کے بعد اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے، ان کے علاوہ متعدد متلاشیانِ حق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے،

بعض حالات میں خود قریش کی مخالفت تبلیغ اسلام کا سبب بن جاتی تھی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی یعنی بے دین اور مجنون مشہور کرتے تھے، اور لوگوں کو آپ کے پاس جانے سے روکتے تھے، اس سے ان میں قدرۃً آپ سے ملنے کا شوق پیدا ہوتا تھا، اور وہ آپ سے ملنے کے بعد مسحور ہو جاتے تھے،

قبیلہ ازدشنوءہ کے رئیس ضماد بن ثعلبہ زمانۂ جاہلیت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے، ایک مرتبہ وہ مکہ آئے، تو سنا محمد کو جنون ہو گیا ہے، انھیں جھاڑ پھونک میں دخل تھا، اس لئے ازراہِ محبت وہمدردی آپ کے علاج کے لئے پہنچے، آپ نے ان کو کلام اللہ کی چند آیتیں سنائیں، ان کے سحر آفریں اثر سے وہ مسلمان ہو گئے، پھر ان کی دعوت پر ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا،[1]

طفیل بن عمرو دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا، قبائل پر شعراء کا بڑا اثر تھا، اس لئے قریش نے عمرو کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے سے روکنے کی بڑی کوشش کی، لیکن ایک مرتبہ اتفاقیہ اس نے آپ کو قرآن پڑھتے سن لیا اور اس کے اثر سے مسلمان ہو گیا، اس کے قبیلہ پر اس کے اسلام کا اثر پڑا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا،[2]

بعض لوگ آپ کے دعوئ نبوت کے حالات سن کر آپ سے ملنے کے شوق میں آتے تھے اور نبوت کی پُر تاثیر باتیں سن کر مسلمان ہو جاتے تھے، چنانچہ عمرو بن عبسہ آپ کے دعوئ نبوت کے حالات سن کر مکہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر نبوت اور اسلام کے متعلق چند سوالات کرکے آپ کی پیروی پر آمادہ ہو گئے، لیکن اس وقت آپ کفار کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے، اس لئے واپس کر دیا کہ اس حالت کے بدلنے کے بعد آنا، چنانچہ اس وقت وہ واپس چلے گئے، اور ہجرت کے بعد دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے[3]

لہ مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ ۲ہ متفق و مسلم کتاب الایمان و بخاری باب قصۂ دوس ۳ہ صحیح مسلم باب الاوقات التی نہی عن الصلوٰۃ فیہا

غرض اسی طرح اسلام آہستہ آہستہ پھیلتا رہا، ۵ھ کے بعد جب غزوۂ احزاب میں مسلمانوں نے قریش، کنانہ، غطفان، اور اسد کے متحدہ قبائل کو شکست دی، اور قریش کا اثر کسی قدر کم ہوا، اس وقت ان قبائل نے جو اسلام کی طرف مائل تھے، لیکن قریش کے خوف سے اس کے اظہار کی ہمت نہ پڑتی تھی، وفود بھیجنے شروع کئے، چنانچہ قبیلۂ مزینہ چار سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ آکر مشرف باسلام ہوا، اسی زمانہ میں قبیلۂ اشجع کے سو آدمی مدینہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم لڑنا نہیں چاہتے بلکہ چاہتے ہیں کہ ہمارے آپ کے درمیان معاہدہ ہو جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا، پھر صلح کے بعد یہ لوگ خود بخود مسلمان ہو گئے،[۱]

قبیلۂ جہینہ ان ہی قبائل کے آس پاس آباد تھا، وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر مسلمان ہو گیا، اور اکثر غزوات میں مسلمانوں کا شریک حال رہا،[۲،۳]

لیکن صلح حدیبیہ تک اشاعت اسلام کی رفتار سست رہی، صلح حدیبیہ کے بعد جب مسلمانوں اور غیر مسلموں کو آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا، اس وقت مسلمانوں کے اخلاق عمل اور اسلام کے زندہ پیکر کو دیکھ کر اور ان سے اسلام کو سمجھ کر کثرت کفار مسلمان ہوئے، طبری کا بیان ہے کہ:

"کوئی سمجھدار آدمی ایسا نہ تھا، جس نے اسلام پر گفتگو کے بعد اس کو قبول نہ کر لیا ہو، جتنے لوگ شروع سے اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے، صرف دو برسوں کے اندر ان کے برابر یا ان سے زیادہ تعداد میں مسلمان ہوئے"[۴]

پھر بھی فتح مکہ تک یہ رفتار مقابلۃً سست رہی، لیکن فتح مکہ کے بعد ہر طرف سے لوگ قبول اسلام کی جانب پیشقدمی کرنے لگے، اس کا سبب یہ تھا کہ تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش سارے عرب کے مقتدا اور پیشوا تھے، اور سب کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں، فتح مکہ کے بعد جب کعبہ مسلمانوں

[۱] طبقات ابن سعد جزو اول قسم ۲ ص ۴۰ [۲] ایضاً ص ۳۸ [۳] اصابہ تذکرہ بشر بن عرفطہ ج اول ص ۵۳ [۴] طبری ص ۱۵۸۸

کے قبضہ میں آگیا اور قریش کی قوت ختم ہوگئی، اس وقت قبائل اسلام کی طرف ٹوٹ پڑے،

بخاری کی روایت ہے کہ عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ محمد کو ان کی قوم (قریش) پر چھوڑ دو، اگر محمد ان پر غالب آگئے تو بے شبہہ وہ سچے پیغمبر ہیں، بس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیشدستی کی[1]،

فتح مکہ کے بعد ایک طرف قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی، دوسری طرف قریش کی قوت ختم ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ تبلیغ اسلام کا موقع ملا، اور آپ نے ہر طرف دعاۃ اور مبلغین روانہ فرمائے، ان میں سے بعض مبلغین اور مقامات کے نام یہ ہیں،

حضرت علیؓ	قبیلہ ہمدان، جذیمہ اور مذحج،
حضرت خالدؓ بن ولید،	اطراف مکہ،
حضرت مغیرہؓ بن شعبہ،	بحرین،
حضرت عمروؓ بن العاص،	عمان،
حضرت وبرؓ بن یحنس،	ابنائے فارس،
حضرت مہاجرؓ بن ابی امیہ	حارث بن عبد کلال شہزادہ یمن،

عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز و سیر حاصل اور تمدن و تہذیب کا نہایت قدیم مرکز تھا، حمیر اور سبا کی عظیم الشان حکومتیں یہیں تھیں، ہجرت سے پہلے یہاں اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی، اور قبیلۂ دوس میں اسلام پھیل چکا تھا، لیکن یہاں کا سب سے ممتاز اور بڑا قبیلہ ہمدان تھا، ۸ھ کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ بن ولید کو ہمدان میں دعوت اسلام کے لئے یمن بھیجا، یہ چھ مہینے تک دعوت دیتے رہے، لیکن کامیاب نہ ہوئے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] بخاری باب فتح مکہ،

نے انھیں واپس بلا لیا، اور حضرت علیؓ کو ان کی جگہ بھیجا، آپ کی کوششوں سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا،[1]

یمن ہی میں ایک دوسرا ممتاز قبیلہ مذحج تھا ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں تبلیغ اسلام کی خدمت بھی حضرت علیؓ کے سپرد کی، انھوں نے جاکر اسلام کی دعوت دی، لیکن اس کا جواب تیر اور پتھروں سے ملا، حضرت علیؓ نے بھی مدافعت کی، اس مدافعت میں بیس مذحجی کام آئے، باقی بھاگ نکلے اس کے بعد خود رؤسائے قبائل نے حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور دوسروں کی طرف سے اسلام کا اعلان کیا،[2]

حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی دعوت اسلام کے لئے یمن کے اضلاع میں بھیجے گئے،[3]

نجران میں ایک قبیلہ حارث بن زیاد تھا ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو نجران بھیجا، ان کی کوششوں سے سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا،[4]

بحرین، ایران کے حدود حکومت میں داخل تھا، یہاں عرب قبائل بھی آباد تھے، ان میں عبد القیس، بکر بن وائل اور تمیم مشہور خاندان تھے، عبد القیس کے قبیلہ کے ایک شخص منقذ بن حبان ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں مدینہ آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر مسلمان ہو گئے، آپ نے ان کو ایک فرمان عطا کیا، وطن واپس جانے کے بعد منقذ نے اسلام کو مخفی رکھا، لیکن ان کی بیوی نے ایک دن ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا، اور اپنے باپ منذر سے شکایت کی، انھوں نے منقذ سے دریافت کیا، اور خود مسلمان ہو گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لوگوں کو پڑھ کر سنایا، اسے سن کر پورے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا،[5]

۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء حضرمی کو بحرین بھیجا، اس زمانہ میں یہاں حکومت ایران کی جانب سے منذر بن ساوی گورنر تھا، اس نے اسلام قبول کیا، اور اس کے ساتھ تمام عرب اور

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۱۲۳ [2] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۱۲۲ [3] بخاری کتاب المغازی [4] زرقانی ج ۳ ص ۹۰ [5] ایضاً۔

کچھ عجم جو یہان مقیم تھے مسلمان ہو گئے،[1] بحرین کے علاقہ ہجر کا حاکم سیبخت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اسلام لایا،[2]

عمان مین قبیلۂ ازد تھا، عبید اور جعفر یہان کے حاکم تھے ۸ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو زید انصاری اور عمرو بن العاص کو دعوتِ اسلام کا خط دے کر عمان بھیجا، اس دعوت پر دونون سردارون نے اسلام قبول کر لیا، اور ان کی ترغیب سے یہان کے تمام عرب مشرف باسلام ہوئے،[3]

ان مقامات کے علاوہ عرب کے مختلف حصون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبلغین روانہ فرمائے جنھون نے عرب کے گوشہ گوشہ مین اسلام کی روشنی پھیلائی، لیکن ان سب کا استقصا مقصود نہین ہے مبلغین کے علاوہ بعض آدمیون نے دور دراز مقامات سے آکر خود اسلام قبول کیا، اور واپس جاکر اپنے قبیلہ مین اسلام کی اشاعت کی، ان مین سے بعضون کے واقعات اوپر گذر چکے ہین، ان مین طفیل بن عمرو دوسی، عروہ بن مسعود ثقفی، عامر بن شہر ہمدانی، ضمام بن ثعلبہ سعدی، منقذ بن حبان اور ثمامہ بن آثال کے نام لائق ذکر ہین،

عرب کے جو مقامات اسلام کے زیر اثر آتے تھے، وہان زکوٰۃ، عشر اور جزیہ وصول کرنے کے لئے جو عمال بھیجے جاتے تھے، وہ تحصیلِ مال کے ساتھ تبلیغ وارشاد کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، ان مین سے بعضون کے نام یہ ہین:-

مہاجر بن ابی امیہ	عامل صنعاء یمن	علاء حضرمی	عامل بحرین
زیاد بن لبید	عامل حضر موت	حضرت ابو موسیٰ اشعری	عامل زبید وعدن
خالد بن سعید	عامل صنعاء یمن	حضرت معاذ بن جبل	عامل جند
عدی بن حاتم	قبیلہ طے ودان کا عامل بھی یہی تھا	جریر بن عبد اللہ بجلی	ذو الکلاع حمیری

[1] زرقانی ج ۳ ص ۳۱۶ [2] فتوح البلدان بلاذری ذکر بحرین [3] ایضاً ذکر عمان،

وفود | یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اسلام کا تبلیغی نظام تھا، اس کے علاوہ فتح مکہ کے بعد جب قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی تو بہت سے قبائل کے وفود نے مدینہ آکر اسلام قبول کیا، یا اپنے اپنے مقامات پر قبول کر چکے تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہو کر اس کی تصدیق لی، بعض صرف سیاسی معاہدہ کے لئے آتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کے بعد مسلمان ہو جاتے تھے، یا محض معاہدہ کرکے واپس چلے جاتے تھے، اس قسم کے وفود کی تعداد باختلاف روایت پندرہ سے لے کر سو سے اوپر تک ہے، یہ وفود مختلف اوقات مین آتے رہے، لیکن زیادہ تعداد بلکہ دو چار کے سوا باقی کل فتح مکہ کے بعد آئے، ان مین بعض کے نام یہ ہین:-

مزینہ، اسد، تمیم، عبس، فزارہ، مرہ، ثعلبہ، محارب، سعد بن بکر، کلاب، عقیل بن کعب، بنی البکاء، کنانہ، اشجع، باہلہ، سلیم، ہلال بن عامر، عامر بن صعصعہ، ثقیف، ربیعہ، عبد قیس، بکر ابن وائل، تغلب، حنیفہ، شیبان، طے، مراد، زبید، کندہ، صدف، سعد، ہذیل، بلی، بہرا، عذرہ، سلامان، جہینہ، کلب، جرم، ازد، غسان، حارث بن کعب، ہمدان، نخع، بجیلہ، خثعم، اشعریین، ازد، دوس، اسلم، جذام، مہرہ اور حمیر وغیرہ،

ان مین سے چند کے سوا اکثر دولت اسلام سے مشرف ہوئے، ابن سعد نے طبقات مین ان کے تفصیلی حالات لکھے ہین[1]،

غرض چند برسون کے اندر اندر سارے عرب مین اسلام پھیل گیا،

دعاۃ اور معلمین کی تعلیم | دنیا کے بیشتر مذاہب مین مذہبی فرائض کی ادائی کے لئے خاندان اور طبقات مخصوص ہین، یہودیون مین اس خدمت کے لئے ایک مخصوص خاندان تھا، اس کے علاوہ دوسرا اسے انجام نہ دے سکتا تھا، عیسائیون مین اگرچہ خاندان کی تخصیص نہ تھی، لیکن ایک طبقہ نے ان خدمات کو

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو ابن سعد ج اول ق ۲ حالات وفود،

اپنے لئے خاص کر لیا تھا، ہندوؤں میں برہمن کے علاوہ دوسرا اس کا مجاز نہیں، دوسری قوموں میں بھی کم و بیش یہی حال ہے،

لیکن اسلام میں ہر مسلمان داعی مذہب، مبلغ، معلم، واعظ اور محتسب ہے، اگر مذہبی تعلیم اور شریعت کے اوامر و نواہی سے واقفیت کے بغیر یہ فرض صحیح طور سے ادا نہیں کیا جا سکتا، اور ہر شخص کو پوری تعلیم و تربیت کا موقع نہیں مل سکتا، اس لئے ضرورت تھی کہ ایسی جماعت تیار کی جائے جو شریعت کے اوامر و نواہی کی واقفیت کے ساتھ شب و روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر اس طرح اسلامی رنگ میں ڈوب جائے کہ اس کی گفتار، کردار، نشست و برخاست، قول و عمل، ہر شے اسلامی تعلیمات کا زندہ نمونہ بن جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہبی تعلیم و تربیت کے دو طریقے رکھے تھے، ایک غیر مستقل، جس میں عرب کے مختلف قبائل کے آدمی مدینہ آکر چند دن قیام کر کے ضروری مسائل سیکھ کر واپس جاتے تھے، اور اپنے قبیلہ کو تعلیم دیتے تھے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ جاتا تھا اور آپ سے مذہبی امور دریافت کر کے دین میں تفقہ حاصل کرتا تھا[1]

اس قسم کے متعلمین کے حالات حدیث و طبقات کی کتابوں میں بکثرت ہیں، انہیں چند دن تعلیم دینے کے بعد آپ ان کے قبیلوں میں واپس بھیج دیتے تھے، چنانچہ مالک بن الحویرث کی جماعت کو بیس دن کی تعلیم کے بعد حکم دیا کہ "اپنے خاندان میں واپس جاؤ اور ان میں رہ کر ان کو اوامر شریعت کی تعلیم دو، اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھو"[2]

دوسرا طریقہ مستقل درس و تعلیم کا تھا، اور اس کے لیے صفہ کی درسگاہ مخصوص تھی، اس میں وہ لوگ تعلیم حاصل کرتے تھے، جو علائق دنیاوی سے کنارہ کش ہو کر اپنے کو دینی تعلیم اور عبادت و ریاضت

---

[1] تفسیر خازن، تفسیر آیہ وما کان المومنون لینفروا کافۃ [2] بخاری باب رحمۃ البہائم،

کے لئے وقف کردیئے تھے، اس درسگاہ میں دو حلقے تھے، ایک درس وتعلیم کا، دوسرا ذکر وفکر اور عبادت وریاضت کا، سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ اقدس سے برآمد ہوئے، تو مسجد میں دو حلقے تھے، ایک حلقہ کے لوگ تلاوت ودعا میں مصروف تھے، اور دوسرے حلقہ کے تعلیم وتعلم میں، آپ نے دونوں کی تحسین فرمائی اور خود یہ ارشاد فرما کر کہ میں صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، درس وتعلیم کے حلقہ میں بیٹھ گئے،[1]

صفہ کی درسگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اکابر صاحب علم صحابہ بھی تعلیم دیتے تھے، حضرت عبادہ بن صامت کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی، ان میں سے ایک شخص نے مجھ کو کمان ہدیہ دی،[2]

ان کا سارا وقت درس وتعلیم میں گذرتا تھا حضرت انس کا بیان ہے کہ اصحاب صفہ میں سے ستر اشخاص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے، اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے،[3] حضرت ابوہریرہؓ جو اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ تھے، بیان ہے کہ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے، اور انصار اپنی کھیتی باڑی کی دیکھ بھال میں، میں محتاج آدمی تھا، میرا سارا وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذرتا تھا، اور جن اوقات میں وہ لوگ موجود نہ ہوتے تھے میں موجود رہتا تھا، اور جن چیزوں کو وہ بھلا دیتے تھے میں محفوظ رکھتا تھا،[4]

اصحاب صفہ کی زندگی نہایت پر مشقت اور پرمحن تھی، کھانے کا کوئی سہارا نہ تھا، پہننے کے لئے صرف ایک کپڑا ہوتا تھا جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں کی طرف چھوڑ دیتے تھے، کہ چادر اور تہمد دونوں کا کام دیتا تھا،[5]

---

[1] سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم [2] ابوداؤد کتاب البیوع باب فی کسب العلم [3] مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۳۷ [4] مسلم فضائل ابی ہریرہؓ [5] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب جماع اثواب ما یصلی فیہ،

فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ ضعف سے نماز میں گر پڑتے، بدو دیکھتے تو کہتے تھے کہ پاگل ہیں[1]،
ان میں سے کچھ لوگ دن کو شیریں پانی بھر لاتے اور جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور ان کو
بیچ کر ان کی آمدنی سے گذر اوقات کرتے تھے[2]۔

اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کو قرا کہا جاتا تھا، یہ لوگ تعلیمی اور تبلیغی ضروریات کے
لئے مختلف مقامات پر بھیجے جاتے تھے، چنانچہ قبیلہ عرنیہ کی درخواست پر ان ہی میں سے ستر قرا
کتاب و سنت کی تعلیم دینے کے لئے بھیجے گئے تھے، جن کو ان لوگوں نے دھوکے سے شہید کر دیا تھا[3]،
عہد نبوی میں ان قرا کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہو گئی تھی، چنانچہ یمامہ کی جنگ میں
جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی آغاز عہد صدیقی میں ہوئی، ستر حفاظ شہید ہوئے[4]،

تعمیر مساجد اسلام کا سب سے بڑا مقصد عبادت اور تسبیح و تقدیس الٰہی تھا، اس لئے مسجد کی تعمیر سب سے
مقدم فرض تھا، عبادت و ریاضت کے علاوہ مسجد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا مرکز بھی تھی، جہاں مسلمان دن میں
پانچ مرتبہ جمع ہوتے تھے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز باجماعت کی سخت تاکید فرمائی ہے،

جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تھا تو اس کے لئے مسجد ضروری ہو جاتی تھی، بڑی بڑی آبادیوں میں
ایک ایک مقام پر کئی کئی مسجدوں کی ضرورت پیش آجاتی تھی، چنانچہ عہد نبوی میں صرف مدینہ میں مسجد
نبوی کے علاوہ نو مسجدیں تھیں جن میں علٰحدہ علٰحدہ نماز ہوتی تھی، ان کے نام یہ ہیں، مسجد بنی عمرو، مسجد بنی ساعدہ،
مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی رائح، مسجد بنی زریق، مسجد بنی غفار، مسجد بنی اسلم، مسجد جہینہ،

ان کے علاوہ مختلف مقامات پر حسب ذیل مساجد کے نام ملتے ہیں :۔

مسجد بنی حذرہ، مسجد بنی امیہ (انصار کا ایک قبیلہ) مسجد بنی بیاضہ، مسجد بنی الحبلی، مسجد بنی عصیہ،
مسجد ابی فیصلی، مسجد بنی دینار، مسجد ابی بن کعب، مسجد النابغہ، مسجد ابن عدی، مسجد بنی حارث بن خزرج

[1] ترمذی ابواب الزہد [2] مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید [3] ایضاً [4] بخاری جلد ۲ ص ۵۷۴،

مسجد بنی حطمہ، مسجد الفضیخ، مسجد بنی حارثہ، مسجد بنی ظفر، مسجد بنی عبد الاشہل، مسجد راتم، مسجد بنی معاویہ، مسجد عائشہ، مسجد بنی قریظہ، مسجد بنی وائل، مسجد الشجرہ،[1]

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت عرب کے گوشہ گوشہ میں خدائے واحد کا گھر تعمیر ہوگیا تھا، جہاں ہر روز پانچ وقت اس کا نام لیا جاتا تھا،

ائمۂ نماز مساجد کی تعمیر کے ساتھ ان کے لئے ائمہ بھی مقرر فرماتے تھے، معمولاً ہر قبیلہ کے بڑے حافظِ قرآن کو یہ منصب عطا ہوتا تھا، اور اس میں آقا و غلام اور چھوٹے بڑے کا فرق نہ تھا، غلام آقاؤں کی امامت کرتے تھے، ہجرت نبوی سے پہلے مدینہ میں جو مہاجرین آچکے تھے حضرت ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ ان کی امامت کرتے تھے،[2] آپ نے امام کے انتخاب کے لئے یہ اصول مقرر فرمایا تھا کہ جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہو، اگر اس وصف میں سب برابر ہوں تو ان میں جو سب سے زیادہ سنت سے واقف ہو، اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو، اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو،[3]

جن جن مقاموں پر مدینہ سے عمال مقرر ہو کر جاتے تھے عموماً وہی وہاں کے امام بھی ہوتے تھے،[4] بعض مقاموں پر عامل اور امام کے فرائض علیحدہ علیحدہ دو شخصوں سے بھی متعلق ہوتے تھے،

سیرت کی کتابوں میں عہد نبوی کے اماموں کی نام بہ نام تفصیل نہیں ملتی، مختلف روایات اور بیانات سے حسب ذیل اماموں کا پتہ چلتا ہے ۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر	مدینہ منورہ	ہجرتِ نبوی سے پہلے مدینہ میں نماز کی امامت کرتے تھے،
حضرت سالمؓ (حضرت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام)	"	ہجرت نبوی سے پہلے مہاجرین مدینہ

[1] عینی شرح بخاری ج ۲ ص ۶۸ و ۶۹[2] [3] مسلم [4] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۱۸،

		کی امامت کرتے تھے،
حضرت ابن ام مکتومؓ	مدینہ	موذن تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ سے باہر تشریف لے جانے کے زمانہ میں امامت کی خدمت بھی انجام دیتے تھے،
حضرت ابوبکرؓ	”	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں امامت کی خدمت انجام دی تھی،
حضرت عتبان بن مالکؓ	بنی سالم	اپنے قبیلہ کے امام تھے،
حضرت معاذ بن جبلؓ	بنی سلمہ	اپنے قبیلہ کے امام تھے،
ایک انصاریؓ	مسجد قبا	”
حضرت عمرو بن سلمہؓ	بنی جرم	”
حضرت اُسید بن حضیرؓ	”	”
حضرت انس بن مالکؓ یا کوئی اور صحابیؓ	بنی نجار	”
حضرت مالک بن حویرثؓ	.	”
حضرت عتاب بن اسید	مکہ	”
حضرت عثمان بن ابی العاصؓ	طائف	”
حضرت ابو زید انصاری	عمان	”
موذنین غالباً اذان کی خدمت کے لئے کوئی خاص شخص نہیں ہوتا تھا، تاہم چند بزرگ اس خدمت کے لئے مخصوص تھے،		
حضرت بلالؓ	مدینہ منورہ	مسجد نبویؐ

حضرت ابن ام مکتومؓ	مدینہ منورہ	مسجد نبویؐ
حضرت سعد القرظؓ	حوالی مدینہ	مسجد قبا
حضرت ابو محذور جمحیؓ[۱]	مکہ	مسجد حرام

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے سفر کرنے سے پیشتر خدائے واحد کی عبادت کے جملہ انتظامات مکمل فرمائے

تاسیسِ حکومتِ الٰہی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا حقیقی مقصد دعوتِ توحید، اصلاحِ اخلاق اور تزکیۂ نفوس تھا، اس کے علاوہ دوسرے کام ضمنی تھے، اور صرف اس حد تک جس حد تک مذکورۂ بالا مقاصد کے حصول میں معاون اور قیامِ امن کے لئے ضروری تھے، اسلام دنیا میں شاہنشاہی قائم کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اسے مٹانے اور اس کے خرابہ پر خلافتِ الٰہی قائم کرنے کے لئے آیا تھا، اور اپنے ساتھ ایک دائمی شریعت اور ایک مکمل قانون لایا تھا جو انسانوں کی دنیوی اور اُخروی فلاح کا ضامن تھا، اس قانون کے تحفظ، نفاذ اور قیامِ امن کے لئے ایک نظام کی ضرورت تھی، اس لئے اسلام کی تبلیغ واشاعت کے ساتھ ساتھ خلافتِ الٰہیہ کی بھی تشکیل ہوتی گئی، یہ کوئی شاہنشاہی نظام نہ تھا، بلکہ اسلام کی محدود ضروریات کے مطابق ایک سادہ اور مختصر نظامِ حکومت تھا، وقتاً فوقتاً جو ضروریات پیش آتی جاتی تھیں، ان کے مطابق نظام بنتا جاتا تھا،

اگرچہ ذاتِ اقدس جملہ مذہبی وانتظامی امور کا مرجع تھی، لیکن تنہا ایک ذات عظیم الشان مذہبی ذمہ داریوں کے ساتھ انتظامی امور کی متکفل نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے آپ نے مختلف شعبے قائم کرکے انھیں اکابر صحابۂ کرام کے متعلق فرما دیا تھا، وہ سادہ نظامِ حکومت یہ تھا،

---

[۱] ان کے نام حدیث کی تمام کتابوں میں ہیں،

فوج اور امیر العسکری چونکہ اسلام جنگ و جدل کے لئے نہین آیا تھا، اس لئے اس کی کوئی باقاعدہ اور منظم فوج بھی نہ تھی، مگر حق و باطل کی معرکہ آرائی کے وقت ہر مسلمان مجاہد تھا، اور حضرت ابوبکرؓ سے لے کر ایک معمولی غلام تک میدانِ جہاد مین سربکف نظر آتا تھا، بڑے بڑے معرکون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس قیادت فرماتے تھے، بدر، احد، خیبر اور فتح مکہ وغیرہ مین آپ ہی امیر العسکر تھے کہ ان معرکون کا مقصد خونریزی اور فتح نہ تھا، بلکہ فوج کی اخلاقی و روحانی نگرانی اور اصول و آئینِ جنگ کی تاسیس بھی تھا، مجاہدینِ اسلام کی جن جزئی بے اعتدالیون پر آپ نے گرفت فرمائی اس کی تصریح غزوات کے حالات مین موجود ہے، لیکن چھوٹے چھوٹے سرایا مین کبار صحابہ امیر العسکر ہوتے تھے، جن کے حالات اوپر گذر چکے ہین،

افتا افتا کے فرائض آپ خود انجام دیتے تھے، لیکن بعض صاحبِ علم صحابہ بھی اس خدمت کو بجالاتے تھے

مقدمات کا فیصلہ مدینہ اور حوالی مدینہ کے قضیئے آپ خود فیصل فرماتے تھے، لیکن دور دراز مقامات پر وہ صاحب علم صحابہ جو معلم بنا کر بھیجے جاتے تھے اس خدمت کو انجام دیتے تھے، حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو آپ نے یمن کا قاضی مقرر فرمایا تھا، بعضون کے نام آیندہ آئین گے،

کتابت آپ دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجتے تھے، قبائل و اقوام سے تحریری معاہدے ہوتے تھے مسلمان قبائل اور عمال و محصلین کو احکام و ہدایات بھیجتے تھے، اس لئے کتابت کا شعبہ نہایت ضروری تھا، اس کا کوئی باضابطہ محکمہ نہ تھا، لیکن بہت سے صحابہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے، حضرت زید بن ثابتؓ انصاری اور آخر مین امیر معاویہؓ کاتبِ وحی تھے،

ان کے علاوہ مراسلات کی تحریری خدمت اور بہت سے صحابہ کرامؓ انجام دیتے تھے،

احتساب یعنی قوم کے اخلاق و عادات، بیع و شراء اور معاملات داد و ستد کی نگرانی کا باقاعدہ محکمہ عہدِ نبویؐ مین نہ تھا، لیکن اس کی بنیاد اسی زمانہ مین پڑ گئی تھی، آپ بنفس نفیس ان امور کی نگرانی

فرماتے تھے، لوگون کو جزئیاتِ اخلاق کی تعلیم دیتے تھے، اور اس قسم کی فروگذاشتون پر مواخذہ فرماتے تھے، تجارت مین آپ نے بہت سی اصلاحات جاری کین اور ان پر سختی کے ساتھ عمل کرایا، جو لوگ تخمینہ سے غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھرون مین منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ دین،[1]

کبھی کبھی تحقیقات کے لئے خود بازار تشریف لے جاتے تھے، ایک بار آپ بازار سے گذرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا، اس کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا تو نمی محسوس ہوئی، دوکان دار سے پوچھا، اس نے جواب دیا، بارش سے بھیگ گیا ہے، فرمایا تو اس کو اوپر کیون نہین کر لیا کہ ہر شخص کو نظر آتا، جو لوگ فریب دیتے ہین وہ ہم مین سے نہین ہین،[2]

عمال کا جائزہ فرائضِ احتساب مین سب سے مقدم فرض عمال کا احتساب ہے، چنانچہ جب عمال زکوٰۃ اور صدقہ وصول کرکے لاتے تھے تو آپ جائزہ لیتے تھے کہ انھون نے کوئی ناجائز طریقہ تو نہین اختیار کیا ہے، ایک مرتبہ ایک صحابی ابن اللتبیہؓ کا جو صدقہ وصول کرکے لائے تھے جائزہ لیا، انھون نے کہا یہ مال مسلمانون کا ہے، اور یہ مجھکو ہدیۃً ملا ہے، آپ نے فرمایا، گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیون نہ ملا، اس کے بعد ایک عام خطبہ دیا جس مین اس کی سخت ممانعت فرمائی،[3]

حکام اور وُلاۃ مقدمات کے فیصلہ، اقامتِ عدل اور قیامِ امن کے لئے مختلف مقامات پر حکام و وُلاۃ مقرر فرمائے، ان حکام اور ان کے مقامون کے نام یہ ہین،

حضرت باذان بن ساسان	بہرام گور کے خاندان سے تھے، سلاطین عجم مین سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے، آنحضرتؐ نے ان کو یمن کا والی مقرر فرمایا
حضرت شہر بن باذانؓ	باذان بن ساسان کے بعد صنعا کے والی مقرر ہوئے،

[1] بخاری کتاب البیوع [2] صحیح مسلم کتاب الایمان ج اول ص ۴۳ [3] بخاری کتاب الاحکام ج ۲ ص ۱۰۶۸،

حضرت خالد بن سعیدؓ بن العاص	شہر بن باذان مارے گئے تو ان کی جگہ والی مقرر ہوئے،
حضرت مہاجر بنؓ ابی امیہ مخزومی،	آپ نے ان کو کندہ اور صدف کا والی مقرر فرمایا تھا لیکن وُہ ابھی روانہ نہ ہوئے تھے کہ آپ کا انتقال ہوگیا،
حضرت زیادہ بنؓ لبید الانصاری	والیٔ حضر موت،
حضرت معاذ بنؓ جبل	والیٔ جند،
حضرت عمرو بنؓ حزم	والی نجران،
حضرت یزید بنؓ ابی سفیان،	والیٔ تیما،
حضرت عتاب بنؓ اسید،	والیٔ مکہ
حضرت علیؓ ابن ابی طالب،	متولی اخماسِ یمن،
حضرت عمرو بنؓ العاص،	والیٔ عمان،
حضرت علا بنؓ حضرمی،	والیٔ بحرین،

محصلین اگرچہ مسلمانوں کا جوش ایمان ہر قبیلہ کو اپنے صدقات وزکوٰۃ خود لاکر پیش کرنے پر آمادہ کرتا تھا، لیکن ایک وسیع ملک کے محاصل کی تحصیل کے لئے ایک باقاعدہ نظام کی ضرورت تھی، اس ضرورت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قبیلہ میں صدقہ اور زکوٰۃ کے محصل مقرر فرمائے، عموماً ہر قبیلہ کے سردار کو یہ منصب سپرد ہوتا تھا، ان کے نام یہ ہیں ۔

نام محصل	مقام	نام محصل	مقام
حضرت عدی بنؓ حاتم	طے و بنی اسد	ابو جہم بنؓ حذیفہ،	بنو لیث
حضرت صفوان بنؓ صفوان	بنی عمرو	ایک ہذیمیؓ	بنی ہذیم
حضرت مالک بنؓ نویرہ	بنو حنظلہ	حضرت عمر فاروقؓ	مدینہ

نام محصل	مقام	نام محصل	مقام
حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی	غفار و اسلم	عبیدہ بن جراح	نجران
حضرت عباد بن بشر الاشہلی	سلیم و مزینہ	عبداللہ بن رواحہ	شہر خیبر
حضرت رافع بن مکیث جہنی	جہنیہ	زیاد بن لبید	حضرموت
حضرت زبرقان بن بدر	بنو سعد	ابوموسیٰ اشعری	صوبہ یمن
حضرت قیس بن عاصم	"	خالد بن ولید	"
حضرت عمرو بن العاص	بنو فزارہ	ابان بن سعید	بحرین
حضرت ضحاک بن سفیان کلابی،	بنو کلاب	عمرو بن سعید بن العاص	تیمار
حضرت بسر بن سفیان الکعبی	بنو کعب	محمیہ بن جزر	تحصیل خمس
حضرت عبداللہ بن اللتبیہ	بنو ذبیان	عیینہ بن حصن فزاری	بنو تمیم،

یہ محصلین قوانین صدقات و زکوٰۃ کے عالم ہوتے تھے، ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں بتصریح بتا دیا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے، چھانٹ کر عمدہ مال لینے اور حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی، ان عمال کو بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا، اس ضرورت کی تصریح آپ نے خود ان الفاظ میں فرمادی تھی، کہ "جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو بی بی کا خرچ لینا ہے اور اگر نوکر نہ ہو تو نوکر کا، اگر گھر نہ ہو تو مکان کا، اور اگر اس سے زیادہ کوئی لے گا، تو وہ خائن ہے"[1]

محاصل کے اقسام اور ان کے مصارف

عہد نبوی میں محاصل کی پانچ قسمیں تھیں غنیمت، فے، زکوٰۃ، جزیہ اور خراج

غنیمت یعنی جو مال دشمنوں سے فتح کے موقع پر ملتا تھا، یہ کوئی مستقل آمدنی نہ تھی، اس کو قرآن نے خدا کی ملک قرار دیا ہے، اور اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول کے نام

[1] ابو داؤد ج ۲ باب ارزاق العمال،

سے حکومت کے مصالح اور اغراض کے لئے مخصوص کر دیا ہے، یعنی یہ سپاہیوں کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ امام وقت مصالح کی بنا پر جس مصرف میں چاہے اس کو صرف کر سکتا ہے،

لیکن ایک دو موقع کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس نکالنے کے بعد کل مال غنیمت مجاہدین میں برابر تقسیم فرما دیتے تھے، سوار سپاہیوں کو تین حصے ملتے تھے، اور پیدل کو ایک بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سوار کو دو ملتے تھے،[1] خمس کا مال بھی عموماً آپ ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور غریب الدیار مسافرین میں تقسیم فرما دیتے تھے،

زکوٰۃ، صرف مسلمانوں پر فرض تھی، اور چار مدوں سے وصول ہوتی تھی، نقد روپیہ، پھل، پیداوار، مویشی (باستثنائے گھوڑے) اسباب[2] و سامان تجارت[3]،

دو سو درہم چاندی اور بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی، پیداوار کی زکوٰۃ کے لئے پیداوار کا پانچ وسق سے زیادہ ہونا ضروری تھا، مویشیوں کی زکوٰۃ مختلف جنس کی مختلف تعداد کے لحاظ سے ہے، پیداوار میں جو بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے اس میں دسواں حصہ ہے، اور جو آبپاشی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اس میں بیسواں حصہ[4]،

زکوٰۃ کے مصرف کی تعیین خود قرآن نے کر دی ہے، فقراء و مساکین، نو مسلم، وہ غلام جن کو آزاد کرانا ہو، مقروض، مسافر، محصلین زکوٰۃ کی تنخواہیں، اور دوسرے کار خیر، زکوٰۃ جس مقام سے وصول کی جاتی تھی عموماً وہیں کے مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی،

جزیہ، غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت کی ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا، اس کی تعداد متعین نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں ہر مستطیع اور بالغ مرد سے ایک دینار سالانہ وصول کرنے کا حکم دیا تھا، بچے اور عورتیں اس میں داخل نہ تھے،

---

[1] ابو داؤد جلد ۲ ص خیبر [2] ایضاً کتاب الزکوٰۃ باب العروض اذا کانت للتجارۃ [3] ترمذی کتاب الزکوٰۃ [4] بخاری ج اول ص ۲۰۱

خراج، غیر مسلم کاشتکاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جس قدر حصہ باہمی مفاہمت سے طے ہو جائے، خیبر، فدک، وادی القریٰ اور تیماوغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا۔

جزیہ اور خراج کی آمدنی سپاہیوں کی تنخواہ اور جنگی مصارف میں صرف ہوتی تھی، جو کچھ وصول ہو کر آتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت مجاہدین میں تقسیم فرما دیتے، ان سب کے نام درج رجسٹر تھے اہل و عیال والوں کو دو حصے ملتے تھے اور مجرد کو ایک،[1]

شریعت کی تاسیس و تکمیل | تمام مذاہب عالم میں یہ امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ تنہا دعاوی اور عبادات کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ اپنے پیرؤں کے تزکیۂ اخلاق اور ان کی اخروی فوز و فلاح کے ساتھ ان کے جملہ دنیاوی ضروریات کا بھی کفیل ہے، اس لئے وہ اپنے ساتھ ایسا مکمل قانون لایا جو مسلمانوں کی روحانی تربیت کے ساتھ ان کی دنیاوی اور مادی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی اور امت مسلمہ کے لئے دستور حیات بھی ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اسلام میں اصولی ضابطہ موجود ہے، اس قانون کو اسلامی اصطلاح میں شریعت کہتے ہیں، اس قانون کی تاسیس کا آغاز بعثت نبوی سے ہوا، اور اختتام آپ کی وفات پر، یعنی کامل تئیس ۲۳ سال کی مدت میں حسب ضرورت بہ تدریج مکمل ہوتا رہا، اس کی چار شاخیں ہیں، عقائد، عبادات، معاملات اور احکام اخلاق، ان میں سے دو یعنی عقائد و عبادات، خدا اور بندہ کے درمیانی تعلقات اور تزکیۂ روح و اخلاق سے متعلق ہیں، اور دو یعنی معاملات و اخلاق، انسانوں کے باہمی تعلقات سے متعلق ہیں، عقائد میں توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، اور حشر و نشر اور سزا و جزا پر ایمان، عبادات میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر عمل (حلال و حرام کے ضوابط بھی اسی سے متعلق ہیں) معاملات، وراثت، وصیت، وقف، نکاح و طلاق، حدود، تعزیرات، تجارت اور

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب قسم الفئی،

لین دین وغیرہ، یعنی مسلمانون کی دنیاوی معاشرتی زندگی سے متعلق ضوابط و قواعد، اخلاق، انسانون کے ایک دوسرے کے ساتھ اخلاقی فرائض،

کلام اللہ مین ان سب کے متعلق اصولی احکام موجود ہین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول سے ان کے جزئیات کی تشریح فرما کر اور عملاً ان کو برت کر دکھایا، اور اپنی زندگی مین ایک جماعت نمونۂ عمل بنا دی، اسلامی شریعت خود ایک مستقل اور وسیع موضوع ہے، لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہی، یہ مذہب اسلام پر لکھنے والے کا کام ہی،

حجۃ الوداع

جب سارے عرب مین اسلام پھیل چکا، خدا کی بھٹکی ہوئی مخلوق اپنے اصلی مرکز پر آچکی، اسلام کے عقائد، اعمال اور شریعت کے اصول و فروع کی تکمیل ہو چکی، حکومت الٰہی کا قیام عمل مین آچکا اور سارے عالم کی رہنمائی کے لئے ایک جماعت تیار ہو چکی، اس وقت یہ حکم نازل ہوا،

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ	جب خدا کی مدد آچکی، اور تم نے دیکھ لیا کہ
النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ	لوگ خدا کے دین مین فوج در فوج داخل ہو رہے ہین
اَفْوَاجًا، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ	تو خدا کی حمد کی تسبیح پڑھو، اور استغفار
اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا،	کرو، خدا توبہ قبول کرنے والا ہے،

اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منشائے الٰہی معلوم ہو گیا کہ اب آپ اپنا کام ختم کر چکے اور دنیا مین آپ کے رہنے کی ضرورت باقی نہین رہی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۃ العرب کے مسلمانون کے سامنے خصوصاً اور ساری دنیا کے لئے عموماً اسلام، اس کی شریعت اور اخلاق کے تمام اساسی اصولون کا اعلان کرنے کے لئے حج کا اعلان فرمایا، اس خبر کے پھیلتے ہی مسلمانون کا ایک انبوہ

شرف ہمرکابی کے لئے امنڈ آیا، اور ۲۶ ذیقعدہ ۱۰ھ کو آپ مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے، تمام ازواج مطہرات ساتھ تھیں، ذوالحلیفہ پہنچکر احرام باندھا، اس وقت انسانون کے ہجوم کا یہ حال تھا کہ آگے پیچھے، داہنے بائین جہان تک نظر جاتی تھی، انسانون کا دریا متلاطم نظر آتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک فرماتے تو عام مسلمانون کی صدائے بازگشت سے دشت وجبل گونج اٹھتے تھے،

مکہ کے قریب مقام سرف مین قیام فرمایا، دوسرے دن غسل کر کے مکہ مین داخل ہوئے، کعبہ پر نظر پڑی تو فرمایا "اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ شرف وعزت دے، پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فراغت کے بعد مقام ابراہیم مین دوگانہ ادا کیا، پھر کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے:۔

"خدا کے سوا کوئی معبود نہین، اس کا کوئی شریک نہین، اس کے لئے سلطنت، ملک اور حمد ہے، وہ مارتا اور جلاتا ہے، اور تمام چیزون پر قادر ہے، کوئی خدا نہین، مگر وہ اکیلا، خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا، اور اپنے بندہ کی مدد کی، اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی۱"

پھر صفا سے اتر کر کوہ مروہ پر تشریف لے گئے، اور طواف وسعی سے فارغ ہونے کے بعد ان لوگون کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہین تھے، عمرہ تمام کر کے احرام کھولنے کا حکم دیا، پنجشنبہ کے دن (آٹھوین تاریخ) منی مین قیام فرمایا،

خطبۃ الوداع | نوین ذی الحجہ کو نماز فجر کے بعد مسلمانون کے ساتھ عرفات تشریف لے گئے، اور ناقہ پر سوار ہو کر وہ آخری اور مشہور ومعروف خطبہ دیا، جو تاریخ اسلام مین خطبۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے، یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور عطر ہے یہ وہ دن تھا کہ اسلام اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا، اور جاہلیت کے تمام بیہودہ رسوم مٹا دئے گئے، چنانچہ آپ نے اعلان فرمایا:۔

---

۱ ابوداؤد، کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسلم، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم،

"ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں[1]"

مخلوق الٰہی طبقات و مراتب کے امتیاز سے بٹی ہوئی تھی، غلام آقا کی ہمسری نہیں کر سکتے تھے، شرفاء ادنیٰ طبقوں سے بالاتر مخلوق سمجھے جاتے تھے، عامی، علماء کے ساتھ گفتگو کرنے کے مجاز نہ تھے، آپ نے یہ ساری حدیں توڑ کر انسانیت کی ناہموار سطح کو برابر کر دیا،

"لوگو! ہاں بیشک تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر، اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب سے[2]،

اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی جہالت اور آباء و اجداد پر فخر کو مٹا دیا، انسان خدا سے ڈرنے والا مومن ہوتا ہے یا اس کا نافرمان شقی، تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے[3]،

اسلام کے رشتہ نے انسانوں کو باہم بھائی بنا دیا،

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں[4]،

غلاموں کیساتھ برابر کا سلوک کرنا چاہیے،

تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ[5]؛

عرب میں اگر ایک شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا تو قاتل و مقتول کے قبائل میں پشتہا پشت تک انتقام کا سلسلہ جاری ہو جاتا تھا، اور ایک ایک قتل کے بدلہ میں سیکڑوں برس تک خون کی ندیاں بہتی رہتی تھیں، آپ نے اس جاہلی حمیت کو مٹا دیا، اور سب سے پہلے اپنے

[1] ابو داؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، [2] یعقوبی ج ۲ ص ۱۲۳، [3] ابو داؤد کتاب الادب باب التفاخر بالاحساب، [4] مستدرک حاکم ج ۱ ص ۹۳، [5] ابن سعد حصہ سیرت حالات حجۃ الوداع

خاندان کا خون ہدر کیا،

"جاہلیت کے تمام خون (انتقام) باطل کردیئے گئے، اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کے) ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں[1]"

سارے عرب میں نہایت وسیع سودی کاروبار پھیلا ہوا تھا، سرمایہ دار غربا کا خون چوستے تھے، ہر مقروض اپنے قرضخواہ کا غلام تھا، آپ نے اس دام کا، خلق اللہ جس کا صید زبون تھی تار تار الگ کردیا، اور سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباسؓ کا سود باطل کیا،

"جاہلیت کے تمام سود باطل کردیئے گئے، اور سب سے پہلے اپنے خاندان عباس بن مطلب کا سود باطل کرتا ہوں[2]"

عورتوں کا کوئی درجہ نہ تھا، ان کی حیثیت ملک و جائداد سے زیادہ نہ تھی، ان کو حقوق میں مساوات عطا ہوئی،

"عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو[3]، تمھارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے[4]"

عرب میں جان و مال کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہ تھی، جس کو جو چاہتا تھا قتل کردیتا تھا، اور جس کا مال چاہتا تھا، چھین لیتا تھا، ان دونوں کی حرمت قائم کی گئی،

"تمھارا خون اور تمھارا مال تاقیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے[5]"

پھر آپ نے امت کی رہنمائی کے لئے ہدایت ربانی کا مجموعہ امت کے سپرد کیا، اور تاکید فرمائی[6]

"میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں، اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے،"

---

[1] مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابوداؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبیؐ [2] ایضاً حضرت عباسؓ سودی کاروبار کرتے تھے اور بہت سے لوگوں کے ذمہ ان کا سود باقی تھا [3] ایضاً [4] طبری و ابن ہشام [5] بخاری باب حجۃ الوداع [6] مسلم کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبیؐ،

وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ[1]،

اس کے بعد چند اصولی احکام بیان فرمائے،

"خدا نے ہر حق دار کو (از روے وراثت) اس کا حق دے دیا، اب کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے"

"لڑکا اس شخص کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، زناکار کے لئے پتھر ہے، اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے،

جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے، اور جو غلام اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس پر خدا کی لعنت ہے؛

ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ لینا جائز نہیں ہے،
قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے، عطیہ لوٹایا جائے، ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے[2]؛

یہ احکام بیان فرما کر مجمع سے سوال کیا،

"تم سے خدا میری نسبت پوچھے گا تو تم کیا جواب دو گے؟"

صحابہؓ نے عرض کی، ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا، اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور فرمایا:-

"اے خدا تو گواہ رہنا! اے خدا تو گواہ رہنا! اے خدا تو گواہ رہنا[3]"

عین اس وقت جب آپ نبوت کے آخری فرائض ادا فرما رہے تھے، یہ آیت نازل ہوئی[4]،

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ	آج ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا، اور
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ	اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے
الْاِسْلَامَ دِيْنًا،	مذہب اسلام کا انتخاب کیا،

[1] یہ ٹکڑا صحاح کی تقریباً کل کتابوں میں ہے [2] یہ احکام سنن ابن ماجہ باب الوصایا اور ابو داؤد کتاب الوصایا میں مختصراً ہیں اور ابن سعد اور ابن ہشام میں تصریح ہے، کہ عرفہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا [3] مسلم و ابو داؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی [4] بخاری، مسلم اور ابو داؤد کے مختلف ابواب میں بھی تصریح ہے،

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی، پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے، اور کھڑے ہو کر قبلہ رو دیر تک دعا میں مصروف رہے، آفتاب ڈوبتے وقت یہاں سے روانہ ہوئے، مزدلفہ پہنچکر مغرب کی نماز ادا فرمائی، رات بھر آرام کر کے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے مزدلفہ کی طرف کوچ فرمایا، راستہ میں سائلین، حج کے مسائل پوچھتے جاتے تھے آپ جواب دیتے تھے، اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم فرماتے جاتے تھے، جمرہ پہنچکر رمی جمار کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے کی قومیں اسی سے برباد ہوئیں"[1]

اسی دوران میں یہ بھی فرمایا:۔

"حج کے مسائل سیکھ لو میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت آئے"[2]

رمی جمار سے فارغ ہونے کے بعد منیٰ کے میدان میں تشریف لائے، حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی، حضرت اسامہؓ بن زید پیچھے بیٹھے ہوئے چادر سے سایہ کئے ہوئے تھے، آگے پیچھے دائیں بائیں ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا، ۲۳ سالہ فرائض نبوت اور جانکاہ محنت کے ثمرات و نتائج نگاہوں کے سامنے تھے، زمین سے آسمان تک قبول و اعتراف حق کا نور برس رہا تھا، اب ایک نئی شریعت، نئے نظام اور نئے عالم کا آغاز ہو رہا تھا، اس لئے ارشاد فرمایا:۔

"ابتدا میں خدا نے جب آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا، زمانہ پھر پھرا کر پھر اسی نقطہ پر آ گیا"

ابراہیم خلیل اللہ کے طریقہ عبادت حج میں عربوں نے اپنے اغراض کی بنا پر بہت سی ترمیمیں کر دی تھیں، حج کے مہینوں میں خونریزی حرام ہے، اس لئے جنگجو عرب اس حکم کے جواز کے لئے مہینوں کو گھٹا بڑھا دیتے تھے، لیکن اب پھر حج اپنی اصلی شکل و صورت میں آ رہا تھا، اس لئے آپ نے اعلان فرمایا،

[1] سنن نسائی کتاب المناسک باب التقاط الحصی [2] مسلم کتاب الحج باب استحباب رمی جمرۃ العقبہ یوم النحر راکباً،

"سال کے بارہ مہینے ہیں، جن میں چار مہینے قابلِ احترام ہیں، تین متواتر ذوقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے"

دنیا میں عدل و انصاف اور امن و امان کا مدار تین چیزوں پر ہے، جان، مال اور آبرو کی حفاظت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن پہلے کے خطبہ میں اس کی حرمت کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے، لیکن جنگجو اور خون آشام عربوں کو ذہن نشین کرانے کے لئے زیادہ تاکید کی ضرورت تھی، اس لئے دوبارہ آپ نے نہایت بلیغ انداز میں اس کا اعادہ فرمایا، اور ان سے مخاطب ہو کر پوچھا،

"کچھ معلوم ہے آج کونسا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا، خدا اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا "کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا، ہاں بیشک ہے، پھر ارشاد ہوا، یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا، آپ نے پھر کچھ دیر سکوت کے بعد فرمایا، کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں بیشک ہے، پھر پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے بدستور جواب دیا، آپ نے پھر سکوت کے بعد فرمایا، کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے"؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں بیشک ہے،

اس طریقہ استفسار سے جب لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پوری طرح جاگزین ہو گیا کہ آج کا دن، مہینہ اور شہر سب محترم ہے، یعنی اس دن، اس مقام پر جنگ و خونریزی جائز نہیں تو فرمایا:-

"تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تاقیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن، اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے"[1]

قوموں کے لئے سب سے زیادہ تباہ کن ان کی باہمی خانہ جنگی ہے، اس لئے مسلمانوں کی متحدہ قومیت کے دوام و ثبات کے لئے فرمایا،

---

[1] فتح الباری ج ۳ ص ۴۵۹،

"ہان میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا، کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا، اور وہ تم سے تمھارے اعمال کی بازپرس کرے گا"[1]

یہ ظلم عالمگیر تھا، کہ اگر کسی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو سارا خاندان مجرم سمجھا جاتا تھا، اور اصلی مجرم کے فرار ہوجانے کی صورت مین باپ کے عوض مین بیٹے اور بیٹے کے بدلہ مین باپ سے مواخذہ کیا جاتا تھا، اس ظلم کی ان الفاظ مین بیخکنی فرمائی گئی۔

"ہان مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، ہان باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہین، اور بیٹے کے جرم کا باپ ذمہ دار نہین"[1]

قبل از اسلام عرب کی پراگندگی اور بدنظمی کا ایک بڑا سبب ان کی خودسری تھی کہ ان کا ہر فرد اپنی جگہ اپنے کو حکمران سمجھتا تھا، اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمان برداری عار شمار کرتا تھا، چنانچہ مسلمانون کی شیرازہ بندی کے لئے انھین انقیاد و طاعت کی تعلیم دی،

"اگر کٹی ہوئی ناک کا کوئی حبشی بھی تمھارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لیچلے تو اس کی اطاعت اور فرمان برداری کرو"[2]

اس وقت سارا عرب اسلام کے نور سے منور ہوچکا تھا، کفر و شرک کا نام و نشان باقی نہ رہ گیا تھا، تمام مخالف قوتین پامال ہوچکی تھین، اس کا اعلان ان الفاظ مین فرمایا۔

"ہان شیطان اس بات سے مایوس ہوچکا ہے کہ اب تمھارے اس شہر مین اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی، البتہ چھوٹی چھوٹی باتون مین اس کی پیروی کروگے، اور وہ اس پر خوش ہوگا"[3]

---

[1] فتح الباری ج ۸ ص ۵۹ و ۲[1] ابن ماجہ باب الخطبۃ یوم النحر [2] مسلم ج ۲ کتاب الامارہ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمہا فی المعصیۃ [3] ابن ماجہ باب الخطبۃ یوم النحر،

خطبہ کے آخر مین ایک مرتبہ پھر اسلام کے فرائض یاد دلائے،

"اپنے پروردگار کو پوجو، پانچون وقت کی نماز پڑھو، مہینہ بھر کے روزے رکھو اور میرے احکام کی اطاعت کرو، خدا کی جنت مین داخل ہو جاؤ گے"[1]

خطبہ تمام کرنے کے بعد مجمع سے مخاطب ہو کر پوچھا،

"الا هل بلغت" کیون! میں نے پیغام خداوندی سنا دیا؟

سب نے جواب دیا "ہان"، فرمایا

اللهم اشهد اے خدا تو گواہ رہنا

پھر لوگوں سے فرمایا:-

فلیبلغ الشاهد الغائب جو لوگ اسوقت موجود ہیں وہ انکو پہنچا دیں جو موجود نہیں

خطبہ کے اختتام کے بعد آپ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا[2]

اس خطبہ کے بعد بقیہ مناسک حج ادا فرمائے، ۱۳ ذی الحجہ تک منی ہی مین قیام رہا، ۱۴ ذی الحجہ کو یہان سے نکل کر وادی محصب مین قیام فرمایا، پچھلے پہر کو اٹھکر خانہ کعبہ تشریف لے گئے، اور آخری طواف کر کے وہین فجر کی نماز ادا کی نماز کے بعد مدینہ کی طرف کوچ فرمایا، راستہ مین مقام خم غدیر مین صحابہ کے سامنے ایک مختصر خطبہ دیا،

"حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! مین بھی بشر ہون، ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے دعوت قبول کرنا پڑے مین تمہارے درمیان دو بھاری چیزین چھوڑتا ہون، ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو، اور دوسری چیز میرے اہلبیت ہین مین اپنے اہلبیت کے بارہ مین تم کو خدا کو یاد دلاتا ہون"[3]

---

[1] مستدرک حاکم ج اول کتاب المناسک باب خطبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع [2] صحیح مسلم ج اول کتاب الحج باب حجۃ النبی صلعم [3] مسلم ج ۲ کتاب الفضائل باب فضائل علیؓ،

وفات

جزیرۃ العرب سے کفر وشرک کے استیصال، اسلام کی اشاعت، شریعت ومکارم اخلاق کی تعلیم، حجۃ الوداع مین تکمیل دین کے آخری فرائض سے سبکدوشی اور الیوم اکملت لکم دینکم کی تصدیق کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد پورا ہوچکا تھا، اس کے بعد روح قدسی کو عالم جسمانی مین رہنے کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی، اس لئے حجۃ الوداع ہی مین آپ نے مسلمانون کو الوداع کہا، اور مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد عالم آب وگل چھوڑنے اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کی تیاریون مین مشغول ہوگئے، زیادہ وقت تسبیح وتہلیل مین بسر ہونے لگا، شہداء مین شہدائے احد نے بڑی بیکسی سے جان دی تھی، اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر بڑا اثر تھا، اس لئے مدینہ سے واپسی کے بعد ان سے رخصت ہونے کے لئے ان کی قبرون پر تشریف لے گئے، اور ان سے اس طرح رخصت ہوئے جس طرح ایک مرنے والا اپنے اعزہ کو الوداع کہتا ہے اس کے بعد ایک مختصر خطبہ دیا جس مین فرمایا۔

"مین تم سے پہلے حوض پر جارہا ہون، اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک، مجھکو تمام دنیا کے خزانون کی کنجی دی گئی ہے، مجھ کو اس کا خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک مین مبتلا ہوگے، البتہ اس سے ڈرتا ہون کہ دنیا مین نہ مبتلا ہوجاؤ، اور اس کے لئے آپس مین کشت وخون نہ کرو، اور اس طرح ہلاک ہوجاؤ جس طرح تم سے پہلے کی قومین ہلاک ہوئین،"

اوپر غزوات مین گذر چکا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ کو رومیون نے شہید کردیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز علالت سے ایک دن پہلے ان کے لڑکے اسامہ کو حکم دیا کہ وہ فوج لے کر جلد اس

۱؎ بخاری کتاب الجنائز۔ ۲؎ مسلم کتاب الفضائل باب اثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ۔

اور اپنے والد کے خون کا انتقام لیں،

۱۸ یا ۱۹ ربیع صفر سنہ ۱۱ھ کو آپ مسلمانوں کے گورِ غریبان جنۃ البقیع تشریف لے گئے، وہاں سے واپس ہوئے تو مزاج ناساز ہو گیا، بیماری کی حالت میں بھی آپ ازراہِ عدل باری باری سے ازواجِ مطہراتؓ کے گھروں پر بسر فرماتے تھے، جب مرض زیادہ بڑھا تو ان سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے یہاں مستقل قیام فرمایا،

جب تک چلنے کی طاقت رہی، نماز مسجد میں ادا فرماتے رہے، آخری نماز مغرب کی پڑھائی، بعض روایتوں میں ہے کہ ظہر کی، عشار کی نماز کے لئے کئی مرتبہ مسجد کا قصد کیا، مگر مرض کی شدت و نقاہت سے ہر مرتبہ غش آگیا، اس لئے حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ وہ رقیق القلب ہیں، آپ کی جگہ ان سے نہ کھڑا ہوا جائے گا، لیکن آپ نے دوبارہ حکم دیا، اس کے بعد کئی دن تک حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھاتے رہے،[1]

واقعۂ قرطاس | وفات سے چار دن پہلے جمعرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ، میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے، حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض کی شدت ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے، جو ہمارے لئے کافی ہے، اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا، بعض کہتے تھے تعمیلِ ارشاد کی جائے بعض حضرت عمرؓ کی تائید میں تھے، اس اختلاف پر جب شور و غل بڑھا تو لوگوں نے کہا آپ مرض کی شدت میں یہ باتیں کر رہے ہیں، آپ سے پھر پوچھ لو، دوبارہ جب لوگوں نے استفسار کیا تو آپ نے فرمایا مجھے میری حالت پر چھوڑ دو، میں جس مقام میں ہوں، وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو،[2]

---

[1] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اہل العلم احق بالامامۃ۔ [2] ابن سعد وفات نبوی میں قرطاس کی روایت خفیف تغیر کے ساتھ ہے (بقیہ صفحہ ۱۱۳ پر)

اس کے بعد آپ نے چند وصیتیں فرمائیں،

کوئی مشرک عرب میں نہ رہنے پائے، سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپ کے زمانہ میں کیا جاتا ہے، تیسری راوی کو یاد نہیں رہی۔[1]

اس دن نمازِ ظہر کے وقت طبیعت کو کچھ سکون ہوا، تو غسل فرما کر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سہارے مسجد تشریف لے گئے، جماعت کھڑی ہو چکی تھی، حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے آپ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲) بخاری اور مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شیء یوصی فیہ میں موجود ہے،

یہ واقعہ اہل سنت اور شیعوں کے درمیان بڑا معرکۃ الآراء بحث بن گیا ہے، شیعوں کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، جسے حضرت عمرؓ نے روک دیا، سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دردِ مرض کی شدت تھی، دین مکمل ہو چکا تھا، شریعت کا کوئی حکم تعلیم کے لئے باقی نہ رہ گیا تھا، خود قرآن نے الیوم اکملت لکم دینکم کی آیت سے تکمیل دین کی مہر کر دی تھی، ایسی حالت میں حضرت عمرؓ نے مرض کی شدت میں آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا، اگر کوئی ضروری اور دینی حکم ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے روکنے سے نہ رک سکتے تھے، پھر اس کے بعد چار دن تک زندہ رہے، مرض میں اتنی تخفیف بھی ہوئی کہ آپ نے خطبہ دیا، اس میں آپ بیان فرما سکتے تھے، یا ذاتی لکھوا دیتے، یہ محض قیاس ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھانا چاہتے تھے، ممکن ہے کہ آپ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے رہے ہوں، بخاری میں ایک روایت بھی ہے کہ آپ عبد اللہ بن ابی بکرؓ کو بلا کر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا فرمان لکھانا چاہتے تھے، لیکن پھر اسے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا خدا اور اہلِ اسلام ابوبکرؓ کے سوا کسی کو پسند نہ کریں گے، پھر قرطاس کی روایت کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں "دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ" یعنی مجھے میری حالت پر چھوڑ دو جس مقام پر میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی طرف سے نہیں بلکہ کسی نامعلوم شخص کے جواب میں کچھ لکھوانا چاہتے تھے، لیکن پھر لکھانا مناسب نہ سمجھا۔ [1] بخاری باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شیء یوصی فیہ،

آہٹ پاکر پیچھے ہٹے آپ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی[1]،
نماز کے بعد خطبہ دیا، یہ آپ کی زندگی کا آخری خطبہ تھا،

"خدا نے اپنے بندہ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس جو انعامات ہیں ان کو لے، اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں،".....

سب سے زیادہ میں جس کی دولت وصحبت کا ممنون ہوں وہ ابوبکر ہیں، اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے، مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابوبکر کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے، ہاں تم سے پہلے قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا ہے، دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں تم کو منع کرتا ہوں[2]"

اس کے بعد انصار کے متعلق جو اسلام کے قوت بازو تھے، فرمایا،

"ایھا الناس! میں انصار کے بارہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں، عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جس طرح کھانے میں نمک، وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے، اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا چاہئے، وہ میرے جسم میں بمنزلہ معدہ کے ہیں، جو تمہارے نفع ونقصان کا متولی (یعنی خلیفہ) ہو اس کو چاہئے کہ ان میں سے جو نیکوکار ہوں ان کو قبول کرے، اور جن سے خطا سرزد ہو ان کو معاف کردے[3]،

روم پر اسامہ بن زید کو ان کے والد کے خون کے انتقام کے لئے بھیجنے کا ذکر گذر چکا ہے، بعض لوگوں کو (روایتوں میں تصریح ہے کہ وہ منافق تھے) اسامہ کی سرداری پر اعتراض تھا، کہ بڑے بڑے بوڑھوں

---

[1] بخاری باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسلم کتاب الصلوۃ باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر من مرض وسفر وغیرہما من یصلی بالناس الخ [2] بخاری ومسلم مناقب ابی بکر ومسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ باب النہی عن بناء المسجد علی القبور،

[3] بخاری ج اول مناقب الانصار قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقبلوا من محسنہم وتجاوزوا من مسیئہم،

کے ہوتے ہوئے ایک نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا ہوا، اس اعتراض کے متعلق فرمایا۔

"اگر اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ کی سرداری پر بھی تم اعتراض کر چکے ہو، خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا، اور مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے"[1]

اسلام کی شریعت کے تمام احکام منجانب اللہ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ کام تھا کہ اپنے قول و فعل سے بندوں تک ان کو پہنچا دیں، دوسرے مذاہب کے پیروؤں نے اپنے پیغمبروں کو واضع قانون مان کر اور پیغمبری منصب کی تعیین میں افراط کر کے اس کا درجہ شرک بلکہ کفر تک پہنچا دیا، اس لیے مسلمانوں کو اس غلطی سے بچانے کے لئے ارشاد فرمایا۔

"حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے، میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے، اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے"[2]

سارے الہامی مذاہب میں انسان کی جزا و سزا اس کے ذاتی اعمال پر ہے، بعض مذہب کے پیروؤں نے غلطی سے اپنے پیغمبروں کے اعمال کو اپنے اعمال کا کفارہ سمجھ لیا، مسلمانوں کو اس غلطی سے بچانے کے لئے آپ نے فرمایا:۔

"اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے یہاں کے لئے کچھ کر لو، میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا"[3]

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لائے، متفرق تعلیمات کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا، یہود و نصاریٰ اپنے پیغمبروں بلکہ مقدس بزرگوں (سینٹ) کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں اتنا غلو کرتے تھے کہ اس کی سرحد شرک و بت پرستی سے

[1] بخاری مناقب زید بن حارثہ و کتاب المغازی باب بعثت اسامہ [2] مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ و ابن سعد وفات نبوی [3] ایضاً۔

مل جاتی تھی، مسلمانوں کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے عین بیماری کی شدت میں ارشاد ہوا۔

"یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انھوں نے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا[1]"

جس قدر وصلِ حبیب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی، دنیا اور اس کے سامانوں سے علیٰحدگی اختیار فرماتے جاتے تھے، حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، ان کے متعلق دریافت فرمایا

"عائشہ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو اس کی راہ میں خیرات کردو[2]"

مرض کی حالت یکساں نہ تھی، کبھی شدت ہو جاتی تھی، کبھی افاقہ نظر آتا تھا، وفات کے دن یعنی دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو اتنا سکون ہوا کہ حجرہ مبارک سے جو مسجد نبویؐ سے ملا ہوا تھا پردہ اٹھا کر دیکھا، لوگ نمازِ فجر میں مشغول تھے، یہ منظر دیکھ کر تبسم فرمایا، اور پھر پردہ گرا دیا، لیکن جیسے جیسے آفتاب بلند ہوتا جاتا تھا، دنیا پر تاریکی چھانے کا وقت قریب ہوتا جاتا تھا، بار بار غشی ہونے لگی، اس حالت میں یہ الفاظ فرمائے،

مع الذین انعم اللہ علیھم	ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام فرمایا،
اللھم فی الرفیق الاعلیٰ	خداوند بڑا رفیق ہے،

اسی حالت میں اپنے ہاتھ سے مسواک فرمائی، سہ پہر کے وقت سانس اکھڑ گئی، اور زبانِ مبارک سے نکلا،

الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم	نماز! اور غلام!

پاس ہی پانی کی لگن رکھی ہوئی تھی، اس میں بار بار ہاتھ ڈال کر چہرہ پر ملتے تھے، اسی دوران میں ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا

بل الرفیق الاعلیٰ	اب کوئی اور نہیں بس وہی رفیق درکار ہے،

[1] بخاری باب وفات نبویؐ و مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ باب النہی عن بناء المساجد علی القبور۔ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۴۹ و ابن سعد حالات وفات نبویؐ،

یہ کہتے کہتے روح عالم قدس میں پہنچ گئی ہے[1]

حضرت ابوبکرؓ کا استقلال اس حادثہ عظیم نے صحابہؓ اور مقربین خاص کو دیوانہ بنا دیا، حضرت عمرؓ کو شدت الم اور فرط محبت و عقیدت میں آپ کی وفات کا یقین نہ آتا تھا، اور وارفتگی کے عالم میں تلوار کھینچکر کہتے تھے، جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس کا سر قلم کر دوں گا،

وفات کے دن صبح کو آپ کی طبیعت بحال دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ آپ کی اجازت سے جہاں ان کی بیوی رہتی تھیں چلے گئے تھے، وہاں سے واپس ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا، اور مسجد نبویؐ کے دروازہ پر دارفتگان محبت میں شور برپا تھا، آپ سیدھے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لے گئے اور رخ انور سے نقاب ہٹا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور رو کر کہا۔

"میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، خدا کی قسم آپ پر دو موتیں جمع نہیں ہو سکتیں، وہ موت جو آپ کے لئے مقدر تھی، آچکی، اس کے بعد دوسری موت نہ آئے گی۔"

حجرہ سے نکل کر دیکھا تو حضرت عمرؓ قسم کھا کھا کر وفات نبویؐ کا انکار کر رہے تھے، یہ بڑا نازک وقت تھا، اگر محرم اسرار نبوت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دینی بصیرت اس وقت مسلمانوں کی دستگیری نہ کرتی تو معلوم نہیں کیا نتائج نکلتے، آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا بیٹھ جاؤ، انھوں نے وارفتگی میں کوئی توجہ نہیں کی، تو آپ نے الگ مسلمانوں کو مخاطب کرکے یہ بصیرت آموز تقریر فرمائی،

"جو لوگ محمدؐ کی پرستش کرتے تھے تو بیشک وہ مر گئے، اور جو خدا کو پوجتے تھے تو بیشک وہ زندہ ہے، اور کبھی نہ مرے گا،

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:-

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ — محمد صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے

---

[1] وفات کے حالات بخاری کے مختلف ابواب سے ماخوذ ہیں [2] بخاری کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت بعد الموت،

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، بہت سے رسول گذر چکے ہیں،

یہ تقریر ایسی دلنشین تھی کہ دفعۃً محبت صحابہ کی نگاہون سے پردہ اٹھ گیا اور وہ مطمئن ہو گئے[1]۔

تجہیز و تکفین وفات کے دن شام ہو چکی تھی، تجہیز و تکفین اور تبر کنی کے مراحل رات سے پہلے انجام نہ پا سکتے تھے، صحابہ علٰحدہ بیخود و مبہوت ہو رہے تھے، اس لئے تجہیز و تکفین دوسرے دن سہ شنبہ کو عمل میں آئی، غسل وغیرہ کی سعادت اعزۂ خاص حضرت علیؓ، فضل بن عباس، قثم بن عباس اور اسامہ بن زید کے حصہ میں آئی، حضرت ابوطلحہؓ نے قبر کھودی، اور باری باری سے مسلمانون نے بلا امام نماز جنازہ پڑھی، اور سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ مطابق سنہ ۶۳۲ع کو کونین کی یہ دولت حضرت عائشہؓ کے حجرۂ کی پاک و مطہر زمین کے سپرد کی گئی،

متروکات شہنشاہِ کونینؐ نے اپنے بعد جو میراث چھوڑی وہ یہ تھی، ام المومنین حضرت جویریہؓ کے بھائی عمرو کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کے وقت کچھ نہ چھوڑا، نہ درہم و دینار، نہ غلام، نہ لونڈی، نہ اور کچھ، صرف اپنا سپید خچر اور ہتیار اور کچھ زمین جسے عام مسلمانون پر صدقہ کر گئے تھے[2]،

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا، نہ درہم، نہ اونٹ، نہ بکری، اور نہ کسی چیز کی وصیت کی[3]، بہرحال اگر کچھ چھوڑا تھا تو یہی چیزیں تھیں، اور ان کے متعلق بھی ارشاد فرما چکے تھے، ہم انبیا کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو چھوڑا وہ عام مسلمانون کا حق ہے[4]:

عمرو بن حویرث کی روایت میں جس زمین کا تذکرہ ہے اس سے مراد مدینہ، خیبر اور فدک کے چند باغ ہیں، اس لئے کہ آپؐ کے متروکات میں صرف یہی جائداد و زمین تھی،

مدینہ کی جائداد میں ایک بنی نضیر کی جائداد تھی، اور چند باغ تھے جو مخیرق نام ایک یہودی

---

[1] بخاری کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت بعد الموت [2] بخاری کتاب الوصایا وقال اللہ عزوجل کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت [3] ابوداؤد کتاب الوصایا باب ما یومر بہ من الوصیۃ [4] بخاری کتاب الوصایا و کتاب الجہاد باب فرض الخمس،

نے آپ کو وصیۃ ہبہ کر دیئے تھے، لیکن صحیح بخاری کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ باغ اسی وقت مستحقین میں تقسیم فرمادیئے تھے۔[1]

خیبر اور فدک کا مسئلہ عہد صحابہؓ سے مسلمانوں میں مختلف فیہ چلا آتا ہے، ایک جماعت کے نزدیک یہ جائداد بطور تولیت کے آپ کے پاس تھی، دوسری جماعت اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی اور قابل میراث جائداد قرار دیتی ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ، آپ کے چچا حضرت عباسؓ اور اکثر ازواج اسے بطور میراث کے تقسیم کرانا چاہتے تھے، لیکن حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ نے کہا کہ یہ وقف عام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں اس کی آمدنی جن مصارف میں صرف فرماتے تھے، اس میں تغیر نہ ہوگا،[2] آپ نے اپنی زندگی ہی میں ان جائدادوں کی آمدنی کے مصارف متعین فرمادیئے تھے، بنونضیر کی جائداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لئے مخصوص تھی، فدک کی آمدنی مسافروں کے لئے وقف تھی، خیبر کی آمدنی کے دو حصے، عام مسلمانوں پر صرف فرماتے تھے، اور ایک حصہ ازواج مطہراتؓ کے مصارف کے لئے عطا فرماتے تھے، جو بچ جاتا تھا وہ غریب مہاجرین پر صرف ہوتا تھا۔[3]

حضرت عمرؓ نے اپنے آخیر عہد خلافت میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے اصرار پر مدینہ کی جائداد ان دونوں کی تولیت میں دے دی تھی، لیکن حضرت علیؓ نے اس پر قبضہ کر لیا، خیبر اور فدک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ تک خلفاء کے ہاتھ میں رہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں اہلبیت کو واپس کر دیا۔

ازواج مطہرات	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم شباب میں صرف ایک سن رسیدہ اور بیوہ خاتون

[1] بخاری کتاب الوصایا، کتاب الجہاد باب فرض الخمس و فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۰۔ [2] بخاری کتاب الجہاد باب فرض الخمس و کتاب الفرائض [3] ابوداؤد کتاب الخراج والامارہ والفئی باب صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [4] ایضاً۔

پر قناعت فرمائی، پھر زوالِ شباب یعنی پچاس سال کی عمر کے بعد مختلف مصالح کی بناپر مختلف اوقات میں گیارہ شادیاں کین،

حضرت خدیجہؓ

سب سے پہلی شادی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ہوئی، یہ خاندانِ قریش کی ایک چالیس سالہ اور پاکیزہ اخلاق خاتون تھین، طاہرہ ان کا لقب تھا، پانچوین پشت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نسب مل جاتا ہے، ان کے والد خویلد ایک معزز قریشی اور یہ خود بڑی صاحبِ ثروت تھین ان کی پہلی شادی ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی تھی، ان کے انتقال کے بعد عتیق ابن عائذ کے ساتھ عقد ہوا، ان کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد مین آئین، اس وقت حضرت خدیجہؓ کا سن چالیس سال کا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پچیس سال کا، ایک کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل اولادین ان ہی کے بطن سے ہوئین، ان کی تفصیل آیندہ آئے گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی، ان کی زندگی بھر دوسرا نکاح نہین فرمایا، ہجرتِ مدینہ سے کئی سال پہلے مکہ ہی مین ان کا انتقال ہوگیا تھا، گو ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد شادیان کین، لیکن ان کی محبت کا نقش ہمیشہ دل پر قائم رہا،

حضرت سودہ بنت زمعہ

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپ بہت پریشان اور غمگین رہتے تھے، اس افسردگی خاطر کو دور کرنے کے لئے سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا، یہ بھی بیوہ تھین، ان کے پہلے شوہر کا نام سکران بن عمرؓ تھا، آغازِ دعوتِ اسلام مین دونون میان بیوی مسلمان ہوئے تھے، اور حبشہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا،

حبشہ سے واپسی کے کچھ دنون بعد سکرانؓ کا انتقال ہوگیا، ان کے انتقال کے بعد سودہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت مین آئین، ان کے زمانۂ وفات کے بارہ مین بڑا اختلاف ہے، بروایتِ صحیح حضرت عمرؓ کے آخر عہدِ خلافت مین وفات پائی،

حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہین، سنہ ۱۰ بعثت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مکہ مین نکاح کیا، اس کے تین سال بعد مدینہ مین رخصتی ہوئی، حضرت عائشہؓ بڑی ذہین، ذیرک اور فہیم تھین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتون کے نسوانی احکام و مسائل کی تعلیم کے لیے انھین خاص طور سے اس کی تعلیم دی تھی، وہ نہ صرف امہات المومنین مین بلکہ بہت سے صاحب علم صحابہ کے مقابلہ مین علم مین ممتاز تھین اور بڑے بڑے صحابہؓ مہمات مسائل مین ان کی طرف رجوع کرتے تھے، انھون نے ۹ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت مین گذارے، آپ کی وفات کے بعد ۴۸ سال زندہ رہین اور ۵۷ھ مین ۶۶ سال کی عمر مین وفات پائی،

حضرت حفصہؓ یہ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھین، یہ بھی بیوہ تھین، ان کی پہلی شادی خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوئی تھی، خنیس غزوۂ بدر مین زخمی ہوئے، اور اس کے صدمہ سے جانبر نہ ہوسکے، ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد فرمایا، ان کے مزاج مین کسی قدر تیزی تھی ۴۵ھ مین ان کا انتقال ہوا،

ام المساکین حضرت زینبؓ ان کا نام زینبؓ تھا، فقراء اور مساکین کو بہت کھلاتی پلاتی تھین، اس لیے ام المساکین کنیت ہوگئی تھی، ان کے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن جحشؓ جنگ احد مین شہید ہوئے ان کی شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا، لیکن اس شرف کے حصول کے دو ہی تین مہینون کے بعد زینبؓ انتقال کرگئین، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی، اور جنت البقیع مین مدفون ہوئین، انتقال کے وقت تیس سال کی عمر تھی،

حضرت ام سلمہؓ ہند نام تھا، ام سلمہ کنیت، والد کا نام سہیل تھا، ان کی پہلی شادی ان کے چچیرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی عبداللہ بن عبدالاسد کے ساتھ ہوئی تھی ان ہی کے ساتھ آغاز اسلام مین اسلام لائین، اور ہجرت حبشہ کے شرف سے مشرف ہوئین، عبداللہؓ

بن عبدالاسدؓ غزوۂ احد میں زخمی ہوئے، اور اس کے صدمہ سے سنہ ۴ھ میں انتقال کر گئے، عبداللہ کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں، آپ کی وفات کے بعد عرصہ تک زندہ رہیں، ان کے سنہ وفات میں بھی بڑا اختلاف ہے، واقعۂ کربلا کے چند سال پہلے یا اسی سال یعنی سنہ ۶۱ھ میں انتقال کیا، اس وقت ۸۴ سال کی عمر تھی، علمی اعتبار سے حضرت عائشہؓ کے بعد انہی کا درجہ تھا،

حضرت زینبؓ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیری بہن تھیں، ان کی شادی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنیٰ اور غلام حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ کر دی تھی، لیکن دونوں میں نہ بن سکی اور طلاق ہو گئی، زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا، یہ بڑی عابدہ زاہدہ اور فیاض اور حسین و جمیل تھیں، ان اوصاف کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انھیں بہت محبوب رکھتے تھے، امہات المومنین میں یہی حضرت عائشہؓ کی ہمسری کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے انہی کا انتقال ہوا، سنہ ۲۰ھ میں ۵۳ سال کی عمر میں وفات پائی،

حضرت جویریہؓ | یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارثؓ بن ضرار کی بیٹی تھیں، ان کی پہلی شادی مسافع بن صفوان سے ہوئی تھی، جو غزوہ مریسیع میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا، اس غزوہ میں بہت سے لونڈی غلام گرفتار ہوئے، انہی میں جویریہؓ بھی تھیں، یہ ثابت بن قیس انصاری کے حصہ میں پڑیں، بڑی وجاہت خاندان کی خاتون تھیں، غلامی کو غیرت نے گوارا نہ کیا، ۹ اوقیہ سونے پر ثابت سے رہائی کی شرط قرار پائی، لیکن پاس کچھ نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی گذشتہ عظمت اور موجودہ نکبت بیان کر کے مدد کی طالب ہوئیں، آپ نے ان کی رضا سے ثابت کی رقم ادا کر کے ان سے شادی کر لی، اس رشتہ کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کی وجہ سے بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلام آزاد کر دیے، سنہ ۵۰ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا،

حضرت ام حبیبہؓ | اصل نام رملہ اور ام حبیبہ کنیت ہے، لیکن کنیت کی شہرت نے نام کی جگہ لے لی ہے

بھی خاندانِ قریش سے تھین، اپنے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ آغازِ اسلام مین مشرف باسلام ہوئین، اور انہی کے ساتھ حبشہ کی دوسری ہجرت مین حبشہ گئین، حبشہ مین ان کے شوہر نے عیسوی مذہب اختیار کرلیا، لیکن یہ خود اسلام پر قائم رہین، اس لئے عبید اللہ نے ان سے علیحدگی اختیار کرلی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعات معلوم ہوئے تو آپ نے نجاشی شاہ حبش کی وساطت سے ان کے پاس شادی کا پیغام بھیجا، انھون نے قبول کرلیا، اور ان کی جانب سے خالد بن سعید اموی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نجاشی کی وکالت مین چار سو دینار پر عقد ہوا، نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مہر کی رقم ادا کی، اور ولیمہ کیا، نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ کو شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین مدینہ بھیج دیا، انھون نے ۴۴ھ مین وفات پائی،

حضرت میمونہؓ ان کے والد کا نام حارث تھا، ان کی پہلی شادی مسعود بن عمرو الثقفی کے ساتھ ہوئی تھی اس نے طلاق دے دی، تو ابو رہم بن عبد العزی نے نکاح کیا، ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد مین آئین، ان کے سنہ وفات مین بھی اختلاف ہے، بروایتِ صحیح ۵۱ھ مین مقام سرف مین انتقال کیا،

حضرت صفیہؓ اصل نام زینب ہے، یہ غزوہ خیبر مین امام وقت کے پانچوین حصے خمس مین پڑی تھین جسے صفی کہتے ہین، اس لئے صفیہ کہلائین، نسلاً اور مذہباً یہودیہ تھین، ان کے ننہال اور ددھیال دونون مین سرداری تھی، ان کا باپ حیی بن اخطب قبیلہ بنی نضیر کا رئیس تھا، اور ان کی مان بنی قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھین، ان کی پہلی شادی سلام بن مشکم یہودی سے ہوئی تھی، اس نے طلاق دے دی، طلاق کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق نے نکاح کیا، کنانہ جنگِ خیبر مین مارا گیا، صفیہ کے باپ اور بھائی بھی اس جنگ مین کام آئے، اور وہ خود گرفتار ہوئین، حضرت دحیہ کلبیؓ نے ان کو اپنے لئے منتخب کیا، بعض صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے بنو نضیر اور بنو قریظہ کی

رئیسہ کو دحیہ کو دے دیا، وہ صرف آپ کے لائق ہین، ان کے کہنے پر ایک رئیسہ کی عزت قائم رکھنے کے لئے آپ نے حضرت دحیہؓ کو دوسری لونڈی دے دی، اور صفیہؓ کو ازدواج سے عزت بخشی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی عزت و محبت کرتے تھے، حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ جنھین ازواجِ مطہرات مین زیادہ خصوصیت حاصل تھی، کبھی کبھی حضرت صفیہؓ پر طعن و طنز کرتی تھین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دلجوئی فرماتے تھے،

اولادِ امجاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ امجاد کے بارہ مین بڑا اختلاف ہے، مختلف روایتون کی رو سے ان کی تعداد بارہ تک پہنچ جاتی ہے، لیکن متفق علیہ بیان یہ ہے کہ چھ اولادین تھین، دو صاحبزادے قاسم اور ابراہیم اور چار صاحبزادیان، زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہ زہراؓ، بعض روایتون مین دو اور صاحبزادون طیب اور طاہر کا نام بھی ملتا ہے، ان مین حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے، باقی کل حضرت خدیجہؓ سے،

قاسم سب سے پہلی اولاد تھے، ان کی پیدائش نبوت سے گیارہ بارہ سال پیشتر ہوئی تھی، لیکن بچپن ہی مین انتقال کر گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم انہی کے نام پر تھی،

سب سے آخری اولاد حضرت ابراہیم تھے، یہ ۸ھ مین پیدا ہوئے، اور کل سوا دو مہینے زندہ رہے، ان کی موت کے دن اتفاق سے سورج گہن ہوا، لوگون مین مشہور ہو گیا کہ ابراہیم کی موت اس کا سبب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تردید فرمائی کہ چاند اور سورج خدا کی نشانیان ہین، کسی کی موت سے ان مین گہن نہین لگتا،

صاحبزادیون مین زینبؓ سب سے بڑی تھین، یہ قاسم کے بعد پیدا ہوئین، ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص کے ساتھ ہوئی تھی، زینبؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی مین ۸ھ مین انتقال کیا، ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی امامہ یادگار چھوڑی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امامہ سے

بڑی محبت فرماتے تھے، نماز کی حالت مین بھی ان کو جدا نہ کرتے تھے،

زینبؓ سے چھوٹی رقیہؓ تھین، ان کی شادی قبل از اسلام ابولہب کے لڑکے عتیبہ کے ساتھ ہوئی تھی، ظہورِ اسلام کے بعد ابولہب نے اپنی کینہ پروری مین عتیبہ سے طلاق دلوادی، طلاق کے بعد حضرت عثمانؓ سے شادی ہوئی، ان کا انتقال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین غزوۂ بدر کے زمانہ مین ہوا، انہی کی تیمارداری کی وجہ سے حضرت عثمانؓ بدر مین شریک نہ ہو سکے تھے،

رقیہؓ سے چھوٹی ام کلثومؓ تھین، ان کی شادی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتبہ کے ساتھ ہوئی تھین بھی ابولہب نے طلاق دلوادی تھی، حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت عثمانؓ کے ساتھ کردی، شادی کے چھ سال بعد تک زندہ رہین ۹ھ مین انتقال کیا،

سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۂ زہراؓ تھین، ان کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا، چونکہ لڑکیون مین یہ سب سے چھوٹی تھین اور ان کے علاوہ سب اولادین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مین انتقال کر گئی تھین، اس لئے آپؐ ان کو بہت محبوب رکھتے تھے، حضرت علیؓ نے ان کی زندگی مین دوسرا نکاح کرنا چاہا تو آپؐ نے سخت ناپسندیدگی ظاہر فرمائی، کہ "میری لڑکی میرا جگر گوشہ ہے، جس سے اس کو دکھ پہنچے گا، مجھے بھی اس سے اذیت ہوگی،" آپؐ کی نامرضی دیکھ کر حضرت علیؓ نے نکاح کا ارادہ ترک کردیا، اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی بھر دوسری شادی نہین کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ مہینہ بعد حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوا، ان کے پانچ اولادین تھین، حضرت حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، ام کلثومؓ، زینبؓ، محسنؓ کا انتقال بچپن مین ہوگیا تھا،

اخلاقِ نبوی جس طرح اسلام اپنی تعلیمات کی جامعیت کے لحاظ سے دوسرے مذاہب مین ممتاز ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تعلیمات کے نمونۂ عمل کے لحاظ سے دوسرے

انبیاورسل پر امتیاز حاصل ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی پیغمبر کی زندگی کے چند خاص واقعات کے سوا اس کے سوانح حیات اور اخلاق وسیرت کے حالات محفوظ نہین، اس لیے ان کی زندگی کو عملی نمونہ کی حیثیت سے نہیں پیش کیا جاسکتا، اس کے مقابلہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک خط وخال محفوظ ہے، آپ نے دنیا کو جن مکارم اخلاق کی تعلیم دی، ان کو عملاً برت کر دکھادیا، خود قرآن نے آپ کے اخلاق کا یہ جامع مرقع پیش کیا ہے،

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ، اے محمد تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو،

آپ کی ذاتِ گرامی مکارمِ اخلاق کی جملہ جزئیات کا مجسم پیکر تھی،

رقتِ قلب، زہد وورع، عفت وعصمت، حسنِ معاملہ، حسنِ خلق، عدل وانصاف، جود وسخا، ایثار وقربانی، محبت ورحمت، زہد وقناعت، صداقت وامانت، تواضع ومساوات، ضبط وحلم، عفو ودرگذر، حسنِ سلوک، دشمنون، کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، عیادت وتعزیت، مہمان نوازی، سادگی وبے تکلفی، مسکینون اور محتاجون کی دلجوئی، صبر وشکر، شرم وحیا، عزم واستقلال، شجاعت وشہامت، گداگری اور سوال سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، ہدیہ دینا اور قبول کرلینا، تعظیم وبیجا مداحی کی ناپسندیدگی، دوسرون کی حاجت روائی وغیرہ،

غرض ذاتِ گرامی شرافتِ انسانی کے جملہ اوصاف وکمالات کی جامع تھی، ان کے واقعات سے حدیث کی کتابین معمور ہین،

اسلام کی تعلیمات کا اثر

اسلام کی اصولی تعلیمات جستہ جستہ اسلام کی تاسیس وتکمیل اور حجۃ الوداع مین گذر چکی ہین، ان کی تفصیلات ہمارے موضوع سے خارج ہین، ان تعلیمات

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونہ نے چوتھائی صدی کے اندر اندر وحشی عربون کی کایا پلٹ دی جس کا ثبوت آیندہ صفحات مین ملے گا،

ظہورِ اسلام سے پہلے عرب کی خصوصاً اور سارے عالم کی عموماً جو اخلاقی اور مذہبی حالت تھی، اس کی ناتمام تصویر اوپر دکھائی جا چکی ہے، لیکن تھوڑے ہی مدت مین وہی عرب دنیا کے معلمِ اخلاق بن گئے، اور پھر ان کے اثر سے یہ روشنی سارے عالم مین پھیلی، آج دنیا مین جہان کہیں بھی توحید کی کرن نظر آتی ہے، وہ اسلام ہی کے آفتابِ عالمتاب کا پرتو ہے،

حضرت ابوبکر صدیقؓ

بسلہ تا سلہ ۱۳

مطابق

سنہ ۶۲۳ء تا سنہ ۶۳۴ء

مختصر حالات | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے قدیم رفیق، اسلام کے سب سے پرانے جان نثار، محرم اسرار نبوت، ثانی اثنین فی الغار حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے جانشین منتخب ہوئے۔

آپ کا نام عبد اللہ، کنیت ابوبکرؓ، اور صدیق عتیق لقب ہے، والد کا نام قحافہ تھا، آپ قریش کی شاخ بنی تمیم سے تعلق رکھتے تھے، چھٹی پشت پر آپ کا نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے، آپ کا گھرانا زمانۂ جاہلیت سے نہایت معزز چلا آتا تھا، قریش کے نظام سیاسی میں خونبہا کے مال کی امانتداری کا عہدہ آپ ہی کے گھر میں تھا۱، اسلام سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کا شغل تجارت تھا، آپ ابتدا ہی سے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ کا دامن اخلاق عرب کے عام مفاسد سے بالکل پاک رہا، اور اسی زمانہ سے لوگوں پر آپ کے حسن خلق، راستبازی اور متانت و سنجیدگی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا، اور شرفائے مکہ میں آپ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے،

آپ تقریباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے، طبیعت کی یکسانیت کی وجہ سے بچپن ہی سے دونوں میں گہرے تعلقات و روابط پیدا ہوگئے تھے، ان روابط کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے

---

۱ کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۲،

کے اخلاق و سیرت سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت سب سے پہلی مرتبہ اسلام کی دعوت دی تو حضرت ابوبکرؓ نے بغیر کسی شک و شبہہ کے اس کی تصدیق کی قبولِ اسلام کے بعد وہ اسلام کی تبلیغ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست بن گئے، اور راہِ خدا میں جان و مال اور عزت و آبرو سب نثار کر دی، اور میدانِ جان نثاری میں کوئی دوسرا صحابی آپ سے بازی نہ لیجا سکا، بعض بعض مواقع پر گھر کا سارا اثاثہ خدا کی راہ میں دیدیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کچھ اہل و عیال کے لئے بھی چھوڑا ہے، تو عرض کیا ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔[1]

کسی صحابی کے اسلامی خدمات آپ کے برابر نہیں ہیں، ان کی مختصر فہرست یہ ہے، قریش کے سن رسیدہ لوگوں میں سب سے اول اسلام قبول کیا، اور مکہ کی پر خطر اور مظلومیت کی زندگی کے ہر مرحلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پشت پناہ رہے، تبلیغِ اسلام میں آپ کی رفاقت کرتے جہاں حضورؐ تشریف لے جاتے ساتھ جاتے، اور اپنے جاننے والوں سے آپ کا تعارف کراتے،[2]

حضرت عثمانؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ جیسے اکابر صحابہ اور اساطینِ اسلام آپ ہی کی کوششوں سے مشرف باسلام ہوئے، کفار کے ظلم و جور کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے[3] حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہؓ، اور متعدد غلاموں کو جو اسلام کے جرم میں اپنے مشرک آقاؤں کے ظلم و جور کا نشانہ تھے، اپنے مال سے آزاد کرایا، ہجرتِ نبویؐ میں رفاقت کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، ہجرت کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو اس کی زمین کی قیمت جو دو یتیموں کی ملکیت تھی، حضرت ابوبکرؓ نے ادا کی، اس طرح مدینہ میں پہلا خانۂ خدا حضرت ابوبکرؓ کی مدد سے تعمیر ہوا،[4]

غزوات میں بدر، احد، بنی مصطلق، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ، حنین و طائف وغیرہ تمام معرکوں تک

---

[1] ترمذی مناقب ابی بکرؓ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۲ [3] بخاری باب لقی النبیؐ و اصحابہ من المشرکین بمکہ [4] فتح الباری ج ۷ ص ۱۹۲

مجاہدانہ شریک ہوئے، اور سب مین نمایان اور ممتاز خدمات انجام دین، حدیث، سیرت اور طبقات کی کتابون مین اس کی تفصیل ہے،

۹ھ مین امارت حج کا منصب تفویض ہوا، غرض آغاز اسلام سے لے کر وفات نبویؐ تک ہر مرحلہ مین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان نثارانہ رفاقت کی، آپ پر ان کی ان قربانیون کا اتنا اثر تھا کہ فرماتے تھے کہ جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکر سے زیادہ کسی کا احسان نہین ہے[1]،

اس رفاقت اور خدمات کی بنا پر صحابہؓ کی جماعت مین حضرت ابوبکرؓ اسلام کے سب سے بڑے محسن اور اسرار نبویؐ کے محرم تھے، اس لئے وہ قدرۃً نیابت نبویؐ کے سب سے زیادہ اہل و مستحق تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی مین خاص خاص مواقع پر اس کا شرف حاصل ہوتا تھا چنانچہ آپ کے مرض الموت مین جب آپ مین نقل و حرکت کی طاقت نہ رہی، اس وقت آپ نے نبوت کا سب سے بڑا منصب یعنی مسجد نبویؐ کی امامت کا شرف حضرت ابوبکرؓ ہی کو عطا فرمایا[2]، جو درحقیقت آپ کی جانشینی کی طرف اشارہ تھا، لیکن اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے، اس لئے آپ اپنی جانب سے کسی کو اپنا جانشین نامزد کرکے اس کو توڑنا نہ چاہتے تھے، اسی لئے صراحۃً کسی کو جانشین نامزد نہین فرمایا، اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کی صحبت اور آپ کی تعلیم نے آپ کے جانشینون مین ایسی صحیح بصیرت اور قوت فیصلہ پیدا کردی تھی کہ آپ کے بعد اسلامی نظام کے قیام مین کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہ گیا تھا اس لئے آپ نے آیندہ کے بارے مین تصریح سے سکوت فرمایا،

سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت

مدینہ مین منافقون کی جماعت جن کا شعار دوستی کے پردہ مین اسلام کا شیرازہ بکھیرنا تھا، ہمیشہ سے موجود تھی، اور ہر موقع پر اپنی اسلام دشمنی کا ثبوت دیتی تھی، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہین فرمایا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

۱ بخاری باب فضائل ابی بکرؓ ۲ بخاری باب اہل العلم و الفضل احق بالامامۃ،

وفات کے بعد اس جماعت کو فتنہ انگیزی کا موقع مل گیا، چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ہی تجہیز وتکفین سے پہلے ہی منافقین کی سازش سے آپ کی جانشینی کا مسئلہ چھڑ گیا، اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر جانشینی کا دعوی کیا، یہ مسئلہ ایسے نازک وقت چھڑا تھا کہ اگر فوراً اس کا تدارک نہ کیا جاتا تو بڑی نازک صورت حال پیدا ہو جاتی اور عجب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ساتھ ہی اسلام کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا، لیکن حضرت ابو بکرؓ کو بر وقت اس کی اطلاع ہو گئی، آپ فوراً حضرت عمرؓ اور امین الامت حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے، یہاں دیکھا تو دوسرا ہی گل کھلا ہوا تھا، انصار مدعی تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی میں انھیں بھی حصہ ملنا چاہیے، اور قریش کے ساتھ ان کی جماعت کا بھی ایک امیر یا نائب الرسول ہونا چاہیے، لیکن ایک شخص کے دو جانشین ہونے کے نتائج بالکل ظاہر ہیں، اس لئے اس صورت کے قبول کرنے کے معنی خود اپنے ہاتھوں اسلامی نظام کا درہم برہم کرنا تھا، یہ ہو سکتا تھا کہ تنہا انصاریوں ہی کو یہ منصب مل جاتا، لیکن اس میں یہ مشکل تھی کہ اولاً خود قریش، پھر دوسرے عرب قبائل قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے تھے، پھر انصاریوں میں خود اوس و خزرج دو مقابل جماعتیں موجود تھیں، ان میں سے جسے بھی یہ منصب دیا جاتا دوسرا اسے تسلیم نہ کرتا،

اس نازک موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے نہایت نرمی اور آشتی سے انصار کو سمجھایا، اور برمحل تقریر کی کہ "مجھے تم لوگوں کے فضائل و مناقب اور تمھاری خدمات اسلامی سے انکار نہیں، لیکن عرب قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کی سیادت تسلیم نہیں کر سکتے، پھر مہاجرین اپنے تقدم فی الاسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاندانی تعلق کی بنا پر آپ کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں، یہ ابو عبیدہ اور عمر بن الخطاب موجود ہیں، ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرو، یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر فرمایا کہ آپ ہم سب میں بزرگ، ہم سب میں بہتر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سب سے مقرب ہیں، اس لئے ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں[1]:

حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت ہر جماعت میں ایسی محترم تھی کہ اس انتخاب پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ کی بیعت کے ساتھ مسلمان بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے، اور حضرت ابوبکرؓ کی برمحل تقریر اور بیعت میں حضرت عمرؓ کی پیشقدمی سے ایک زبردست انقلاب ہوتے ہوتے بچ گیا، اس کے دوسرے دن مسجد نبویؐ میں عام بیعت ہوئی، اور ربیع الاول سنہ ۱۲ھ میں حضرت ابوبکرؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے،

بیعت عام کے بعد آپ نے حسب ذیل تقریر فرمائی:۔

"لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں، حالانکہ میں تمہاری جماعت میں سب سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں، تو میری اطاعت کرو، اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو، سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت، تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں دوسروں سے اس کا حق اس کو نہ دلادوں، اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ حاصل کرلوں یاد رکھو جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے خدا اس کو ذلیل وخوار کردیتا ہے، اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے، خدا اس کو عام مصیبت میں مبتلا کردیتا ہے، اگر میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو، اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں[2]"

حضرت علیؓ کی بیعت میں تاخیر کا سبب

بیعت عام کے بعد کچھ دنوں تک حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھ بعض اور صحابہ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں توقف کیا، اس توقف نے مسلمانوں میں عجیب بحثیں پیدا کردی ہیں، یہ صحیح ہے کہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے گوناگوں تعلقات

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۵۱۸ [2] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۲۹؛

کی وجہ سے خلافت کے متوقع تھے، لیکن یہ نہ صرف غلط بلکہ آپ کی ذات پر اتہام ہی کہ خلافت نہ ملنے کے ملال مین آپ چھ مہینہ تک جمہور مسلمانون سے الگ رہے، حضرت ابوبکرؓ کے استفسار پر آپ نے خود اپنے توقف کا جو سبب بیان فرمایا، وہ یہ ہے:-

"مین آپ کی امارت ناپسند نہیں کرتا، لیکن مین نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن نہ جمع کرونگا اس وقت نماز کے سوا اپنی چادر تک نہ اوڑھون گا"[1] حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد آپ نے بھی بیعت کرلی، اور حضرت ابوبکرؓ کے فضائل کا اعتراف فرمایا، کہ آپ کو خدا نے جو رتبہ دیا ہے اس پر ہم کو حسد نہین ہے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم اس کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہین، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کی وجہ سے ہم اسے اپنا حق سمجھتے تھے، یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ کی آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ مین میری جان ہے، کہ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دارون کو اپنے رشتہ دارون سے زیادہ عزیز رکھتا ہون، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ جائداد مین مین نے آپ کے طرز عمل سے سر مو انحراف نہین کیا ہے، اس صاف دلی کی گفتگو کے بعد دونون کے دل ایک دوسرے سے بالکل صاف ہوگئے، حضرت ابوبکرؓ نے مجمع عام مین حضرت علیؓ کے توقف بیعت پر آپ کی جانب سے عذر خواہی کی، اور حضرت علیؓ نے سب کے سامنے آپ کے فضائل کا اعتراف فرمایا۔[2]

قبائل مین شورش و انقلاب کا آغاز

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا آغاز بڑی مشکلات اور بڑے اہم حوادث کے ساتھ ہوا، لیکن آپ نے اپنے تدبر، عاقبت اندیشی اور مذہبی بصیرت سے ان سب پر قابو حاصل کرلیا، سب سے اہم انقلاب عرب کا ارتداد تھا، بہت سے قبائل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین اسلام تو قبول کرلیا تھا، لیکن ان کے دلون مین وہ راسخ نہ ہوا تھا، اس لئے آپ کی وفات کے بعد وہ مرتد ہوگئے، دوسری جانب متعدد جھوٹے مدعیانِ نبوت اٹھ کھڑے ہوئے بعض قبائل

---

[1] ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۱ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر،

لے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا، غرض حضرت ابوبکرؓ کے مسندِ خلافت پر قدم رکھتے ہی ہر طرف انقلاب کے آثار نمودار ہوگئے، ان مشکلات کے ساتھ ساتھ موتہ کی مہم علٰحدہ درپیش تھی جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت مین رومیون سے حضرت زیدؓ بن حارثہ کے خون کا انتقام لینے کے لئے ان کے لڑکے اسامہؓ بن زید کی ماتحتی مین شام بھیجنے کے لئے حکم دیا تھا، ابھی یہ مہم روانہ نہ ہوئی تھی[1] کہ آپ کا انتقال ہو گیا اس حادثہ کے بعد جب عرب مین انقلاب کے آثار نمایان ہوئے تو صحابہؓ نے مخالفت کی، کہ ایسی حالت مین فوج کو مرکز خلافت سے دور بھیجنا مناسب نہین ہے، اس مہم سے پہلے ان انقلابات کا تدارک ضروری ہے، مگر حضرت ابوبکرؓ نے نہایت سختی کے ساتھ انکار کیا، اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ مین میری جان ہے، اگر مدینہ مین اتنا سناٹا ہو جائے کہ درندے آکر میری ٹانگین نوچین تب بھی مین اس مہم کو جس کی روانگی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا نہین روک سکتا،[2]

اسامہ بن زیدؓ کی مہم

اور اسی انقلاب انگیز حالات مین فوج روانہ کی، اور خود پاپیادہ مدینہ کے باہر تک اسے رخصت کرنے کے لئے نکلے، رخصت کرتے وقت ہدایت کی کہ خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا، بے وفائی سے بچنا، مثلہ نہ کرنا، بوڑھون، بچون اور عورتون کو قتل نہ کرنا، ہرے بھرے اور پھلدار درختون کو نہ کاٹنا، کھانے کے علاوہ جانورون کو بیکار ذبح نہ کرنا،[3]

چالیس دن کے بعد یہ مہم اپنا کام پورا کرکے فاتحانہ مدینہ واپس آئی، حضرت ابوبکرؓ نے شہر سے نکل کر اس کا استقبال کیا،

بظاہر ایسے نازک وقت مین حضرت ابوبکرؓ کا فوج روانہ کرنا مصلحت اور تدبر کے خلاف معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کا اثر نہایت اچھا پڑا، اس سے ایک طرف بیرونی طاقتون کے دلون پر

[1] بعض روایتون کے مطابق روانہ ہوچکی تھی، لیکن تھوڑی دور جاکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر سن کر رک گئی تھی، [2] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱، [3] طبری ص ۱۸۵۰،

خوف بیٹھ گیا، دوسری طرف انقلاب کرنے والون کو اس کا یقین ہو گیا کہ مسلمانون کی قوت کافی ہی، ورنہ ایسے حالات مین جب کہ اندرونی قبائل مین بغاوت بپا ہے، وہ بیرونی دشمنون کے مقابلہ مین اتنی بڑی فوج نہین بھیج سکتے تھے،

مدعیان نبوت کا استیصال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی مین بعض مدعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے، مسیلمہ کذاب نے اسی زمانہ مین نبوت کا دعوی کیا تھا، لیکن آپ کی زندگی مین یہ جھوٹی آواز صورِ صداقت کے سامنے نہ ابھر سکی تھی، آپ کی وفات کے بعد اور بہت سے حوصلہ مندون کے دماغ مین یہ سودا سما گیا، چنانچہ اسود عنسی، طلیحہ بن خویلد کئی مدعیانِ نبوت پیدا ہو گئے، مرد تو مرد عورتین تک اس خبط مین مبتلا ہو گئی تھین، چنانچہ قبیلۂ تمیم کی ایک عورت سجاح بنت خویلد بھی نبوت کی دعویدار بن گئی تھی، اور مسیلمہ کذاب سے شادی کر لی تھی،

موتہ کی مہم کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان جھوٹے نبیون کے استیصال کی طرف توجہ فرمائی، مسیلمہ کی مہم حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ کے سپرد ہوئی، عکرمہ ان کی مدد پر مامور ہوئے، خالدؓ بن ولید طلیحہ بن خویلد کی طرف بڑھے، طلیحہ اور اس کے متبعین کو قتل و گرفتار کر کے تیس قیدیون کو مدینہ روانہ کیا، طلیحہ شام بھاگ گیا، پھر تجدید اسلام کر کے مسلمان ہو گیا،۱، ایک روایت یہ ہے کہ جنگ کی نوبت نہیں آئی، طلیحہ کے پیرون مین زیادہ تر قبیلہ طے تھا، اس کے سردار حضرت عدی بنؓ حاتم نے اسے دوبارہ مسلمان بنا لیا، باقی دوسرے اتباع کو خالدؓ بن ولید نے شکست دے کر قتل و گرفتار کیا، طلیحہ شام بھاگ گیا، اور وہان جا کر مسلمان ہو گیا، حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ اور عکرمہؓ، مسیلمہ کذاب کے مقابلہ مین تھے، عکرمہؓ نے شرحبیلؓ سے پہلے پہنچکر مسیلمہ کے پیرو بنی حنیفہ پر حملہ کر دیا، لیکن انھین شکست ہوئی، ان کی شکست کی خبر سن کر حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ بن ولید کو جو طلیحہ کی مہم سے فارغ ہو چکے تھے، شرحبیلؓ کی مدد کے لئے بھیجا، مسیلمہ کے اتباع چالیس ہزار کی

تعداد میں جمع تھے، حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک خونریز جنگ کے بعد بنی حنیفہ کو نہایت فاش شکست دی، مسیلمہ وحشی بن حربؓ کے ہاتھوں مقتول ہوا، اس کی بیوی سجاح جو خود مدعیۂ نبوت تھی، شوہر کے قتل ہونے کے بعد بھاگ گئی، اس جنگ میں بہت سے حفاظِ قرآن صحابہ شہید ہوئے[1]، تیسرے مدعیِ نبوت اسود عنسی کی جماعت میں خود اختلاف پیدا ہوگیا، اور وہ اپنے ایک ساتھی قیس بن مکشوح کے ہاتھوں نشہ کی حالت میں مارا گیا، غرض چند دنوں کے اندر تمام مدعیانِ نبوت کا خاتمہ ہوگیا[2]

خودسر مرتد امرا کا استیصال

مدعیانِ نبوت کے بعد ان مرتد سرداروں کی طرف توجہ کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مسلمان ہوچکے تھے، لیکن آپؐ کے بعد پھر مرتد ہوگئے، اور اپنی اپنی جگہ آزاد حکمران بن بیٹھے، چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں، لقیط بن مالک نے عمان میں، اور متعدد سردارانِ قبائل نے کندہ کے علاقہ میں مرتد ہوکر خودسری کا اعلان کردیا، حضرت ابوبکرؓ نے علاء بن حضرمی حذیفہ بن محصن اور زیاد بن لبید کو علی الترتیب ان سرداروں کے مقابلہ کے لئے بھیجا، علاءؓ نے نعمان کا استیصال کیا، حذیفہؓ نے لقیط کو قتل کیا، اور زیادؓ نے فرمان روایانِ کندہ کو زیر کرکے دوبارہ اسلام پر قائم کیا[3]

منکرینِ زکوٰۃ کی تادیب

ان سب سے زیادہ اہم اور نازک معاملہ منکرین زکوٰۃ کا تھا، یہ اسلام پر قائم رہتے ہوئے صرف زکوٰۃ کے منکر تھے، اس لئے ان پر تلوار اٹھانے کے بارہ میں بعض صحابۂ کبار نے اختلاف کیا، اور کہا جو لوگ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں، اور صرف زکوٰۃ دینے کے منکر ہیں، ان پر کس طرح تلوار اٹھائی جاسکتی ہے؟ اس موقع پر بھی حضرت ابوبکرؓ اپنی دینی بصیرت اور عرفانِ شریعت سے فرمایا، خدا کی قسم جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بکری کا ایک بچہ زکوٰۃ میں دیتا تھا، اگر وہ اس کے دینے سے انکار کرے گا، تو میں اس کے مقابلہ میں جہاد کروں گا، آپؓ کے اصرار پر حضرت عمرؓ

[1] یہ واقعات طبری اور ابن اثیر وغیرہ میں بہت مفصل ہیں، ہم نے ان کا خلاصہ لکھا ہے، تفصیل کے لئے دیکھو کتب مذکور، حالات مدعیانِ نبوت [2] ایضاً حالات فتنہ ارتداد [3] بخاری ج اول ص ۱۸۸،

کو بھی آپ کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا، کہ اگر آج انھین زکوٰۃ نہ دینے پر چھوڑ دیا جائے گا تو کل صوم وصلوٰۃ کے منکر ہو جائینگے، اور اسلام ایک تماشا بن جائے گا، غرض حضرت ابوبکرؓ نے نہایت مستعدی کے ساتھ تمام منکرین زکوٰۃ قبائل کے مقابلہ مین فوجین بھیجین، آپ کو اس معاملہ مین اتنا غلو تھا کہ بنی عبس اور بنی ذبیان کے مقابلہ مین خود گئے، اور انھین زیر کیا، آپ کی اس مستعدی اور استقامت سے چند دنون مین تمام منکرین نے زکوٰۃ ادا کر دی، بعضون نے خود مدینہ حاضر ہو کر بیت المال مین داخل کی، اس طرح صدیق اکبرؓ کی مذہبی بصیرت، اصابتِ رائے اور استقلال و استقامت سے وہ تمام فتنے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دفعۃً بپا ہو گئے تھے، دب گئے اور اسلام نے گویا دوبارہ زندگی پائی[۱]،

فتوحات

ایران و روم کی مخالف حکومتین

اندرونی انقلاب فرو کرنیکے بعد عرب کے ناگزیر سیاسی حالات کی بنا پر بیرونی دشمنون کی طرف توجہ کرنی پڑی، اس زمانہ مین جزیرۃ العرب دو عظیم الشان مخالف سلطنتون کے درمیان مین گھرا ہوا تھا، ایران مین ساسانی اور شام مین رومی، دونون حکومتین عربون کی پرانی دشمن تھین، اور ہمیشہ سے ان کی آزادی چھیننے کے درپے رہتی تھین خصوصاً ایرانیون نے کئی مرتبہ عرب کو زیر فرمان کرنے کی کوشش کی تھی، اور ساسانی سلسلہ کے دوسرے فرمانروا سابور بن اردشیر نے حجاز اور یمن دونون کو باجگذار بنا لیا تھا، سابور ذی الاکتاف ایک مرتبہ یمن و حجاز فتح کر کے مدینہ تک پہنچ گیا تھا، یہ عربون کا اتنا شدید دشمن تھا کہ جو عرب گرفتار ہو کر اس کے قبضہ مین جاتے تھے اس کے شانے اکھڑوا دیتا تھا، اس لئے عربون مین وہ ذوالاکتاف یعنی شانے والے کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے[۲]، لیکن عرب کسی بیرونی طاقت سے دبنے والے

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھو طبری حالات منکرین زکوٰۃ [۲] اخبار الطوال ص ۴۹،

نہ تھے، اور جب انھیں موقع ملتا تھا ان سے گلو خلاصی حاصل کر لیتے تھے، اور ان کا ملک دبا بیٹھتے تھے، چنانچہ قبیلۂ معد بن عدنان نے عراق میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں، اسی سلسلہ کے ایک فرمان روا نے حیرہ کو دار السلطنت بنایا تھا، غرض عربون اور ایرانیون میں نہایت قدیم رقابت چلی آ رہی تھی، ایرانی عربون کو نہایت تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۷ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے سلسلہ میں خسرو پرویز شہنشاہ ایران کو خط لکھا تو وہ سخت غضبناک ہوا، نامۂ مبارک چاک کر کے پھینک دیا، اور کہا، میرا غلام ہو کر مجھے یون لکھتا ہے"، اور فوراً یمن کے عامل کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا فرمان لکھا[1]، پہلے یہ تحقیر کا جذبہ تھا اس کے بعد جب اسلام نے سارے عرب کو متحدہ طاقت بنا دیا اس وقت ساسانی حکومت اسے خوف و خطرہ کی نگاہ سے دیکھنے لگی تھی،

ایران کی سیاسی حالت

اس زمانہ میں ایران کی حکومت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی، خسرو پرویز تک نہایت قوی تھی، اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا شیرویہ تخت نشین ہوا، اس نے اپنے سب بھائیون کو قتل کرا دیا، یہ کل آٹھ مہینہ تخت پر رہا، اس کے بعد اس کا صغیر السن لڑکا تخت پر بیٹھا، اسے ایک درباری افسر قتل کر کے خود بادشاہ بن گیا، چند دنون کے بعد دوسرے درباریون نے اسے قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا، ایک سال بعد یہ بھی مر گیا، اس وقت شاہی خاندان میں ایک صغیر السن بچہ یزدگرد کے علاوہ اور کوئی نہ تھا، اس لئے شاہی خاندان کی ایک عورت بوران دخت کو اس شرط کے ساتھ تخت پر بٹھایا گیا کہ یزدگرد کے سن شعور کو پہنچنے کے بعد وہ بادشاہ بنا یا جائے گا[2]۔

عراق پر عرب قبائل کا تسلط

ان پیہم انقلابات و حوادث نے ایران کی گزشتہ عظمت و شان برباد کر دی تھی

۱؎ ابن سعد ج اول ق اول ص ۱۱۶ ۲؎ اخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری ص ۱۱۲؛

اور ایرانی سلطنت بہت کمزور ہوگئی تھی، اس وقت ایران کے ہم جوار ان عرب قبائل کو جو ہمیشہ سے ایرانیون کے تختۂ مشق بنتے چلے آرہے تھے، بدلہ لینے کا موقع مل گیا، چنانچہ عراق کے عرب قبیلہ وائل کے دو سردارون مثنیٰ ابن حارثہ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت فراہم کر کے حیرہ اور ابلہ پر تاخت شروع کردی، گو ایران کی حکومت پر زوال طاری ہوچکا تھا، تاہم اس گئی گذری حالت مین بھی اس کو زیر کرنا عرب سردارون کے بس کی بات نہ تھی، اس لئے مثنیٰ[1] نے مدینہ جاکر حضرت ابوبکرؓ صدیق سے باقاعدہ عراق پر حملہ کی اجازت حاصل کی، مثنیٰ خود مسلمان تھے لیکن ان کا قبیلہ عیسائی تھا، مدینہ سے واپس ہوکر انھون نے سب سے پہلے اپنے قبیلہ کو مسلمان بنایا، اس کے بعد اسے لے کر عراق روانہ ہوئے،

عراق پر فوجکشی اور فتوحات

اس وقت حضرت خالدؓ بن ولید مدعیان نبوت اور مرتدین کی مہم سے فراغت پاچکے تھے، لیکن ابھی واپس نہ ہوئے تھے، مثنیٰ کی درخواست پر حضرت ابوبکرؓ نے انھین راستہ ہی سے ان کی مدد کے لئے عراق جانے کا حکم دیا، چنانچہ وہ فوجین لئے ہوئے سیدھے عراق روانہ ہوگئے، اور مثنیٰ کو ساتھ لے کر بانقیا اور بارسوا کے حاکمون کو مطیع کرتے ہوئے ابلہ پہنچے، اور عراق کے ایرانی حاکم ہرمز کو لکھا کہ یا اسلام قبول کرو، یا جزیہ ادا کرو، ورنہ تم کو ایک ایسی قوم سے لڑنا پڑے گا جو موت کی اتنی ہی آرزومند ہے جتنی تم زندگی کی تمنا رکھتے ہو، ہرمز نے یہ خط اردشیر کے پاس ایران بھجوادیا، اور خود خالدؓ بن ولید کے مقابلہ کے لئے نکلا، مقام کاظمہ مین دونون کا مقابلہ ہوا، ایرانیون نے اپنے پیرون کو زنجیرون سے جکڑلیا تھا، تاکہ میدان سے منھ نہ موڑنے پائے، لیکن مسلمانون نے اس زنجیر آہن کے بھی ٹکڑے کردیے، ایرانیون نے نہایت فاش شکست کھائی، اور ہرمز مارا گیا،

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۵۰،

دوسری طرف اردشیر نے ہرمز کا خط پاتے ہی قارن کی ماتحتی مین ایک فوج گران اس کی مدد کے لئے روانہ کردی تھی، اس کو مقام مذار مین ہرمز کی شکست کی خبر ملی، اس لئے قارن یہین ٹھہر گیا، ہرمز کی شکست خوردہ فوج بھی مذار پہنچ گئی، خالدؓ کو اس کی خبر ملی تو وہ مذار پہنچے، دونون مین مقابلہ ہوا، ایک خونریز جنگ کے بعد ایرانیون نے نہایت فاش شکست کھائی، ان کی تیس ہزار سپاہ کام آئی، اور قارن، انوشجان اور قباذ تمام بڑے بڑے افسر مارے گئے،[1]

اس شکست اور فوج کی بربادی کی خبر پایہ تخت پہنچی تو اردشیر کو نہایت سخت رنج ہوا، اس نے ایران کے ممتاز بہادر اندرزغر اور بہمن جاذویہ کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ روانہ کیا، یہ دونون سپہ سالار ایرانی سپاہ کے علاوہ حیرہ اور کسکر کے تمام باشندون اور عیسائی عربون کو ساتھ لیتے ہوئے دلجہ مین آکر خیمہ زن ہوئے،

خالدؓ بن ولید کو اس اجتماع کی خبر ہوئی تو وہ مقابلہ کے لئے بڑھے، ایرانیون کے لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر تھوڑی سی فوج ساحل کے نشیب مین چھپادی، اور خود آگے بڑھ کر صف آرا ہوئے، ایرانی پہلے سے تیار تھے، دونون مین نہایت خونریز جنگ ہوئی، جب ایرانی تھک گئے تو تازہ دم مسلمانون نے کمین گاہون سے نکل کر حملہ کردیا، ایرانی اس حملہ کی تاب نہ لاسکے اور بدحواس ہو کر بھاگ نکلے، مسلمانون نے ہر طرف سے گھیر کر قتل کرنا شروع کردیا، اور بیشمار ایرانی مارے گئے، اندرزغر جان بچا کر بھاگ نکلا، لیکن کچھ دور آگے جاکر پیاس کی شدت سے مرگیا،[2]

اس جنگ مین بہت سے عیسائی عرب بھی جنھون نے ایرانیون کا ساتھ دیا تھا مارے گئے تھے، اس لئے اس کے انتقام مین اور تمام عیسائی قبائل بہمن جاذویہ سے جو اولیس مین پڑا ہوا تھا جاکر مل گئے، کسکر کی فتح کے بعد خالدؓ بن ولید الیس پہنچے اور ایرانیون اور عربون دونون کو

---

[1] طبری ج ۴ ص ۲۰۲۷ و ۲۰۲۸ [2] ایضاً ص ۲۰۳۱،

شکست دے کر ان کی بہت بڑی تعداد زندہ گرفتار کر کے قتل کرادی[1]، الیس سے فراغت کے بعد امغیشیا پہنچے، لیکن یہاں کے باشندے ان کا رخ دیکھ کر پہلے شہر خالی کر چکے تھے،

امغیشیا کے بعد خالدؓ فرات کے راستہ سے حیرہ کی طرف بڑھے، حاکم حیرہ نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی اپنے لڑکے آزادبہ کو مسلمانوں کے روکنے کے لئے آگے بھیج دیا تھا، اس نے فرات کا بند باندھ دیا تھا، اس لئے کچھ دور چل کر کشتیاں رک گئیں، یہ صورت دیکھ کر مسلمان کشتیوں سے اتر پڑے، فرات کے دہانہ پر آزادبہ کا مقابلہ ہوا، آزادبہ شکست کھا کر مارا گیا[2]،

آزادبہ کو ختم کرنے کے بعد مسلمانوں نے فرات کا بند کھول کر حیرہ کا راستہ لیا، آزادبہ حیرہ چھوڑ کر آگے جا چکا تھا، اہل شہر نے دروازے بند کر لئے، خالدؓ نے ان کا محاصرہ کر لیا، عرصہ تک محاصرہ جاری رہا، آخر میں ایرانیوں نے محاصرہ سے گھبرا کر ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ پر صلح کر لی، خالد نے یہ عہد نامہ لکھکر ان کے حوالہ کیا کہ "اہل حیرہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے، ہم اس کے معاوضہ میں انکی حفاظت کرینگے، اور اگر انکی حفاظت نہ کر سکیں تو یہ رقم ان پر واجب نہ ہوگی اور اگر وہ بدعہدی کریں تو ہم بری الذمہ ہیں[3]، مسلمانوں کی ان فتوحات اور خالدؓ کے حسن سلوک سے حیرہ کے قرب وجوار کے باشندوں نے بھی بیس ہزار درہم پر صلح کر لی، اور جنوبی عراق پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا[4]،

اس دوران میں اردشیر مر گیا تھا، اس کی موت سے ایران کے اندرونی اختلافات اور زیادہ بڑھ گئے تھے، لیکن مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے پوری قوم متحد تھی، چنانچہ انھوں نے اپنے اندرونی اختلافات کو مٹا کر فرخ زاد کو بادشاہ بنایا، ایرانی فوجیں اس وقت شمالی عراق میں عین التمر سے لے کر انبار اور فراض تک پھیلی ہوئی تھیں، جنوبی عراق کی تسخیر کے بعد خالدؓ بن ولید اس کی حفاظت کے لئے قعقاع بن عمرو کو چھوڑ کر انبار پہنچے، ایرانی فوجیں قلعہ بند تھیں،

---

[1] طبری ج ۴ ص ۲۰۳۱ تا ۲۰۳۳، [2] ابن اثیر ج ۲ ص ۲۹۸، [3] طبری ج ۴ ص ۲۰۳۷ تا ۲۰۴۱، [4] ابن خلدون ج ۲ ص ۸۱،

خالدؓ نے محاصرہ کر کے قلعہ پر حملہ شروع کر دیا، لیکن ایرانی خندق کے اس پار سے تیر بازی کر رہے تھے، اس لئے مسلمانون کا حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا، یہ صورت دیکھ کر خالدؓ نے بھی تیر باری کا حکم دے دیا، اور مسلمانون نے تیر برسا کر ہزارون آنکھین بے کار کر دین، اس سے ایرانی گھبرا گئے، اور خالدؓ نے خندق پٹوا کر فوجین پار اتار دین، ایرانی تیر باری سے پہلے ہی گھبرا چکے تھے، مسلمانون کے خندق عبور کرنے کے بعد ان کے اوسان اور خطا ہو گئے، اور انھون نے سپر ڈال کر صلح کر لی،[1]

خالدؓ نے انبار کا معرکہ سر کیا تھا کہ دوسری طرف بہرام چوبین کا لڑکا تازہ دم فوجین لے کر عین التمر پہنچ گیا، عربی قبائل مین نمر، تغلب اور ایاد وغیرہ بھی اس کے ساتھ تھے،[2] اس لئے انبار کا معرکہ سر کرنے کے بعد خالدؓ عین التمر پہنچے، بہرام چوبین کا لڑکا بڑا متعصب تھا، اگرچہ عرب قبائل نے اس کا ساتھ دیا تھا، لیکن اس نے قومی عصبیت مین انھین آگے کر دیا، بعض ایرانی اس پر معترض ہوئے تو جواب دیا کہ ان کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے اس لئے انھی کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے کٹانا چاہئے، مقام کرخ مین دونون کا مقابلہ ہوا، خالدؓ نے عربون کے سردار عقہ بن عقہ کو گرفتار کر لیا، اس کی گرفتاری کے بعد عربون نے سپر ڈال دی، خالدؓ نے ان کی بہت بڑی تعداد گرفتار کر لی، اور ان کی قوم فروشی کی سزا مین انھین قتل کر دیا، اس کے بعد ایرانیون کے مقابلہ کے لئے جو قلعہ مین محفوظ تھے، پہنچے، انھون نے نکل کر مدافعت کی، لیکن ناکام ہو کر پھر قلعہ مین گھس گئے، خالدؓ نے بزور شمشیر قلعہ فتح کر لیا،[3] اور معمولی خراج کے علاوہ اور مفتوحہ علاقہ پر کوئی ٹیکس نہین لگایا،[4]

عراق و شام کی سرحد دومۃ الجندل مین عہد نبویؐ سے عربی عیسائی قبائل مسلمانون کے

---

[1] طبری ج ۴ ص ۲۰۵۹ تا ۲۰۶۱ و فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵ [2] ابن اثیر ج ۲ ص ۲۹۰
[3] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵ [4] طبری ص ۲۰۶۳،

خلاف سازشیں کیا کرتے تھے، غزوۂ تبوک اسی سلسلہ میں ہوا تھا، اور خالدؓ نے یہاں کے ایک فرمانروا اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کرکے مطیع بھی بنایا تھا، ان سازشوں کا سلسلہ اب تک قائم تھا، اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے اس کے تدارک کے لیے عیاض بن غنمؓ کو مامور فرمایا، یہ مہم تنہا ان کے بس کی نہ تھی، اس لئے انہوں نے خالد بن ولیدؓ سے جو قریب ہی موجود تھے مدد مانگی، وہ فوراً پہنچے، اکیدر بن عبدالملک کو ایک مرتبہ خالدؓ کا تجربہ ہو چکا تھا، اس لیے اس نے دوسرے فرمانروا جودی وغیرہ کو جنگ سے روکا، مگر جودی نہ مانا، اکیدر نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور عیاضؓ اور خالدؓ نے دومۃ الجندل کا محاصرہ کرلیا، جودی نے مقابلہ کیا، اور شکست کھا کر مارا گیا، خالدؓ نے پھاٹک توڑ کر قلعہ پر قبضہ کر لیا، بنی کلب کو ایک مسلمان عاصم نے امان دے دی باقی قبائل قتل کر دیے گئے۔[۱]

ادھر خالدؓ دومۃ الجندل کی مہم میں مشغول تھے، دوسری طرف عراق میں عرب قبائل نے ایرانیوں کو عراق واپس لینے کے لئے ابھارا، اور زرمہر اور روزبہ عربوں کو ساتھ لے کر حصید اور خنافس کی طرف بڑھے، اس درمیان میں خالد بن ولیدؓ دومۃ الجندل کی مہم سے فراغت حاصل کرکے حیرہ پہنچ گئے، اور قعقاع اور ابو لیلیٰ کی مدد کے لئے جو ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے خنافس جا رہے تھے، خنافس روانہ ہو گئے، عین التمر میں ان سے ملاقات ہوئی، یہاں سے خالدؓ نے قعقاع کو حصید اور ابو لیلیٰ کو خنافس بھیجا، قعقاع نے حصید پہنچکر زرمہر اور روزبہ کو شکست دیکر قتل کر دیا، باقی شکست خوردہ فوج خنافس چلی آئی، عین اس وقت جب ابو لیلیٰ یہاں پہنچے تھے انہیں دیکھ کر ایرانی مصیخ کی طرف ہٹ گئے، خالدؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ قعقاع اور ابو لیلیٰ وغیرہ کو لیتے ہوئے مصیخ پہنچے اور شبخون مار کر ایرانیوں کو نہایت فاش شکست دی، دوسری

---

[۱] ابن خلدون ج ۲ ص ۶۹ [۲] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۰۳،

طرف عرب سردار ربیعہ بن بجیر اور ہذیل عرب قبائل کو لئے ہوئے ایرانیون کی مدد کے لئے ثنی اور بشر مین مقیم تھے، اس لئے مصیخ کے بعد خالد اور ان کے ہمراہیون نے مل کر ثنی اور بشر مین عربون پر شبخون مارا، ہذیل کے علاوہ باقی سب مقتول ہوئے، اس کے بعد وہ بشر کے عرب جتھون کو صاف کرتے ہوئے فراض کے ارادہ سے رضاب آئے،

فراض نہایت اہم مقام تھا، یہان شام، عراق اور جزیرہ کی سرحدین ملتی تھین، اس لئے اپنی حفاظت کے لئے، رومی بھی ایرانیون کے ساتھ مل گئے، اور ان تینون کی متحدہ فوجین فراض مین جمع ہوئین، اس لئے خالد کو ان کے مقابلہ کے لئے خاص اہتمام کرنا پڑا، اور فراض پہنچکر از سرِ نو فوجین مرتب کین، ایک طرف ایرانی، عرب اور روم کی متحدہ طاقت تھی، دوسری طرف تنہا مسلمان، درمیان مین فرات حائل تھا، ایرانی، رومی اور عرب نشۂ نخوت مین فرات کو پار کر کے اس پار چلے آئے، لب ساحل فریقین کا مقابلہ ہوا، گرچہ اس جنگ مین مسلمانون کے مقابلہ مین تین تین طاقتین تھین، لیکن ان کے جوشِ جہاد اور سرفروشی نے تینون کو نہایت فاش شکست دی، شکست خوردہ فوجون کے عقب مین دریا حائل تھا اور سامنے مسلمان تھے، اس لئے انھین بھاگنے کا بھی راستہ نہ ملا اور قریب قریب کل فوجین برباد ہوگئین، اس اہم معرکہ کے بعد خالد بن ولید جنگ ملتوی کر کے ثنی کو عراق چھوڑ کر حج کو چلے گئے، وہان سے واپس ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے شام کی مہم پر جہان عرصہ سے جنگ چھڑی ہوئی تھی بھیج دیا، اس لئے سرِ دست عراق کی مہم رک گئی،[2]

عرب اور رومیون کے تعلقات

عربون کی دوسری ہمسایہ حکومت رومیون کی تھی، رومیون کی مرکزی حکومت قسطنطنیہ مین تھی، عرب کے پڑوس شام مین ہرقل رومیون کے ماتحت

[1] طبری ج ۴ ص ۲۰۶۷ تا ۲۰۷۰ [2] ایضاً ص ۲۰۷۳ و ۲۰۷۴،

حکومت کرتا تھا، یہ حکومت گو ایرانیوں کی طرح عربوں کو تحقیر کی نگاہ سے نہ دیکھتی تھی، لیکن دونوں قوموں میں قدیم رقابت چلی آرہی تھی، چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں حبشہ کے عیسائیوں نے رومیوں ہی کے اشارہ سے عربوں کی مرکزیت توڑنے کے لئے "کعبۂ یمانی" بنایا تھا،[۱] ظہور اسلام کے بعد شام کے رومی مسلمانوں کے سخت دشمن ہو گئے تھے، چنانچہ ۶ھ میں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سفیر حضرت دحیہ کلبیؓ کو جو قیصر کے پاس اسلام کا دعوت نامہ لے کر گئے تھے، لوٹ لیا تھا، اور دوسرے سفیر حارث ابن عمرو کو شرجیل حاکم بصری نے جس کے پاس وہ خط لے کر گئے تھے، قتل کر دیا تھا، اسی کے انتقام میں غزوہ موتہ ہوا تھا، پھر ۹ھ میں رومیوں نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مدافعت کے لئے نکلنا پڑا، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ہر وقت رومیوں کے حملہ کا خطرہ لگا رہتا تھا، اسی خطرہ کے انسداد اور شہدائے موتہ کے انتقام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں اسامہ بن زیدؓ کو شام بھیجنے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ آپؐ کا وصال ہو گیا، اور حضرت ابو بکرؓ نے اس کی تکمیل کی غرض ظہور اسلام کے بعد سے مسلمانوں اور شامی رومیوں کے تعلقات نہایت کشیدہ ہو گئے تھے، اور مدینہ پر ان کے حملہ کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا جس کے حالات اوپر گذر چکے ہیں۔

شام پر فوجکشی اور فتوحات

ان اسباب کی بنا پر رومیوں کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے لئے ان سے نپٹنا ضروری تھا، اس لئے ۱۳ھ میں حضرت ابو بکرؓ نے کبار صحابہؓ کے مشورہ سے شام پر فوجکشی کا فیصلہ کیا، اور شام کے ہر ہر حصہ پر علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں، دمشق کی مہم پر یزید بن ابی سفیانؓ مامور ہوئے، حمص پر ابو عبیدہ بن جراحؓ، اردن

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۳۰،

پر شرحبیل بن حسنہ اور فلسطین پر عمرو بن العاص، اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ان سب کے سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے، ان فوجوں کی مجموعی تعداد ستائیس ہزار تھی،[۱]

مسلمانوں کی فوجکشی کے وقت ہرقل والی شام حمص مین تھا، اس کو مسلمانوں کی پیشقدمی کی خبر ہوئی تو اس نے تمام مسلمان افسرون کے مقابلہ کے لئے علٰحدہ علٰحدہ فوجین روانہ کین، تاکہ مسلمان ایک مرکز پر جمع نہ ہو سکیں، چنانچہ جس وقت مسلمانوں نے شام کی سرحد مین قدم رکھا، اس وقت انھین قدم قدم پہ رومی جتھوں کا سامنا ہوا، ان کی کثرت کا اندازہ کر کے مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دی اور دار الخلافہ سے مزید فوجین مدد کے لئے طلب کین، حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولید کو جو عراق مین تھے، حکم دیا کہ وہ عراق کا انتظام مثنیٰ کے ہاتھون مین چھوڑ کر شام چلے جائیں، اس حکم پر وہ فوراً شام روانہ ہو گئے،[۲] اور راستہ مین حارر دار ہوی قصم اور مرج راہط وغیرہ مین چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شام پہنچے،

سرزمین شام مین قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلے بصریٰ پر فوجکشی کر کے یہاں کے بطریق کو شکست دی، اور اہل بصریٰ نے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ جزیہ ادا کرین گے اور مسلمان اس کے معاوضہ مین ان کی حفاظت کرین گے[۳]

دوسری طرف عمرو بن العاص فلسطین کے مورچہ پر تھے، اور ان کے مقابلہ کے لئے اجنادین مین رومیون کا عظیم الشان لشکر جمع تھا، اس لئے بصریٰ سے فراغت کے بعد خالد بن ولید عمرو بن العاص کی مدد کے لئے روانہ ہو گئے، اور رومیون کو شکست دے کر اجنادین پر قبضہ کر لیا، اجنادین کے بعد شام کے صدر مقام دمشق پہنچے اور ابو عبیدہ کے ساتھ مل کر دمشق کا محاصرہ کیا، کامل تین مہینہ تک محاصرہ جاری رہا، ابھی دمشق کا محاصرہ جاری تھا

---

[۱] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۱۰، [۲] ایضاً، [۳] ایضاً ص ۱۱۹،

کہ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ ختم ہو گیا۔

علالت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف

جمادی الثانی ۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ بیمار پڑے، پندرہ دن بخار رہا، آپ خلقۃً نہایت ناتواں تھے، عمر کے تقاضے اور اس علالت نے نہایت جلد نڈھال کر دیا، نشست و برخاست سے معذور ہو گئے، آپ کی علالت میں حضرت عمرؓ امامت کرتے تھے، جب زندگی سے مایوس ہو گئے، تو اکابر صحابہ کو بلا کر ان سے آیندہ اپنے جانشین کے بارہ میں مشورہ کیا، اور اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ "ان کی اہلیت میں کوئی شبہہ نہیں، لیکن وہ کسی قدر سخت ہیں" حضرت عثمانؓ نے فرمایا "ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے" حضرت طلحہؓ عیادت کو آئے ہوئے تھے، انھوں نے بھی حضرت عمرؓ کی درشتیِ مزاج اور تشدد کی شکایت کی اور کہا "جب وہ آپ کے سامنے اتنے سخت ہیں تو آپ کے بعد نہ جانے کیا کریں گے" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا "جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا، تو آپ نرم پڑ جائیں گے"، ایک صحابی نے کہا کہ آپ عمر کی درشتیِ مزاج کے باوجود ان کو اپنا جانشین بنانا چاہتے ہیں، خدا کو آپ کیا جواب دیں گے"، فرمایا میں عرض کردوں گا، کہ "خدایا میں نے تیرے بندوں میں سے ایسے شخص کو منتخب کیا تھا، جو ان سب میں اچھا تھا"

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو بلا کر وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھوائے تھے کہ ضعف سے غش آگیا، حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا، تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش آیا تو تحریر پڑھوا کر سنی، حضرت عمرؓ کا نام سن کر بے اختیار زبان سے اللہ اکبر نکل گیا، اور فرمایا "خدا تم کو جزائے خیر دے تم نے میرے دل کی بات لکھ دی" وصیت نامہ مکمل کرانے کے بعد اپنے غلام کو حکم دیا کہ اسے لے جا کر صحابہ کے عام مجمع میں سناؤ اور خود

بالاخانہ پر جاکر حاضرین سے فرمایا کہ "میں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا، بلکہ اس شخص کو منتخب کیا ہے جو میرے نزدیک تم سب میں بہتر ہے" سب نے بالاتفاق اس حسنِ انتخاب کی تائید کی، اس کے بعد حضرت عمرؓ کو بلا کر ضروری وصیتیں کیں[1]،

آخری وصیتیں اور وفات

انتخابِ خلیفہ کی اہم ذمہ داری سے فراغت کے بعد حضرت عائشہؓ کو بلا کر فرمایا کہ "میرے بعد بیت المال کا جو قرض میرے ذمہ ہے اسے ادا کرنا، میرے پاس مسلمانوں کے مال سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں ہیں، اسے عمرؓ کے پاس بھجوا دینا، اس کے علاوہ اگر کوئی اور چیز نکل آئے تو اسے بھی بیت المال میں داخل کرا دینا، کفن کے متعلق فرمایا کہ "میرے بدن پر جو کپڑا ہے اسی کو دھو کر کفن دینا، پھر پوچھا آج کون دن ہے، معلوم ہوا دوشنبہ، پوچھا رسول اللہؐ نے کس دن انتقال فرمایا تھا، عرض کیا گیا اسی دن، فرمایا میری بھی یہی آرزو ہے، یہ آرزو پوری ہوئی اور ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ کو دوشنبہ کا دن گذرنے کے بعد شب کو انتقال فرمایا، انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی، مدتِ خلافت دو سال تین مہینہ دس دن[1]،

وصیت کے مطابق رات ہی کو تجہیز و تکفین ہوئی، آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس نے غسل دیا، عمر فاروقؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اور آقائے نامدار کے پہلو میں ساری عمر جس کی رفاقت میں گذری تھی سپردِ خاک کئے گئے،

وفات کے بعد عبداللہؓ، عبدالرحمنؓ، اسماءؓ اور عائشہؓ (ام المومنین) کئی اولادیں یادگار چھوڑیں، ایک صاحبزادی وفات کے بعد پیدا ہوئیں،

عہدِ صدیقی پر مختصر تبصرہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ تعلیمِ اسلام کا زندہ پیکر اور اخلاقِ نبوی کی مجسم تصویر تھے،

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول، ذکر وصیت ابی بکرؓ،

آپ کے دور کی یہ خاص خصوصیت ہے، کہ اس مین کوئی کام ایسا نہین ہونے پایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین نہ ہوا ہو، آپ کو کل سوا دو سال مسلمانون کی خدمت کا موقع ملا، اس قلیل مدت مین آپ نے اسلام اور مسلمانون کی وہ گرانقدر خدمات انجام دین، اور آیندہ حکمرانون کے لئے ایسا نمونہ چھوڑ گئے، جو دوسرون سے برسون مین ممکن نہ تھا،

آپ نے سب سے زیادہ اس کا لحاظ رکھا کہ کسی امر مین عہدِ نبوی سے سرِ مو تجاوز نہ ہونے پائے، گو عہدِ رسالت کے قرب کے اثر سے اس کے تدارک کی ضرورت کم پیش آتی تھی، لیکن جہان ادنیٰ شائبہ بھی نظر آتا تھا سختی کے ساتھ اس کا تدارک فرماتے تھے، جہان تک فتوحات اور نظامِ خلافت مین وسعت کا تعلق ہے، خلیفۂ ثانی کا زمانہ آپ کے زمانہ سے زیادہ مہتم بالشان تھا، لیکن یہ اسی بنیاد کا نتیجہ تھا جو ابوبکر صدیقؓ رکھ گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ساتھ ہی جدید الاسلام عربون نے جزیرۃ العرب مین شمعِ اسلام کو گل کر دینا چاہا تھا، اور قریب قریب سارا عرب مرتد ہو گیا تھا، جو قبائل اسلام پر قائم بھی تھے، انھون نے اسلام کے ایک رکنِ اعظم زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، جھوٹے مدعیانِ نبوت علیحدہ اسلام کو زیر و زبر کر دینا چاہتے تھے، ان نازک حالات مین محض ابوبکر صدیقؓ کی روشن ضمیری اور استقلال نے اسلام کی کشتی کو بھنور سے نکالا، حضرت عمرؓ جیسے بزرگ بھی منکرین زکوٰۃ پر تلوار اٹھانے کے خلاف تھے، لیکن حضرت ابوبکرؓ کے استقلال نے بزور ان سے زکوٰۃ وصول کر کے انھیں اسلام پر دوبارہ قائم کیا،

ملکی انتظام | چون کہ حضرت ابوبکرؓ کسی کام مین عہدِ نبوی سے سرِ مو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے تھے اس لئے آپ کے زمانہ مین جملہ امور عہدِ رسالت کے نظام پر قائم رہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانہ مین کسی نظام کے بدلنے کی بھی زیادہ ضرورت محسوس نہیں ہوئی، تمام اہم امور اکابر صحابہ کے مشورہ سے انجام پاتے تھے، ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش آتا تھا

تو حضرت ابوبکرؓ اہل الرائے اور فقہائے صحابہ سے مشورہ کرتے تھے، اور مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز صحابہ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ کو مجلس مشورت طلب کرتے تھے[1]

جزیرۃ العرب کو جس کی اب تک کوئی تقسیم نہ تھی، البتہ انتظامی سہولت کے خیال سے مدینہ، مکہ، طائف، صنعا، نجران، حضرموت، بحرین اور دومۃ الجندل مختلف صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا،

حکام کے انتخاب مین احتیاط اور ان کو مفید نصیحتین

آپ حکام کے انتخاب مین بڑی احتیاط برتتے تھے، اور حکومت کے عہدون کے لئے ان ہی بزرگون کا انتخاب فرماتے تھے، جو درسگاہِ رسالت کے تربیت یافتہ تھے، عہدِ رسالت کے تمام حکام کو ان کے عہدون پر قائم رکھا چنانچہ مکہ پر عتاب بن اسیدؓ، طائف پر عثمان بن ابی العاصؓ، صنعاء پر مہاجر بن ابی امیہؓ، اور زبید پر زیاد بن لبیدؓ حاکم تھے، نئے حکام کا انتخاب اسی اصول کے ماتحت کرتے تھے، اور تقرر کے وقت انھیں نہایت مفید نصیحتیں فرماتے تھے، ولید بن عقبہ محصلِ صدقات کو یہ نصیحت فرمائی ہے۔

"جلوت و خلوت مین خدا کا خوف رکھو، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے گمان مین بھی نہین آسکتا، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ کم کر دیتا ہے، اور اس کا اجر دوبالا کر دیتا ہے، بیشک بندگانِ خدا کی خیرخواہی بہترین تقویٰ ہے، تم خدا کی ایسی راہ مین ہو جس مین افراط و تفریط اور ایسی چیزون سے غفلت کی گنجایش نہیں جس مین مذہب کے استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے، اس لئے سستی اور تغافل کو راہ نہ دینا"[2]

---

[1] طبقات ابن سعد ق ۲ ج ۲ صفحہ ۱۰۹ [2] تاریخ طبری ج ۴ صفحہ ۲۰۸۳،

یزید بن ابی سفیان کو شام کی مہم میں جاتے وقت یہ نصیحتیں فرمائیں ۔

"اے یزید تمھاری قرابت داریاں ہیں، شاید تم ان کو اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ، درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور ان پر کسی کو بلا استحقاق محض رعایت کے طور پر افسر بنا دے تو اس پر خدا کی لعنت ہو، اور خدا اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے گا، یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کرے گا۔"[1]

مالی انتظام

عہد صدیقی میں زکوٰۃ، عشر، جزیہ، اور غنیمت کی آمدنی میں کافی اضافہ ہو گیا تھا، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے کوئی خزانہ قائم نہیں کیا، بلکہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی، اسلامی ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا اس کو بلا تفریق آزاد و غلام، ادنیٰ و اعلیٰ، مرد اور عورت عام مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے، چنانچہ خلافت کے پہلے سال دس دس درہم اسی اصول پر تقسیم کئے، دوسرے سال بیس بیس درہم، اس مساوات پر ایک شخص نے اعتراض کیا، تو فرمایا فضل و منقبت اور شے ہے، اس کو رزق کی کمی بیشی سے کوئی علاقہ نہیں،[2]

آخر عہد خلافت میں بیت المال کے لئے ایک عمارت تعمیر کرائی تھی، لیکن اس میں کوئی رقم جمع کرنے کی نوبت نہ آئی، اسی لئے اس کی حفاظت کا بھی کوئی انتظام نہ تھا، ایک مرتبہ کسی نے کہا آپ بیت المال کی حفاظت کے لئے کوئی محافظ کیوں نہیں مقرر فرماتے جواب دیا اس کی حفاظت کے لئے ایک قفل کافی ہے،[3] اکثر ایسا ہوتا کہ روپیہ تقسیم کر دینے کے بعد بیت المال میں جھاڑو پھروا دیتے، اسی کا نتیجہ تھا کہ وفات کے بعد جب بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا،[4]

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج اول صہ [2] ابن سعد ق اول ج ۳ صہ ۱۵۱ [3] ایضاً [4] ایضاً،

فوجی نظام

فوج کا بھی کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا، بلکہ عہدِ رسالت کی طرح ضرورت کے وقت مسلمان خود ہی جوشِ جہاد مین جمع ہو جاتے تھے، عہدِ صدیقی میں اتنا البتہ اضافہ ہوا کہ ضرورت کے لحاظ سے فوج کی تقسیم قبائل اور دستون پر کردی گئی، جن پر علٰحدہ علٰحدہ افسر ہوتے تھے، اور ان سب پر ایک امیر العسکر ہوتا تھا، چنانچہ شام کی فوجکشی مین خالد بن ولید، یزید بن ابی سفیان ابوعبیدہ بن جراح اور عمرو بن العاص کے علٰحدہ علٰحدہ دستے تھے، اور سب کے امیر العسکر حضرت ابوعبیدہؓ تھے، فوجون کو رخصت کرتے وقت ان کی اخلاقی نگہداشت کے لئے مفید ہدایات فرماتے تھے، چنانچہ شام کے افسرانِ فوج سے یہ باتین ارشاد فرمائین،

"تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنھون نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کردیا ہے، ان کو چھوڑ دینا، مین تم کو دس وصیتین کرتا ہون، کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درختون کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، کھانے کے سوا بکری اور اونٹ کو بیکار ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت مین غبن نہ کرنا، بزدلی نہ دکھانا[1]"

فوجی اخلاق کی اس سے بہتر اور جامع تعلیم آج بھی ممکن نہین ہے،

بیت المال کی آمدنی سے فوجی اخراجات کے لئے ایک رقم الگ نکال لیتے تھے جس سے اسلحہ اور بار برداری کے جانور خریدے جاتے تھے[2]، اور جہاد کے اونٹون اور گھوڑون کی پرورش کے لئے بعض چراگاہین مخصوص کردی تھین[3]،

ذمیون کے حقوق کی نگہداشت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت ذمیون کے حقوق کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی تھی، اس لئے حضرت ابوبکرؓ ان کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، عہدِ رسالت

[1] تاریخ الخلفاء ص ۹۶ [2] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۱۲ [3] کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۲،

مین ان کے حقوق متعین ہو چکے تھے، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین بھی ان کو وہی حقوق حاصل رہے اور آپنے اس کی تجدید و توثیق فرمائی، اور نئے ذمیون کو بھی وہی حقوق عطا فرمائے، چنانچہ حیرہ کے عیسائیون کو از روئے معاہدہ یہ حقوق دے۔

"ان کی خانقاہین اور گرجے نہ منہدم کئے جائین، اور نہ ان کا کوئی ایسا قصر گرایا جائیگا جس مین وہ ضرورت کے وقت دشمنون کے مقابلہ مین قلعہ بند ہوتے ہین، ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہوگی، اور نہ تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے سے روکے جائینگے[1]"

جزیہ کی شرح نہایت آسان تھی، اور اس سے بھی بکثرت ذمی مستثنیٰ کر دیے جاتے تھے، چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندون مین ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے، اور باقی سے دس دس درہم سالانہ لیا جاتا تھا، اور اپاہج اور نادار ذمیون کی کفالت کا بیت المال ذمہ دار تھا،[2]

تحفظ دین | خلافت کا مقصد تحفظ دین اور اس کے احکام کا قیام و نفاذ ہے، اس لئے حضرت ابوبکرؓ کو تحفظ دین مین بڑا اہتمام تھا، کوئی نئی بات جو عہد رسالت مین نہ تھی، نہ ہونے دیتے تھے، گو عہد رسالت کے قرب کی وجہ سے اس کی ضرورت کم پیش آئی، لیکن جہان اس کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا تھا، اس کا تدارک فرماتے، اس مین احتیاط کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کتابی صورت مین قرآن کی تدوین سے محض اس بنا پر تامل تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہین فرمایا، حدیثون کی روایت مین بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے، تحفظ دین کے لئے اکابر صحابہ کا محکمۂ افتا قائم تھا،

تدوین قرآن | عہد صدیقی کا ایک بڑا کارنامہ کتابی شکل مین قرآن مجید کی تدوین ہے، اس کا باعث یہ ہوا کہ عہد صدیقی کی لڑائیون خصوصاً یمامہ کی جنگ مین حفاظ قرآن صحابہ کی بڑی

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف [2] ایضاً،

تعداد شہید ہوگئی، اس وقت حضرت عمرؓ کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر حفاظِ قرآن کی شہادت کا یہ سلسلہ قائم رہا تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا، اس لئے انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے جمع قرآن کی درخواست کی، حضرت ابوبکرؓ کو یہ عذر ہوا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، اسے میں کس طرح کروں، لیکن حضرت عمرؓ کے پیہم اصرار سے آپ کے ذہن میں بھی اس کی مصلحت آگئی، چنانچہ آپ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو جو عہدِ نبوی میں کاتبِ وحی تھے، قرآن کے جمع کرنے کا حکم دیا، ان کو بھی اس بارِ گراں کے اٹھانے میں تامل ہوا، لیکن پھر ان کے ذہن میں بھی بات آگئی، چنانچہ انھوں نے مختلف لکھے ہوئے اجزاء، اور حفاظِ قرآن کے سینوں سے قرآن کی سورتوں کو جمع کر کے کتابی صورت میں مدون کر دیا،[1]

اس روایت سے ایک عام غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ عہدِ نبوی میں قرآن مرتب نہ تھا، یعنی اس کی آیات اور سورتوں میں کوئی ترتیب نہ تھی، اور نہ سورتوں کے نام رکھے گئے تھے، یہ کام حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں انجام پایا، لیکن ایسا سمجھنا سراسر غلط ہے، قرآن کے احکام کی طرح اس کے آیات و سُوَر کی ترتیب اور ان کے نام بھی الہامی ہیں، اور حیاتِ نبوی میں قرآن کی پوری ترتیب ہو چکی تھی، موجودہ قرآن اسی ترتیب کے مطابق ہے، البتہ کتابی صورت میں پورا قرآن مدون نہ تھا، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں یہی کام ہوا، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں،

"اللہ تعالیٰ نے اپنے قول يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً میں بیان فرمادیا ہے کہ قرآن صحیفوں میں جمع ہے، قرآن صحیفوں میں لکھا ہوا موجود تھا، لیکن اس کے اجزاء متفرق تھے حضرت ابوبکرؓ نے ان کو یک جگہ جمع کر دیا، جو ان کے بعد محفوظ رہا، اور حضرت عثمانؓ نے اس کے متعدد نسخے نقل کرا کے دوسرے شہروں میں بھیجے"[2]

---

[1] بخاری ج ۲ باب جمع القرآن [2] فتح الباری ج ۹ ص ۱۰،

حدیث کی کتابون مین اس قسم کی بکثرت روایات ہین کہ جب کوئی سورہ، آیت یا حکم نازل ہوتا تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاتب وحی صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ اسے فلان سورہ مین فلان آیت کے بعد لکھا جائے، اور جب ایک سورہ ختم ہوجاتی تھی، تو دوسری شروع ہوتی تھی، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ بہ یک وقت مختلف آیات نازل ہوتی تھین، آپ انھین مضمون اور معنی کی مناسبت سے مختلف سورتون مین لکھواتے تھے، اس طرح قرآن کے نزول کے ساتھ آپ کی ہدایت کے مطابق آیات وسُوَر کی ترتیب بھی ہوتی جاتی تھی، آپ کی نمازون کے سلسلہ مین اس قسم کی بہت سی روایات ہین کہ فلان فلان وقت کی نماز مین آپ نے فلان فلان سورتین پڑھین، اس سے معلوم ہوا کہ سورتون کے نام بھی متعین ہوچکے تھے، اس سلسلہ مین بخاری کی یہ روایت عہد نبوی مین ترتیب قرآن کا نہایت بیّن ثبوت ہے کہ حضرت جبریل ؑ ہر سال آپ کو ایک مرتبہ قرآن سنایا کرتے تھے اور وفات کے سال دو مرتبہ سنایا،[1] یہ مسلّم ہے کہ آپؐ کی وفات سے پہلے پورا قرآن نازل ہوچکا تھا، اس لئے پورے قرآن سنانے کے یہی معنی ہوسکتے ہین کہ وہ مرتب بھی تھا، بعض صحابہؓ کے پاس پورا قرآن جمع تھا، اور وہ اس کا دورہ کرتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کا بیان ہے کہ مین نے قرآن جمع کیا تھا، اور اس کو ایک رات مین تمام کردیتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ ایک مہینہ مین ختم کیا کرو، مین نے عرض کیا مجھ مین اس سے زیادہ کی طاقت ہے، فرمایا تو بیس دن مین پڑھا کرو، مین نے عرض کیا اس سے زیادہ کی استطاعت ہے، فرمایا تو پندرہ دن مین پڑھا کرو، مین نے عرض کیا اس سے زیادہ پڑھ سکتا ہون، فرمایا تو دس دن مین، مین نے عرض کیا اس سے زیادہ کی قوت ہے، فرمایا تو سات دن مین

[1] بخاری باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبی۔

پڑھا کرو، اس سے زیادہ نہیں[1]"

اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ عہدِ نبوی میں پورا قرآن مرتب تھا، اور صحابہ اس کا دورہ کرتے تھے، حفاظِ قرآن صحابہ کی موجودگی بھی اس کا ایک ثبوت ہے، پھر ان کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی، اس قسم کی دو چار نہیں معلوم کتنی روایتیں ہیں، لیکن انکی تفصیلات میں پڑنے کا یہ موقع نہیں۔

علمی کمالات | جماعتِ صحابہؓ میں صدیق اکبرؓ سب سے زیادہ اسرارِ شریعت کے محرم اور روحِ اسلامی کے دانائے راز تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، جملہ اسلامی علوم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا، قرآن پاک کے فہم وتدبر میں ایسا ذہن وقاد اور نظر دقیق پائی تھی کہ ان کی نظران نکات تک آسانی پہنچ جاتی تھی جن کی طرف عام صحابہ کا ذہن بھی منتقل نہ ہو سکتا تھا، علم الانساب جو عربوں کا بڑا ممتاز علم تھا، بڑے ماہر تھے، اور ان کا شمار ان علمائے انساب میں تھا، جو سارے عرب میں منتخب مانے جاتے تھے[2]، شعر وسخن سے ذوق تھا، اور زمانۂ جاہلیت میں شعر بھی کہتے تھے، لیکن اسلام کے بعد شاعری ترک کر دی تھی، ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے بعض اشعار نقل کیے ہیں، اگرچہ آپ کوئی زباں آور خطیب نہ تھے، لیکن تقریر نہایت موزون اور موثر ہوتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شدتِ الم میں صحابۂ کرام پر جو بدحواسی طاری ہو گئی تھی، اس کو آپ ہی کی تقریر نے دور کیا تھا، سقیفہ بنی ساعدہ کے فتنہ کو آپ ہی کی تقریر نے ٹھنڈا کیا،

سیرۃ الصدیق | ذاتی حیثیت سے بڑے رقیق القلب، نرم خو، متواضع، خاکسار، اور زہد وورع کا مجسم پیکر تھے، اسلام سے قبل بھی آپ کا دامنِ اخلاق مراسم جاہلی سے داغدار نہ ہوا، خلافت سے پہلے تجارت کرتے تھے، خلافت کی ذمہ داری کے بعد یہ شغل جاری نہ رہ سکا، چنانچہ بیت المال سے بقدر کفاف روزینہ مقرر کرا کے تجارت چھوڑ دی اور سارا وقت مسلمانوں کی صلاح

[1] ابوداؤد کتاب الصوم باب فی کم یقرأ القرآن [2] تاریخ الخلفاء ص ۸۰،

وفلاح کی تدبیرون مین سرف کرنے لگے، رقیق القلب ایسے تھے کہ بات بات پر آنکھین اشکبار ہوجاتی تھین، تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ محلہ والون تک کا کام اپنے ہاتھون سے انجام دیتے تھے، اور پڑوسیون کے مویشی تک چراتے اور ان کا دودھ دُھو دیتے، خلافت ملنے کے بعد ایک لڑکی کو جس کی بکری کا دودھ دُھو دیا کرتے تھے، بڑی فکر ہوئی، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خلافت مجھ کو خلق خدا کی خدمت سے باز نہین رکھ سکتی، زہد وعبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر راتین قیام مین اور اکثر دن روزون مین گذرتے تھے، خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت مین چوبِ خشک نظر آتے تھے، رقت اتنی طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی، عبرت پذیری کا یہ حال تھا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لئے دفتر عبرت تھا، کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو فرماتے کاش مین درخت ہوتا کہ آخرت کے خطرون سے محفوظ رہتا، چڑیون کو چہچہاتے دیکھتے تو فرماتے پرندو تم خوش نصیب ہو کہ دنیا مین چرتے چگتے اور درختون کے سایہ مین بیٹھتے ہو، اور قیامت کے محاسبہ کا کوئی خطرہ نہین، کاش ابوبکر تمھاری طرح ہوتا، بات بات پر آہ سرد کھینچتے تھے، یہانتک کہ "آواہ" لقب ہوگیا تھا۔[1]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ق اول، تاریخ الخلفا، اور کنزل العمال ج ۶ مین اس قسم کے بکثرت واقعات ہین،

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

سنہ ۱۳ھ تا سنہ ۲۴ھ

مطابق سنہ ۶۳۴ء تا سنہ ۶۴۵ء

تذکرہ عمرؓ — جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مرض الموت میں حضرت عمرؓ کو نامزد کر گئے تھے، چنانچہ انکی وفات کے بعد جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ میں حضرت عمرؓ ان کے جانشین ہوئے، آپ کا نام عمرؓ اور فاروق لقب ہے، آپ قریش کی شاخ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے، آٹھویں پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے، آپ کا خاندان زمانۂ جاہلیت میں بھی ممتاز تھا، قریش کے نظام میں سفارت اور فصل مقدمات کا عہدہ آپ ہی کے خاندان میں تھا،[1] حضرت عمرؓ کو اسلام سے قبل عرب کے مرغوب فنون میں سپہ گری اور خطابت سے بڑی دلچسپی تھی، معمولی نوشت و خواند سے بھی واقف تھے، معاش کا ذریعہ تجارت تھا، اسی سلسلہ میں دور دور کا سفر کر چکے تھے، ان سفروں نے بہت پختہ کار اور معاملہ فہم بنا دیا تھا، اس لئے سفارت کا خاندانی عہدہ ان کے متعلق ہوا، اور قبائل میں جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آجاتا تھا تو حضرت عمرؓ ہی سفیر بن کر جاتے تھے اور اپنے فہم و تدبر سے اس کو حل کرتے تھے،[2]

ظہور اسلام کے وقت عمائد قریش کی طرح حضرت عمرؓ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اسلام ان کی نگاہ میں سب سے بڑا جرم تھا جس کا مجرم ہر سزا کا مستحق تھا، جو شخص بھی مسلمان

---

[1] عقد الفرید باب فضائل عرب [2] استیعاب ترجمۂ عمرؓ

ہوتا تھا، حضرت عمرؓ اس کے دشمن ہو جاتے تھے، اور اس کو ہر امکانی اذیت پہنچانے مین دریغ نہ کرتے، لیکن تھے بڑے عالی دماغ اور شکوہ و دبدبہ کے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام کی بڑی آرزو تھی، اور آپؐ ان کے اسلام کی دعا فرمایا کرتے تھے[1]، یہ قدرت کا کرشمہ تھا کہ سنہ ۶ھ مین اسی دشمن اسلام کے بہن اور بھائی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے، اور اسی وقت بہنوئی کے یہان جا کر بہن اور بہنوئی کو مارتے مارتے بے دم کر دیا، لیکن ان کی زبان کلمۂ حق سے نہ پھری، ان کا استقلال دیکھ کر دل نے کہا کہ اس دین مین ضرور کوئی بات ہے، چنانچہ بہنوئی سے قرآن سنانے کی خواہش کی، انھون نے چند آیتین سنائین، یہ سحر آفرین آیات سن کر بے اختیار لا الٰہ الا اللہ پکار اٹھے، اس وقت کم و بیش چالیس آدمی مسلمان ہو چکے تھے، لیکن اب تک کسی نے علانیہ عبادت کرنے کی جراءت نہ کی تھی بلکہ بہتیرے اسلام کا اظہار بھی نہیں کر سکتے تھے، عمر فاروقؓ اسلام لائے تو دفعۃً حالت بدل گئی، یہ کسی سے دبنے والے نہ تھے، انھون نے خانۂ کعبہ مین جا کر نماز ادا کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جراءت پر فاروق کا لقب عطا فرمایا[2]،

گو دوسرے غریب مسلمانون کی طرح حضرت عمرؓ کو عمائد قریش نہیں ستا سکتے تھے، پھر بھی جس حد تک بھی ممکن تھا، باز نہ رہے، اور کئی سال تک حضرت عمرؓ ان کی سختیان جھیلتے رہے، اور اذن ہجرت کے بعد انھون نے ہجرت کی، مکہ چھوڑنے سے پہلے جا کر خانۂ کعبہ کا طواف کیا، نماز ادا کی، اور مشرکین سے برملا کہا جس مین جراءت ہو باہر میدان مین آئے لیکن کسی نے ہمت نہ کی[3]،

ہجرت کے بعد بدر و احد وغیرہ تمام بڑے بڑے معرکون مین شریک رہے، جنگِ بدر

---

[1] ترمذی مناقب عمرؓ [2] یہ واقعات انساب الاشراف بلاذری ج اول، طبقات ابن سعد ج ثالث قسم اول و اسد الغابہ تذکرۂ عمرؓ سے ماخوذ ہین [3] زرقانی ج اول ص ۳۱۱،

میں اپنے اعزہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا، غزوۂ تبوک میں آدھا مال خدا کی راہ میں دے دیا،[1] غرض قبول اسلام کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی طرح انھوں نے بھی اپنی جان اور اپنا مال اسلام پر نثار کر دیا، ان کی جرأت و شجاعت اور جان نثاری سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی، ایثار و قربانی میں حضرت ابوبکرؓ کے بعد ان ہی کا درجہ تھا، ان کی جان نثاری و فداکاری اور خدمات اسلامی کی بنا پر ان کو بارگاہِ نبوی میں جو تقرب و اختصاص حاصل تھا وہ حضرت ابوبکرؓ کے سوا اور کسی صحابی کو نہ تھا، آپؐ فرماتے تھے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے،[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ کے فتنہ کو دبانے میں آپ کی کوشش کو بڑا دخل ہے، آپ ہی نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر کے اختلاف کا خاتمہ کیا، عہدِ صدیقی کے جملہ مہمات امور میں حضرت ابوبکرؓ کے خاص مشیر اور دست راست رہے، ان کے ان گوناگون فضائل اور اوصاف کی بنا پر حضرت ابوبکرؓ وفات کے وقت ان کو اپنا جانشین نامزد کر گئے،

خلافت

گو صحابہ میں حضرت عمرؓ کا تدبر، انکی صداقت و حق پرستی اور انکی اہلیت مسلم تھی، لیکن ان کے مزاج کی سختی کی وجہ سے جو ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی، لوگ کسی قدر ڈرتے تھے، چنانچہ استخلاف کے وقت بعض لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اس کا اظہار بھی کیا، لیکن انھوں نے ان کے شبہات دور کر کے مطمئن کر دیا، اور تمام اکابر صحابہ نے اس انتخاب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد وہ جمادی الثانی ۱۳ھ میں تخت خلافت پر متمکن ہوئے،[3]

عراق کی مہم اور فتوحات

آپ کی تخت نشینی کے وقت شام و عراق میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اس لئے تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے ان مہموں کی

---

[1] یہ واقعات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں، [2] مستدرک حاکم ج ۳ فضائل عمرؓ، [3] تفصیل کیلئے دیکھو ابن سعد ج ۳ ق ۱ حالات استخلاف عمرؓ،

طرف توجہ کی، آپ کی بیعت کے سلسلہ مین عرب کے تمام حصون کے مسلمان مدینہ آئے ہوئے تھے، آپ نے ان کے سامنے جہاد پر تقریر کرکے ان کو ایران کی مہم مین شرکت کے لئے ابھارا، لیکن ایک شخص نے بھی آمادگی نہ ظاہر کی، آپ کئی دن تک مسلسل جوش دلاتے رہے، آخر مین مسلمانون مین حرارت پیدا ہوگئی، اور بنی ثقیف کے سردار ابو عبید ثقفی نے اٹھ کر اپنے کو اس خدمت کے لئے پیش کیا، ان کی پیشقدمی پر ہر طرف سے آوازین بلند ہونے لگین، اور تمام مسلمان شرف جہاد حاصل کرنے کے لئے تیار ہوگئے، اور حضرت عمرؓ نے ابو عبید ثقفی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ ایران کی مہم پر روانہ کیا،

عراق کی گذشتہ معرکہ آرائیون نے ایرانیون کو بہت ہوشیار کردیا تھا، اس لئے انھون نے بھی از سر نو فوجی تنظیم کی، بوران دخت نے خراسان کے نامور مدبر اور مشہور بہادر رستم کو سپہ سالار مقرر کیا، اس نے ایرانیون کے مذہبی جذبات بھڑکا کر سارے ایران مین آگ لگادی، اور پوری ایرانی قوم مسلمانون کے مقابلہ کے لئے ہمہ تن جوش بن گئی، اور چند دنون کے اندر عراق کے تمام مفتوحہ علاقون مین بغاوت پھیل گئی، اور فراتی اضلاع مسلمانون کے قبضہ سے نکل گئے،

جدید فوجی تنظیم کے سلسلہ مین بوران دخت نے ایران کے دو نامور بہادرون نرسی اور جابان کو رستم کی امداد پر مامور کیا تھا، یہ دونون فوجین لے کر دو مختلف راستون سے مسلمانون کے مقابلہ کے لئے نکل چکے تھے، دوسری طرف سے ابو عبید آرہے تھے، مقام نمارق مین انکا جابان کا مقابلہ ہوگیا، ابو عبید نے اسے نہایت فاش شکست دی، اس کے دو ممتاز افسر مارے گئے، اور وہ خود زندہ گرفتار ہوا، لیکن جس مسلمان نے اسے گرفتار کیا تھا وہ پہچانتا نہ تھا، اس لئے جابان نے دو غلام دے کر رہائی حاصل کرلی، بعض مسلمانون نے پہچان کر دوبارہ گرفتار کرلیا، لیکن ابو عبید نے یہ کہہ کر کہ جس کو ایک مسلمان رہا کرچکا ہے، اس سے بدعہدی نہیں کیجا سکتی[۱]

[۱] طبری ج ۴ ص ۲۱۶۷

چھوڑ دیا، جابان کو شکست دینے کے بعد ابو عبید آگے بڑھے اور مقام سقاطیہ میں دوسرے افسر نرسی کو بھی نہایت فاش شکست دی، اس کی شکست کے بعد سقاطیہ کے قرب و جوار کے ایرانی امرا نے اطاعت قبول کرلی،

ان پیہم شکستوں کی خبر سن کر رستم نے مردان شاہ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ روانہ کیا، اور ایرانیوں کا مقدس علم درفش کاویانی جو فتح و ظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا، ساتھ کردیا، مردان شاہ نے فرات کے ساحل پر فوجیں اتاریں، دوسری طرف مسلمان تھے، ہر فریق دریا کے پار جانے سے بچنا چاہتا تھا، لیکن ابو عبید جوش جہاد میں ایسے مخمور تھے، کہ دوسرے مسلمان امرا کے اختلاف رائے کے باوجود فرات کو عبور کرکے اس پار چلے گئے، دریا پار ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی، مسلمان جس میدان میں اترے تھے وہ نہایت ناموزون تھا، ایرانی فوج میں دیو پیکر ہاتھی تھے، جن سے عربی گھوڑوں کو کبھی سابقہ نہ پڑا تھا، اس لئے وہ ہاتھیوں کو دیکھ کر بدک گئے، اور مسلمانوں کو پیدل ہو جانا پڑا، گھوڑوں سے اتر کر انھوں نے ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو گرانا شروع کیا، ابو عبید نے لپک کر ایک ہاتھی پر وار کیا، لیکن وار خالی گیا، اور ہاتھی نے ان کو سونڈ میں لپیٹ کر پیروں کے نیچے مسل ڈالا، ابو عبید کے شہید ہوتے ہی مسلمان پسپا ہو گئے، لیکن جگہ بہت کم تھی، آگے ایرانی تھے، اور پیچھے دریا، اس لئے پسپائی میں کئی ہزار مسلمان پانی میں غرق ہو گئے، مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے بڑی مشکلوں سے تین ہزار جانیں بچائیں،

واقعہ بویب سنہ ۱۳ھ
ایرانیوں کی شکست

حضرت عمرؓ نے یہ خبر سنی تو آپ کو مسلمانوں کی جانوں کی بربادی کا سخت قلق ہوا، آپ نے اس کے انتقام کے لئے پر جوش خطبوں سے عربوں میں آگ لگادی، عیسائی عرب بھی قومیت کے جوش میں مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے، اور حضرت عمرؓ نے عبد اللہ بجلی کی ماتحتی میں ایک تازہ دم فوج محاذ جنگ پر روانہ کی، دوسری طرف مثنیٰ نے اپنے طور پر

سرحدی قبائل کی علحدہ ایک فوج تیار کرلی تھی،

بوران وخت کو ان تیاریون کی خبر ہوئی تو اس نے مہران بن جاذویہ کو بارہ ہزار منتخب بہادرون کے ساتھ مقابلہ کے لئے بھیجا، مسلمان بویب مین خیمہ زن تھے، اس لئے مہران سیدھا بویب آیا، اور فرات کو عبور کرکے اس کے اس پار صف آرا ہوا، مسلمان پہلے سے تیار تھے. دونون مین نہایت سخت مقابلہ ہوا، گذشتہ جنگ مین جن مسلمانون کے پاؤن اکھڑ گئے تھے وہ اس کی تلافی مین اس بے جگری سے لڑے کہ قریب قریب سب نے درجۂ شہادت حاصل کیا، مثنیٰ نے اپنے قبیلہ کو لے کر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیون کی صفین درہم برہم ہوگئین، اور وہ بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے، اس ریلے مین بنی تغلب کے ایک آدمی نے مہران کو قتل کردیا، مثنیٰ فرات کے پل کو روک کر کھڑے ہوگئے اور جتنی ایرانی سپاہ نے اس کو عبور کرنے کی کوشش کی سب کو تہ تیغ کردیا، اس معرکہ کے بعد مسلمان سارے عراق مین پھیل گئے،[1]

ایرانیون کا جوش اس شکست اور ایرانی فوجون کی بربادی کی خبر پایۂ تخت پہنچی، تو ایرانیون مین بڑا جوش پھیل گیا، انھون نے بوران وخت کو تخت سے اتار کر سترہ سالہ یزدگرد کو تخت نشین کیا اور از سر نو فوجی انتظامات کرکے چند دنون مین تمام قلعون اور چھاؤنیون کو جنگی سامانون سے بھر دیا، ان انتظامات کے ساتھ ہی سازش کرکے تمام مفتوحہ علاقون مین بغاوت پھیلادی، اس بغاوت مین بہت سے علاقے مسلمانون کے قبضہ سے نکل گئے، اور مثنیٰ مجبور ہوکر عرب کی سرحد پر ہٹ آئے، اور فوراً حضرت عمرؓ کو اس صورت حال کی اطلاع بھجوائی،

حضرت عمرؓ کی تیاریان حضرت عمرؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے تمام عرب کے نامور بہادرون، رئیسون، خطیبون، اور اہل الرائے اشخاص کو مدینہ طلب کیا، آپ کی دعوت پر سارا عرب اُمنڈ آیا،

[1] اخبار الطوال دینوری صد ۱۲۰، ۱۲۱

انھیں ساتھ لے کر آپ نے بنفس نفیس نکلنے کا ارادہ کیا، مگر اکابر صحابہ نے مخالفت کی کہ آپ کا دار الخلافہ چھوڑنا مناسب نہیں ہے[1]، اس لئے آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، اور عہدِ رسالت میں بڑے کارہائے نمایاں کر چکے تھے، سپہ سالار اعظم مقرر کر کے بیس ہزار فوج کے ساتھ ایران روانہ کیا، اور چلتے وقت بڑی بیش قیمت نصیحتیں کین، اس فوج مین ستر بدری صحابی، تین سو بیعتِ رضوان کے جان نثار، اسی قدر فتح مکہ مین شریک ہونے والے اصحاب اور اتنے ہی صحابہ زادے تھے، حضرت عمرؓ تجارت کے سلسلہ مین سارے عراق کا سفر کر چکے تھے، اور یہان کے چپہ چپہ سے واقف تھے، اس لئے فوج کی نقل و حرکت اس کی ترتیب و تنظیم اور مورچہ بندی سب اپنے ہاتھ مین رکھی، سعد بن وقاص کو ہدایت تھی کہ وہ ہر منزل اور ہر مرحلہ کا مفصل نقشہ بھیجتے رہین، چنانچہ انھون نے سب سے پہلی منزل شراف کا نقشہ بھیجا، حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ کر فوج کی تنظیم اور پیشقدمی کے متعلق مختلف مفید ہدایات بھیجیں[2]، شراف کے بعد سعد بن ابی وقاص نے قادسیہ کا پورا نقشہ بھیجا، حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ کر آیندہ پیشقدمی کے متعلق ہدایات بھیجین[3]، اور حکم دیا کہ جنگ سے پہلے اسلامی سفیرون کو تبلیغِ اسلام کے لئے دربار ایران بھیجا جائے،

اسلامی سفارت اس حکم پر سعد بن ابی وقاص نے قادسیہ کے میدان مین مورچہ بندی کی، اور اشعث بن قیس کندی کو چند آدمیون کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لئے ایرانی لشکر مین بھیجا، انھون نے جاکر اسلام پیش کیا، رستم نے پوچھا تم کس ارادہ سے آئے ہو، مسلمانون نے جواب دیا، یزدگرد کے دونون مین گفتگو ہوئی، آخر مین مسلمانون نے کہا کہ ہمارے نبی کی پیشین گوئی ہے کہ ہم تمھاری زمین پر قابض ہون گے، رستم نے ان ... کی تحقیر کے لئے تھوڑی سی خاک منگا کر دی، کہ لو ہماری زمین

[1] فتوح البلدان ص ۲۶۴ [2] طبری ج ۴ ص ۲۲۲۳ و ۲۲۲۹ [3] طبری ج ۴ ص ۲۲۹ و ۲۲۳۰،

مین تمھارا یہ حصہ ہے، عمرو بن معدی کرب یہ خاک دامن مین لے کر لوٹ آئے، اور اپنے ساتھیون سے کہا کہ ان کے ملک پر قبضہ کے لئے یہ فال نیک ہے، رستم کے بعد ان لوگون نے یزدگرد کے پاس جا کر اسلام پیش کیا، اس نے جوشِ غضب مین کہا اگر سفیرون کا قتل کرنا ناروا نہ ہوتا تو تم مین سے کوئی گردن سلامت نہ لیجا سکتا، اور رستم کو سخت تنبیہ کی کہ اس نے انھین کیون آنے دیا[1]۔

رستم کو مسلمانون کا پورا تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے وہ جنگ سے بچنے کے لئے حیلے ڈھونڈتا تھا چنانچہ یزدگرد کے تاکیدی احکام کے باوجود جنگ کو ٹالتا رہا، اور قادسیہ پہنچنے کے بعد اس نے پھر کوشش کی، اور سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ وہ گفتگو کے لئے دوبارہ آدمی بھیجین، انھون نے مغیرہؓ بن شعبہ کو چند آدمیون کے ساتھ بھیجا، رستم نے انھین مرعوب کرنے کے لئے بڑے ٹھاٹھ کا دربار آراستہ کیا، مغیرہ اس شان سے تھے کہ تلوار بھی قرینہ کی نہ تھی، نیام کے بجائے اوپر چیتھڑے لپیٹے ہوئے تھے، اسی شان سے دربار مین داخل ہوئے، دونون مین بڑی طویل گفتگو ہوئی، آخر مین رستم نے انھیں طمع دلائی کہ "غالباً تم لوگ معاش کی تنگی اور پریشان حالی کی وجہ سے جنگ کے لئے نکلے ہو، ہم تم کو اتنا دینے کے لئے تیار ہین کہ تمھارا پیٹ بھر جائے، اور تمھاری جو خواہشین ہون انھین بھی پوری کرنے کے لئے تیار ہین، مغیرہؓ نے جواب دیا کہ "بیشک ہم بھوکے تھے لیکن خدا نے ہم مین ایک پیغمبر مبعوث کیا، جس کے اتباع سے ہماری بدبختی خوش بختی سے بدل گئی، اس نے ہم کو اپنے دین کے معاندین کے ساتھ جہاد کا حکم دیا ہے، اس لئے ہم تم کو خدائے واحد کی پرستش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہین، اگر اسے قبول کرتے ہو تو فبہا، ورنہ ہمارا تمھارا فیصلہ تلوار کرے گی" یہ سن کر رستم جوشِ غضب سے بھر گیا، اور کہا آفتاب و ماہتاب کی قسم کل طلوعِ صبح سے پہلے تم سب کو خاک مین ملا دون گا، مغیرہؓ یہ سن کر لاحول

---

[1] بلاذری ص ۲۶۶،

ولا قوۃ الا باللہ کہتے ہوئے لوٹ آئے[1]،

قادسیہ کی جنگ اس گفتگو کے بعد ہی فوجون کو تیاری کا حکم دے دیا، اور راتون رات ایرانی فوجین مرتب ہوگئین، صبح ہوتے ہوتے قادسیہ کے میدان مین ہر طرف ایرانی فوجون کا سمندر موجزن تھا،

مسلمان پہلے سے تیار تھے، محرم ۱۴ھ مین فریقین صف آرا ہوئے، عین اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص کو عرق النسار کا دورہ ہوا، اور وہ نقل و حرکت سے مجبور ہوگئے، اس لئے اپنی جگہ خالد بن ارفطہ کو سپہ سالار مقرر کیا، اور خود میدان جنگ کے قریب ہی ایک محل مین جہان سے جنگ کا پورا نقشہ نظر آتا تھا، ٹھہر گئے، اور یہین سے لڑائی کا رنگ دیکھ کر احکام بھیجتے رہتے تھے، بعد نماز ظہر جنگ کا آغاز ہوا، اور رات کی تاریکی تک نہایت گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی، یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا جو یوم ارماث کے نام سے مشہور ہے،

دوسرے دن پھر مقابلہ ہوا، اور پہلے دن سے بھی زیادہ گھمسان کا رن پڑا، عین لڑائی کے وقت حضرت عمرؓ کی بھیجی ہوئی تازہ دم فوج پہنچ گئی، اور اس کے ساتھ ہی سفراء ممتاز بہادرون کے لئے تحائف لائے، اور میدان جنگ مین اعلان کیا کہ "امیر المومنین نے ان بہادرون کے لئے یہ تحائف بھیجے ہین، جو اپنے کو ان کا مستحق ثابت کرین"، اس امتیاز کے حصول کے لئے مسلمانون نے جانیں لڑا دین، اور صبح سے شام تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی، رات کی تاریکی مین دونون الگ ہوئے، اس معرکہ مین دس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی، اس کے بڑے بڑے ممتاز اور نامور افسر مارے گئے، دو ہزار مسلمان شہید ہوئے، اور جنگ دوسرے دن کے لئے ملتوی ہوگئی، اس جنگ کا نام یوم اغواث ہے،

رات گذرنے کے بعد تیسرا معرکہ شروع ہوا، یہ دونون گذشتہ معرکون سے زیادہ ہیبتناک

---

[1] فتوح البلدان صدہ ۲۶۵ و صدہ ۲۶۶،

تھا۔ اس جنگ میں مسلمانون کے لئے سب سے زیادہ نقصان رسان کوہ پیکر ہاتھیون کی صفین تھین، انھین دیکھ دیکھ کر عربی گھوڑے بھڑکتے تھے، مسلمانون نے گھوڑون پر جھولین ڈالکر ان کا جواب پیدا کیا، لیکن سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ہاتھیون کی قطار جدھر رخ کر دیتی تھی صف کی صف درہم برہم ہو جاتی تھی، یہ صورت دیکھ کر چند جاں باز مسلمان نیزے لے لے کر ہاتھیون پر ٹوٹ پڑے، اور تاک تاک کر ان کی آنکھین بیکار کر دین، قعقاعؓ نے نشان کے سفید ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ سونڈ مستک سے الگ ہو گئی، وہ جھرجھری لے کر بھاگا، اسے دیکھ کر اس کے پیچھے والے تمام ہاتھی بھی بھاگ نکلے، اور یہ دیوار آہن ٹوٹ گئی، اس کے بعد مسلمانون کو کھل کر قوت آزمائی کا موقع ملا، اور انھون نے پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا، اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ تلوارون کی کھچاکھچ، نعرون کی گونج اور گھوڑون کی ہنہناہٹ کے سوا اور کوئی آواز نہ سنائی دیتی تھی، دن بھر ہنگامۂ کارزار گرم رہا، رات کو بھی اسی شدت کی جنگ جاری رہی، دوسرے دن دوپہر کو لڑائی کا فیصلہ ہوا، رستم نہایت پامردی سے مقابلہ کرتا رہا تھا، لیکن آخر مین زخمون سے چور ہو کر بھاگا، راستہ مین ایک ندی تھی، اس مین کود کر نکل جانا چاہا، مگر ایک مسلمان نے جو تعاقب مین تھا، ندی سے نکال کر قتل کر دیا، اس کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوجون نے میدان چھوڑ دیا، اس معرکہ مین بیس ہزار ایرانی مقتول ہوے، اور ان کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا، گو اس کے بعد عرصہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا، لیکن ایرانیون کی اصل قوت قادسیہ کی جنگ مین ٹوٹ گئی تھی،

اس عظیم الشان فتح کے بعد سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کو فتح کا مژدہ سنایا، جس دن سے قادسیہ کی جنگ چھڑی تھی، حضرت عمرؓ کو نہایت بے چینی کے ساتھ خبرون کا انتظار رہتا تھا، اور آپ قاصد کے انتظار مین روزانہ مدینہ کے باہر نکل جاتے تھے، اس لئے سعدؓ

بن ابی وقاص کا قاصد شہر کے باہر ہی ملا، اس سے حالات پوچھے، وہ آپ کو پہچانتا نہ تھا اس لئے وہ سواری پر سے حالات بتاتا جاتا تھا، اور حضرت عمرؓ سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے، اسی حالت مین دونون شہر مین داخل ہوئے، یہان اس کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین یہی ہین، اس وقت وہ بہت سراسیمہ ہوا، آپنے فرمایا کچھ ہرج نہیں، تم حالات بیان کرتے جاؤ، زبانی حالات سننے کے بعد مسلمانون کو جمع کر کے سعد بن ابی وقاص کا خط انھیں سنایا، اور حسب ذیل تقریر کی "مسلمانو! مین بادشاہ نہیں ہون کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہون، مین خود خدا کا غلام ہون، البتہ خلافت کا بار گران میرے اوپر ڈالا گیا ہے، اگر مین اس طرح تمہاری خدمت کرسکتا کہ تم شکم سیر ہوکر چین سے گھر مین سوؤ تو میرے لئے عین سعادت ہے، اگر مین خواہش کرون کہ تم کو میرے دروازے پر حاضری دیا کرو، تو میری بدبختی ہے۔ اس وقت مجھے خوشی کم میسر ہوگی اور غم زیادہ[1]،

ایران کے پایہ تخت مدائن پر قبضہ

قادسیہ کی شکست کے بعد ایرانیون نے بابل مین اجتماع کیا تھا، اس لئے قادسیہ میں دو مہینہ قیام کے بعد سعد بن ابی وقاص بابل روانہ ہوگئے، لیکن قادسیہ کی جنگ نے ایرانیون کی قوت بہت کمزور کردی تھی، اس لئے وہ مسلمانون کے مقابلہ مین نہ ٹک سکے، اور وہ ان کو شکست دے کر بابل، کوثی اور بہرہ شیر وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے ایران کے پایہ تخت مدائن کے قریب پہنچ گئے، بہرہ شیر اور مدائن کے درمیان دجلہ حائل تھا، ایرانیون نے مسلمانون کو مدائن پر حملہ سے روکنے کے لئے دجلہ کا پل توڑ کر کشتیان روک دی تھین، اس لئے جب مسلمان دجلہ کے ساحل پر پہنچے، تو اسے عبور کرنے کا سامان نہ تھا، سعد بن ابی وقاص نے خدا کا نام لے کر دجلہ مین گھوڑا ڈال دیا،

[1] یہ پوری تفصیل طبری سے ملخصاً ماخوذ ہے دیکھو جلد ۵ ص ۲۳۳۵ تا ۲۳۶۸؛

انھیں دیکھ کر پوری فوج دجلہ مین اتر گئی، اور نہایت اطمینان کے ساتھ باتین کرتی ہوئی پار پہنچگئی، ایرانی دور سے یہ حیرت انگیز منظر دیکھتے تھے، اور متحیر تھے، جب مسلمان کنارہ پر پہنچ گئے تو متحیر ایرانی "دیوان آمدند دیوان آمدند" کہکر بھاگ نکلے، ایک افسر خرزاد نے معمولی سی مزاحمت کی، لیکن مسلمانون نے اسے مغلوب کر لیا، یزدگرد پایۂ تخت چھوڑکر بھاگ گیا، اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ صفر ۱۶ھ مین مدائن مین داخل ہو گئے، جمعہ کا دن قریب تھا، ایوان کسریٰ مین تخت شاہی کی جگہ منبر نصب کر کے مسلمانون نے نماز جمعہ ادا کی، یہ پہلا جمعہ تھا جو سرزمین عراق مین پڑھا گیا، مدائن کے خزانہ مین صدیون کی دولت اور زر و جواہر کے علاوہ سلاطین عجم کے نادرۂ روزگار عجائبات اور نایاب یادگارین جمع تھین، یہ تمام تاریخی نوادر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ بھجوا دیے، ان نوادر مین نوشیروان کا ملبوس شاہی اور ایران کا تاریخی فرش بہار بھی تھا، حضرت عمرؓ کے حکم سے یہ ملبوس ایک شخص محلّم کو پہنایا گیا، جس وقت اس نے اسے پہنا، جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگون کی نگاہین خیرہ ہو گئین، اور انقلاب دہر کا عجیب عبرت ناک منظر سامنے آگیا، فرش بہار سلاطین عجم کا قدیم تاریخی فرش تھا، اس پر وہ بہار کے موسم مین بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے، اس مین اس عہد کی ساری صناعیان صرف کر دی گئی تھین، بہار کی مناسبت سے جواہرات کے گل بوٹے اور پھل پھول تھے، سب کی رائے تھی کہ اسے یونہی محفوظ رہنے دیا جائے، لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے حکومت ایران کی طرح اس فرش بہار پر بھی خزان آگئی اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا گیا[۲]

جلولاء کا معرکہ

مدائن سے نکلنے کے بعد ایرانیون نے جلولا کو مرکز بنایا، اور رستم کے بھائی خرزاد نے یہان ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے شہر کے گرد خندق کھدوا کر تمام راستون پر گوکھرو

۱ طبری ج ۵ ص ۲۴۴۱، ۲۴۴۳، ۲ طبری نے ان نوادر روزگار اشیا کی پوری تفصیل لکھی ہے، دیکھو ج ۵ صفحہ ۲۴۴۴ ومابعد،

بھجوادے اس لئے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق ہاشم بن عتبہ اور قعقاع کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولار بھیجا، انھوں نے اس کا محاصرہ کرلیا، لیکن اولاً جلولار خود نہایت مستحکم شہر تھا، دوسرے یزدگرد حلوان سے برابر امدادی فوجیں بھیج رہا تھا، اس لئے کئی مہینے لگ گئے، لیکن ہاشم نے عہد کرلیا تھا کہ بغیر فتح کئے ہوئے نہ ٹلیں گے، بالآخر کئی مہینے کی خونریز لڑائیوں کے بعد قعقاعؓ کی شجاعت سے جلولار فتح ہوگیا، اور بیشمار مال غنیمت ہاتھ آیا،

حلوان پر قبضہ یزدگرد اس وقت حلوان میں تھا، اسے خبر ہوئی تو وہ حلوان چھوڑکر رے بھاگ گیا، اس کے حلوان چھوڑنے کے بعد قعقاع یہاں پہنچے، اور خسرو شنوم کو شکست دے کر حلوان پر بھی قبضہ کرلیا، اور عام منادی کرادی کہ "جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کریں گے ان کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا،" اس اعلان پر بہت سے امرار دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے، جلولار عراق کا آخری مقام تھا، اس کے بعد عراق کی سرحد ختم ہوجاتی ہے،

جزیرہ عراق کے زیرنگین ہونے کے بعد حضرت عمرؓ آگے قدم بڑھانا نہیں چاہتے تھے اور فرماتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی ایسی روک حائل ہوتی کہ نہ وہ ایرانی ہم پر حملہ آور ہوسکتے اور نہ ہم ان پر، مالِ غنیمت کے مقابلہ میں مجھکو مسلمانوں کی جان زیادہ عزیز ہے" مگر عراق ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانی صبر نہیں کرسکتے تھے، اب یہ قومی مسئلہ بن گیا تھا، پہلے صرف حکومت کا مقابلہ تھا، لیکن عراق نکل جانے کے بعد پوری قوم مقابلہ میں آگئی، اور اہل جزیرہ نے جن کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی، تکریت میں نہایت زبردست اجتماع کیا، سعدؓ بن ابی وقاص کو ایران پر فوجکشی کے بارہ میں حضرت عمرؓ کے خیالات معلوم تھے اس لئے انھوں نے ان کو حالات لکھ بھیجے، ان حالات میں حضرت عمرؓ کے لئے بھی بجز مقابلہ

---

[1] طبری ج ۵ ص ۲۴۶۲،

کے کوئی چارہ کار نہ تھا، اس لئے آپ نے عبداللہ بن غنم کو اس مہم پر بھیجنے کا حکم دیا،

تکریت پر قبضہ

اس حکم پر وہ ۱۶ھ مین پانچ ہزار فوج لے کر تکریت پہنچے، اور اس کا محاصرہ کر کے چالیس دن تک برابر حملے کرتے رہے، لیکن جزیرہ کے عیسائی عرب بھی ایرانیون کے ساتھ تھے، اس لئے کامیابی نہ ہوتی تھی، عبداللہ نے عربون کے پاس خفیہ نامہ و پیام بھیجکر انھین ملا لیا، اسکے بعد جب مسلمانون نے حملہ کیا، تو عقب سے عرب بھی حملہ آور ہو گئے، اور ایرانی دو پاٹون کے درمیان پڑکر پس گئے، اور تکریت پر قبضہ ہو گیا، اس کے بعد چند دنون تک جزیرہ کی مہم ملتوی رہی، ۱۸ھ مین حضرت عمرؓ نے پھر عیاض بن غنم کو مامور کیا، انھون نے جزیرہ بھر مین فوجین پھیلادین، اور معمولی لڑائیون کے بعد، رقہ، حران، نصیبین، میافارقین، سمساط، سروج اور قرقیسیا وغیرہ فتح کر کے جزیرہ کا پورا علاقہ زیر نگین کر لیا،

خوزستان

عراق کی فتح کے بعد اس پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے یہان ایک اسلامی شہر بصرہ آباد ہو چکا تھا، اس کا سرحدی علاقہ خوزستان اب تک ایرانیون کے قبضہ مین تھا، اس لئے بصرہ کی حفاظت کے لئے خوزستان پر قبضہ کرنا ضروری تھا، چنانچہ ۱۶ھ مین بصرہ کے والی مغیرہ بن شعبہ نے اہواز پر حملہ کر کے یہان کے والی ہرمز کو مطیع بنایا، لیکن چند دنون کے بعد وہ پھر باغی ہو گیا، اس وقت ابو موسیٰ اشعریؓ بصرہ کے والی تھے، انھون نے ہرمز کو شکست دیکر اہواز پر مستقل قبضہ کر لیا،

اہواز کے بعد سوس فتح کیا، سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ کیا، اس کے حاکم نے آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی، ابو موسیٰ کی فتوحات کو دیکھ کر امیر ہرمزان نے یزدگرد کی خدمت مین جاکر درخواست کی کہ اگر اہواز اور فارس کی حکومت میرے متعلق کر دی جائے تو عربون کو آگے بڑھنے سے روک دون گا، یزدگرد نے منظور کر لی، اور اس کو اہواز اور فارس کی حکومت کا

پروانہ دے کر ایک فوج بھی اس کے ساتھ کر دی، یہ پروانہ لے کر ہرمزان شوستر آیا اور جنگی استحکامات درست کر کے ایک عظیم الشان فوج جمع کر لی،

ابو موسیٰؓ کو اس کی تیاریون کی خبر ہوئی تو انھون نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دیکر مزید مدد مانگی، آپ نے فوراً عمار بن یاسرؓ والیٔ کوفہ کو حکم بھیجا کہ وہ کوفہ کی فوجین لے کر ابو موسیٰ کی مدد کو روانہ ہو جائین، جریر بن عبد اللہ بجلی بھی تھوڑی سی فوج لے کر آ گئے، ابو موسیٰؓ ان دونون کو ساتھ لے کر شوستر پہنچے، ہرمزان نے نہایت بہادری کے ساتھ انھین روکا، بہت سے مسلمان کام آئے، لیکن آخر مین وہ پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گیا، ابو موسیٰؓ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، عرصہ تک محاصرہ جاری رہا، لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی، اتفاق سے شہر کا ایک باشندہ مل گیا، اس کے ذریعہ سے ایک مسلمان خفیہ راستہ سے شہر کے تمام راستے دیکھ آیا، اور تھوڑے سے مسلمانون کو لے کر تہ خانہ کے ذریعہ سے شہر مین داخل ہو گیا، اور شہر پناہ کے دروازے کھولدیے، مسلمان باہر منتظر تھے، شہر کے دروازے کھلتے ہی گھس پڑے، ہرمزان نے قلعہ مین پناہ لی، اور ابو موسیٰؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ مین اس شرط پر نکل آؤن گا کہ مجھے عمرؓ کے پاس بھجوا دیا جائے، ابو موسیٰؓ نے منظور کر لیا، اور ہرمزان مدینہ پہنچکر مسلمان ہو گیا، حضرت عمرؓ نے اسکا دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کیا،[۱]

شوستر کے بعد جندیساپور فتح ہوا، اور خوزستان کا پورا علاقہ زیر نگین ہو گیا،

عراق عجم پر فوج کشی اور نہاوند کا معرکہ

یزدگرد اس وقت مرو مین تھا، یہین اسے خبر ملی کہ خوزستان پر مسلمانون کا قبضہ ہو گیا، اور اس کا قوت بازو ہرمزان بھی گرفتار ہو گیا، اب تک ایرانی سمجھتے تھے کہ عربون کا سیلاب سرحد پر آ کر رک جائے گا، لیکن خوزستان پر قبضہ کے بعد ان کو نظر آیا کہ یہ سیلاب سارے ایران کو بہا لیجائے گا، اس لیے انھون نے یزدگرد کو آمادہ کیا، اس نے

---

[۱] ابن اثیر ج ۲ ص ۴۱۳،

ایران کے تمام چھوٹے چھوٹے ماتحت فرمانرواؤں کو مدد کے لیے لکھا، وہ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچ گئے، اور ڈیڑھ لاکھ فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جمع ہو گئی،[۱]

یزدگرد نے ایران کے مشہور بہادر مردان شاہ کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا، اور ایران کا تاریخی علم درفش کاویانی جو فتح وظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا، ساتھ کر دیا، کوفہ کے گورنر حضرت عمار بن یاسرؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، آپ نے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ آپ خود اہل حرم کو لے کر مقابلہ کے لیے نکلیے، لیکن حضرت علیؓ نے مخالفت کی، انھوں نے کہا کہ اگر آپ خود جائیے گا تو اندرون عرب بغاوت برپا ہو جائے گی، آپ تمام ممالک محروسہ کی ایک ایک تہائی فوج کو ایک مرکز پر جمع ہونے کا حکم دیجئے، اس مشورہ پر آپ نے فوجیں جمع کر کے نعمان بن مقرن کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا، انھوں نے نہاوند پہنچکر چند میل ادھر منزل کی، مردان شاہ پہلے سے موجود تھا، اس نے پہلے صلح کی کوشش کی، اور گفتگو کے لیے مسلمان سفراء بلا بھیجے، نعمان نے مغیرہ بن شعبہؓ کو سفیر بنا کر بھیجا،

مردان شاہ نہایت ٹھاٹھ سے سر پر زرنگار تاج رکھے طلائی تخت پر بیٹھا تھا، دربار کے چپ و راست تلواریں اور نیزے لگائے کھڑے تھے، جن کی چمک سے نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی، مغیرہؓ نے کوئی توجہ نہ کی، اور ایک شان بے نیازی کے ساتھ گھستے ہوئے چلے گئے، راستہ میں درباریوں نے روکنا چاہا، مغیرہؓ نے کہا سفراء کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا، مترجم کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی، مردان شاہ نے کہا کہ "اہل عرب! دنیا میں سب سے زیادہ بدبخت، فاقہ مست اور نجس و ناپاک قوم جو ہو سکتی ہے وہ تم ہو، ہماری سپاہ کبھی کا تمھارا فیصلہ کر چکی ہوتی لیکن تم اس قدر ذلیل ہو کہ ہم اپنے تیر بھی تمھارے ناپاک خون سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے، اب بھی

---

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۱،

اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا، ورنہ تمھاری لاشین خاک و خون مین تڑپتی نظر آئیں گی" مغیرہؓ نے حمد و نعت کے بعد جواب دیا "تمھارا جیسا خیال ہے بیشک ہم ایک زمانہ مین ایسے ہی تھے، لیکن ہمارے رسولؐ نے ہماری کایا پلٹ دی، اس نے ہم سے دنیا مین نصرت و فتح اور آخرت مین جنت کا وعدہ کیا، اور اس وقت سے برابر فتح و نصرت ہمارے رکاب مین ہے، اس لئے اب ہم اس وقت تک واپس نہیں جا سکتے، جب تک تمھارے ملک فتح نہ کر لین، یا ہماری لاشیں نہ تڑپ مین"[1]

غرض مردان شاہ کی نخوت سے یہ سفارت ناکام رہی، اور اس کی واپسی کے بعد جنگ چھڑ گئی، اور ایسا خونریز معرکہ ہوا کہ عجم کی لڑائیون کے سلسلہ مین قادسیہ کے سوا ایسی جنگ نہ ہوئی تھی، مسلمان نہایت ثبات و پامردی سے لڑے، ہزارون لاشین خاک و خون مین نہا گئین نعمان بن مقرن زخمی ہو کر گرے، زخم مہلک تھا، لیکن انھون نے منع کر دیا کہ جب تک لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے، کوئی ان کی جانب متوجہ نہ ہو، چنانچہ ان کے گرنے کے بعد ان کے بھائی نعیم نے علم سنبھال لیا، اور کسی کو کانون کان خبر نہ ہونے پائی اور اسی زور شور کے ساتھ جنگ جاری رہی، رات ہوتے ہوتے ایرانیون کے پاؤن اکھڑ گئے، مسلمانون نے ہمدان تک ان کا تعاقب کر کے ہزارون ایرانیون کو تہ تیغ کر دیا، اس جنگ مین تیس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی، اور ان کی قوت ایسی تباہ ہوئی کہ پھر اس سر و سامان کے ساتھ کبھی مسلمانون کے مقابلہ مین نہ آ سکے عرب مورخین اس فتح کو فتح الفتوح کے نام سے موسوم کرتے ہین،

اختتام جنگ کے بعد معقل، نعمان بن مقرنؓ کے نیم جان لاشہ کے پاس پہنچے کچھ کچھ جان باقی تھی، اس حالت مین بھی زبان سے نکلا "مسلمانون کا انجام ہوا" جواب ملا خدا نے فتح دی، فرمایا الحمد للہ،

---

[1] طبری ج ۵ ص ۲۶۰۲ ،[2] فتوح البلدان ص ۳۱۱ و ۳۱۳ ،

عمرؓ کو اطلاع دو، یہ مژدہ سن کر جان، جان آفرین کے سپرد کی،

حضرت عمرؓ کو مہینوں سے بے قراری کے ساتھ جنگ کے نتیجہ کا انتظار تھا عین اس حالت میں قاصد کسریٰ پرویز کے جواہرات کے ڈھیر لئے ہوئے پہنچا، فتح کا مژدہ سن کر آپ کو بڑی مسرت ہوئی، لیکن جب نعمانؓ کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار سر پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے، اور جواہرات فروخت کرکے فوج میں تقسیم کرادیے،

ایران پر عام لشکر کشی حضرت عمرؓ سرزمین ایران کی طرف نہ بڑھنا چاہتے تھے، لیکن عراق نکل جانے کے بعد سے ایرانی چین سے نہ بیٹھے تھے، اور وہ برابر فوجیں جمع کر رہے تھے، مفتوحہ علاقوں میں بار بار بغاوت کرادیتے تھے، یزدگرد مرو میں بیٹھا ہوا آئے دن فتنے اٹھاتا رہتا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ کو بڑا تردد تھا اور آپ ان بغاوتوں کو مسلمانوں کی بدسلوکی کا نتیجہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے چند مسلمانوں کے سامنے جو عجم کی مہمات میں شریک تھے، اس کا اظہار بھی کیا، کہ معلوم ہوتا ہے مسلمان ذمیوں کو تکلیف دیتے ہیں، اس لئے وہ باغی ہوجاتے ہیں، ان لوگوں نے اس کی تردید کی، احنف بن قیسؓ نے کہا، امیرالمومنین! اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو ایران کے اندرون ملک بڑھنے سے روک دیا ہے اور اس کا بادشاہ ملک میں موجود ہے جب تک وہ باقی رہے گا، اس وقت تک وہ برابر غدر کرتے رہیں گے، اس لئے کہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے، ان کا بادشاہ ان کو بھڑکاتا رہتا ہے، جب تک ہم کو اندرون ملک فوجکشی کرکے ان کے بادشاہ کے استیصال کی اجازت نہ ملے گی، اس وقت تک یہ صورت قائم رہے گی، جب تک وہ بادشاہ سے مایوس نہ ہوں گے، اس وقت تک خاموشی سے نہ بیٹھیں گے، حضرت عمرؓ نے احنفؓ کی دانشمندانہ رائے بہت پسند کی اور اسی وقت ایران پر فوجکشی کا ارادہ کرلیا تھا،[1]

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۳،

اس کے کچھ دنوں بعد ۱۹ھ میں آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، انھوں نے بھی یہی کہا کہ "جب تک ایران کے تخت کا وارث موجود ہے، اس وقت تک یہ فتنہ و فساد ختم نہ ہوگا"

اس مشورہ کے بعد آپ نے ایران پر عام فوجکشی کا فیصلہ کیا، اور ایران کے مختلف حصوں کے لیے علیحدہ علیحدہ افسر نامزد کئے، احنف بن قیس کو جنھوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا، خراسان کی مہم جہاں یزدگرد مقیم تھا، سپرد ہوئی، اردشیر اور سابور کا علم مجاشع بن مسعود کو، اصطخر کا عثمان بن ابی العاص کو، فسا کا، ساریہ بن زہیم کنانی کو، کرمان کا سہیل بن عدی کو، سیستان کا عاصم بن عمر کو، مکران کا حکم بن عمیر کو، اور آذربائیجان کا عتبہ بن فرقد کو عطا ہوا، یہ لوگ ۲۱ھ میں اپنی اپنی مہموں پر روانہ ہوئے، ان کے علاوہ اور متفرق مقامات پر متعدد افسروں کو مامور کیا،

اصفہان اس سلسلہ میں سب سے اول عبداللہ بن عبداللہ نے ۲۱ھ میں اصفہان پر فوج کشی کی، یہاں کا رئیس اسبیدان سواد اصفہان میں فوجیں لیے موجود تھا، مقدمۃ الجیش کی کمان ایک پرانے اور تجربہ کار بہادر شہریار کے ہاتھوں میں تھی، عبداللہ کے پہنچنے کے ساتھ دونوں میں ایک خونریز معرکہ ہوا، شہریار نے مبارزطلبی کی، عبداللہ مقابلہ میں آئے، شہریار مارا گیا، اس کے قتل ہوتے ہی جنگ کا خاتمہ ہو گیا، اور اسبیدان نے صلح کر لی،

ہمدان کی بغاوت نعیم بن مقرن ہمدان فتح کر چکے تھے، ۲۲ھ میں یہاں بغاوت ہوئی، نعیم نے بغاوت فرو کر کے خاص شہر ہمدان کا محاصرہ کیا، اہل ہمدان نے صلح کر لی، لیکن اسکے بعد ہی دیلم، رے اور آذربائیجان کے رؤسا، ابوالفرخان اور اسفندیار اپنی اپنی فوجیں لیکر اہل ہمدان کی مدد کو پہنچ گئے، نعیم کو خبر ہوئی تو مقابلہ کے لیے نکلے، وادی رود میں نہایت خونریز جنگ ہوئی، ایرانیوں نے شکست کھائی، اور ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی،

اسی سنہ میں برا بن عازب نے قزدین اور زنجان فتح کئے،

رے وغیرہ کی فتح وادی ردو کے معرکہ کے بعد نعیم بن مقرن رے پہنچے، یہان کے حاکم سیاوُش نے جو بہرام چوبین کا پوتا تھا، طبرستان، قومس اور جرجان کے امراء سے مدد طلب کی، یہ سب اپنی اپنی فوجین لے کر پہنچے،

رے کا ایک رئیس زینبی جو سیاوش سے کسی بات پر برہم تھا، نعیمؓ سے مل گیا اور حسن تدبیر سے رے پر مسلمانون کا قبضہ کرادیا، یہان قریب قریب مدائن کے برابر مال غنیمت ملا، اس خدمت کے صلہ مین نعیمؓ نے زینبی کو رے کی حکومت عطا کی، اور یہین سے اپنے بھائی سوید کو بھیجکر قومس پر قبضہ کرایا،

طبرستان قومس کے بعد ہی طبرستان کی سرحد شروع ہوجاتی ہے، اس لئے اب طبرستان کا نمبر تھا، لیکن مسلمانون کی پیشقدمی سے پہلے ہی سرحدی علاقے کے باشندون نے خود پیشقدمی کرکے صلح کرلی، اندرونی علاقہ اس صلح مین شامل نہ تھا، اس لئے نعیم اندرون ملک جرجان کی طرف بڑھے، اور بسطام پہنچکر جرجان کے حاکم زرنان سے نامہ و پیام کیا، اس نے جزیہ قبول کرکے صلح کرلی، اس مصالحت کی خبر سنکر صوبہ طبرستان کے رئیس جیہند نے بھی اطاعت قبول کرلی اور ۲۲ھ مین طبرستان کا پورا علاقہ مطیع ہوگیا؛

آذربیجان اوپر گذرچکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقد کو آذربیجان کی مہم پر مامور کیا تھا، بکیر بن عبداللہ ان کے شریک تھے، یہ دونون ۲۲ھ مین آذربیجان کے مختلف حصون مین علیحدہ علیحدہ بڑھے، کوہستان جرمیدان مین آذربیجان کے حاکم اسفندیار کا جو وادی ردو کی مہم سے ناکام واپس آرہا تھا، بکیر بن عبداللہ کا سامنا ہوا، اسفندیار چونکہ شکست خوردہ آرہا تھا، اس لئے بکیر نے اسے دوبارہ آسانی سے شکست دے کر گرفتار کرلیا، اس کی ہمت بالکل ٹوٹ چکی تھی، اس لئے بکیر سے پوچھا کیا چاہتے ہو صلح یا جنگ؟ بکیر نے جواب دیا صلح، اسفندیار نے کہا،

اگر صلح چاہتے ہو تو مجھے اپنے پاس روکے رکھو، بکیرؓ نے روک لیا، اس درمیان میں عتبہ بن فرقد نے بھی اپنی سمت فتح کرلی، اور بکیرؓ حضرت عمرؓ کے حکم سے باب کی مہم میں مدد دینے کے لئے چلے گئے، ان کے جانے کے بعد اسفندیار کا بھائی بہرام عقب کی طرف سے بڑھا، لیکن عتبہ نے شکست دے دی، اس کے شکست کھانے کے بعد اسفندیار نے جو عتبہ کے پاس تھا کہا کہ اب جنگ ختم ہوگئی، اور عتبہ سے مصالحت کرلی، اس طرح آذربیجان کا پورا علاقہ صلحاً مطیع ہوگیا،

یہ طبری کا بیان ہے[1]، بلاذری کے بیان کے مطابق آذربیجان کو حذیفہؓ نے فتح کیا تھا،

آرمینیہ

آذربیجان کے بعد آرمینیہ کا علاقہ تھا، اس پر شام کی فوجکشی کے سلسلہ میں ۱۷ھ میں حملہ ہوا تھا، لیکن فتح نہ ہوسکا تھا، اس لئے جس زمانہ میں آذربیجان پر فوجکشی ہوئی اسی زمانہ میں سراقہ بن عمرو اور عبدالرحمن نے دوبارہ آرمینیہ پر فوج کشی کی تھی، اور اس وقت آرمینیہ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی، بکیر بن عبداللہ بھی آذربیجان سے فراغت کے بعد آرمینیہ پہنچ گئے، عبدالرحمنؓ اس وقت باب میں خیمہ زن تھے، آرمینیہ کا ایرانی حاکم شہریار آرمینیوں کو نہایت ذلیل سمجھتا تھا، چنانچہ وہ عبدالرحمنؓ کے پاس آیا، اور ان سے کہا کہ مخلوط النسل ارمنی کتوں کا کوئی حسب نسب نہیں ہے، اور کوئی سمجھدار عالی نسب، عالی نسبوں کے مقابلہ میں کمینوں کی مدد نہیں کرسکتا، اس لئے مجھ کو آرمینیوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے، میرے ملک اور میری قوم کو تم لوگ فتح کرچکے، اس لئے میں بھی تمہارا مطیع اور مددگار ہوں، لیکن اتنی درخواست ہے کہ جزیہ لیکر مجھے ذلیل اور اپنے دشمنوں (ارمنی) کے مقابلہ میں کمزور نہ کرو، اس کی درخواست سن کر عبدالرحمنؓ نے اس کو سراقہؓ کے پاس بھجوادیا، اس نے سراقہ سے بھی یہی کہا، انھوں نے کہا کہ جزیہ تو ان لوگوں کے لئے ہے، جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے، اور شہریار کی درخواست منظور کرلی

[1] طبری ج ۵ ص ۲۶۶ و ما بعد،

حضرت عمرؓ کو اطلاع دیدی، انھون نے بھی اس فیصلہ پر پسندیدگی ظاہر کی۔[1]

باب سے فراغت کے بعد سراقہ نے بکیر بن عبداللہ کو موقان، اور حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ کو کوہستان لان کی طرف روانہ کیا، بکیر نے موقان والون کو مطیع بنایا، عبدالرحمن بن ربیعہ مملکت خزر کی طرف بڑھے، اور اس کے پایہ تخت کے قریب مقام بیضا تک بڑھتے چلے گئے،

فارس فارس پر حملہ کیلئے درمیان مین دریا پڑتا تھا، اور حضرت عمرؓ مسلمانون کو دریا کے خطرات مین ڈالنا نہ چاہتے تھے، چنانچہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی آتشی روک ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھ سکتے اور نہ وہ ہماری طرف آسکتے، لیکن ایک اولوالعزم جانباز علاء بن حضرمی والی بحرین نے ۱۷ھ مین حضرت عمرؓ کی اجازت کے بغیر حملہ کردیا تھا لیکن سخت نقصان اٹھانا پڑا، اسلامی فوج کا بڑا حصہ برباد ہوگیا، اور جو بچا اسے اہل فارس نے گھیر لیا، حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ کو سخت قلق ہوا، اور فوراً عتبہ بن غزوان کو لکھ کر مدد کے لئے فوجین بھجوائین، انھون نے ایرانیون کو شکست دے کر باقیماندہ مسلمانون کو بچایا،

اس کے بعد جب ایران پر عام فوجکشی ہوئی تو ساریہ بن زنیم کنانی ۲۳ھ مین فارس کی طرف بڑھے، اہل فارس اس دشت توج مین جمع تھے، لیکن مسلمان ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور جو سمت ان کے لئے متعین کردی گئی تھی، سیدھے اسی رخ پر بڑھتے چلے گئے، اس لئے اہل فارس بھی توج سے منتشر ہوگئے، ان کے منتشر ہونے کے بعد مجاشع ابن مسعود، سابور اور اردشیر خرہ کی طرف بڑھے، اور توج مین فارسیون کا مقابلہ ہوا، مسلمانون نے شکست دے کر توج کو فتح کرلیا، دوسری طرف عثمان بن ابی العاص اصطخر کی طرف بڑھے، یہان کے باشندون نے مقام جور مین مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی، عثمان نے جور اور اس کے بعد اصطخر پر قبضہ کرلیا،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲،

اصطخر کے بعد گازرون، نوبندجان، شیراز، ارجان، سینیر اور جناب وغیرہ فارس کے بڑے حصہ پر قبضہ ہوگیا،

حضرت عمرؓ کے آخر عہدِ خلافت مین یزدگرد کے اشارہ سے فارس مین بغاوت ہوگئی، اور بہت سے مفتوحہ مقامات نکل گئے، لیکن حکم بنؓ ابی العاص نے فارس کے مرزبان شہرک کو قتل کرکے بغاوت کو قابو مین کیا،

فارس کے بعض مقامات فسا اور دارابجرد وغیرہ رہ گئے تھے، ساریہ بن زنیم نے سب سے آخر مین ان پر فوجکشی کی، ان کے مقابلہ کے لئے ایرانیون اور کردون کا ٹڈی دل امنڈ آیا، ایرانیون کے مقابلہ مین مسلمانون کی تعداد کچھ نہ تھی، لیکن ساریہؓ کی ہمت وشجاعت نے یہ معرکہ بھی سر کیا، اور فسا اور دارابجرد پر قبضہ ہوگیا،

کرمان | کرمان کی مہم سہیل بنؓ عدی کے متعلق تھی، فارس کے بعد کرمان کا صوبہ سامنے تھا، چنانچہ ۲۳ھ مین سہیل بن عمرو نے کرمان پر چڑھائی کی، اہلِ کرمان قفس وغیرہ کی امداد لے کر مدافعت کے لئے نکلے، سرحد ہی کے پاس فریقین کا مقابلہ ہوا اور معمولی جنگ کے بعد کرمانیون نے شکست کھائی، یہان کا مرزبان مارا گیا، اس کے قتل ہونے سے کرمان کے مرکزی مقامات جیرفت اور سیرجان وغیرہ پر قبضہ ہوگیا،

سیستان | کرمان کے بعد عاصم بنؓ عمرو نے سیستان پر فوجکشی کی، اہلِ سیستان روکنے کے لئے بڑھے، مسلمانون نے شکست دی، اور تعاقب کرتے ہوئے دور تک بڑھتے چلے گئے، زرنج پہنچکر اس کا محاصرہ کرکے دریا کا بند کھول دیا، سارے سیستان مین سیلاب آگیا، اہلِ سیستان نے مجبور ہوکر اس شرط پر صلح کرلی کہ ان کی تمام اراضی محفوظ قرار دیجائے، مسلمانون نے منظور کرلیا، اور اس شرط کا اتنا لحاظ رکھا کہ کھیتون کے پاس سے جلدی گذر جاتے تھے کہ چھو نہ جائے[1]،

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷،

مکران! سیستان ایران کی آخری حد ہے، اس کے بعد سندھ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے، اس لئے ایران کی سرزمین کے بعد اسلام کا علم ہندوستان کے حدود کی طرف بڑھا، چنانچہ سیستان کی فتح کے بعد حکم بن عمرو تغلبی مکران کی طرف بڑھے، یہاں کا فرمان روا راسل سندھ کے حکمران کی مدد لے کر مقابلہ میں آیا، دریائے ہلمند پر دونوں کا مقابلہ ہوا، ایک خونریز جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی، اس شکست میں مکرانیوں کی بڑی تعداد کام آئی۔

حکم نے صحار عبدی کو نامۂ فتح اور مال غنیمت دیکر حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا، آپ نے ان سے مکران کا حال پوچھا، انھوں نے ان الفاظ میں یہاں کی برائیوں کا نقشہ کھینچا، ارض سھلھا جبل وماءھا وشل وتمرھا دقل وعدوھا بطل وخیرھا شروشرھا طویل والکثیر بھا قلیل، حضرت عمرؓ نے فرمایا، واقعات کے بیان کرنے میں قافیہ بندی کا کیا کام صحار نے عرض کیا واقعی حالات عرض کر رہا ہوں، یہ بھیانک نقشہ سن کر آپ نے حکم کو لکھ بھیجا کہ آگے پیشقدمی روک دی جائے[1] چنانچہ مشرق میں فاروقی فتوحات کی آخری سرحد یہی ہے، لیکن بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے علاقہ دیبل تک فوجیں پہنچ گئی ہیں، اگر یہ صحیح ہے تو خلافتِ فاروقی ہی میں ہندوستان میں اسلام کا علم پہنچ گیا تھا،

خراسان کی فتح اور یزدگرد کا آخری مقابلہ

ان فتوحات کے دوران میں یزدگرد خراسان میں مقیم تھا، اور ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا، خراسان کی مہم احنف بن قیس سے (جنھوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا) متعلق ہوئی تھی، چنانچہ انھوں نے ۲۲ھ میں خراسان پر چڑھائی کی تھی، لیکن چونکہ خراسان کی فتح ساسانی حکومت کا دمِ واپسیں تھی، اس لئے ہم نے اس کو آخر میں لکھنا مناسب سمجھا،

---

[1] طبری ج ۵ ص ۲۷۰۶ و ما بعد،

خراسان پر فوجکشی کے وقت یزدگرد خراسان کے شہر مرو میں تھا، مقدس آگ ساتھ تھی یہاں بیٹھے بیٹھے وہ ایران کے مختلف صوبوں میں بغاوت کرا تا رہتا تھا، اس لئے احنف سیدھے مرو کی طرف بڑھے، اور ہرات کو فتح کرتے ہوئے یزدگرد کے مستقر مروشاہجہان کا رخ کیا، اور مطرف بن عبداللہ کو نیشاپور اور حارث بن حسان کو سرخس روانہ کیا، مروشاہجہان کی طرف احنف کا رخ دیکھ کر یزدگرد، مروالروز چلا گیا، اور خاقان چین اور ایران کے آس پاس کے سرحدی فرماں رواؤں سے مدد طلب کی، احنف کو خبر ملی تو وہ فوراً مروالروز پہنچ گئے، یزدگرد یہاں سے بلخ نکل گیا، احنف بھی تعاقب میں پہنچے، یزدگرد شکست کھا کر نہر پار کرکے تاتاری علاقے میں نکل گیا، اور احنف بلخ پر قابض ہوگئے،

یزدگرد کے خراسان چھوڑنے کے بعد احنف نے سارے خراسان میں فوجیں پھیلادیں، اور چند دنوں میں نیشاپور سے طخارستان تک کا علاقہ زیرنگیں ہوگیا، احنف نے مروالروز واپس ہوکر حضرت عمرؓ کو فتح کا مژدہ لکھا، آپ سنکر نہایت مسرور ہوئے اور احنف کو آگے بڑھنے سے روک دیا، یزدگرد خراسان چھوڑنے کے بعد خاقان چین کے یہاں پہنچا، اس نے بڑے احترام کے ساتھ ٹھہرایا، اور چند دنوں کے بعد ترک، فرغانہ اور صغد کی فوجیں جمع کرکے یزدگرد کے ہمراہ خراسان آیا، احنف اس وقت مروالروز میں تھے یہیں دونوں کا مقابلہ ہوا، کچھ دنوں فریقین میں جھڑپ ہوتی رہی، ایک دن حسب معمول خاقان کی فوج کے تین بہادر فوج کے آگے آگے طبل ودمامہ بجاتے ہوئے نکلے، احنف نے یکے بادیگرے تینوں کو قتل کردیا، خاقان نے اس سے فال بد لی، اس کو مسلمانوں کی قوت کا بھی اندازہ ہوگیا تھا، اس لئے یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں سے لڑنے میں خود اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اور دوسرے کے لئے لڑکر انھیں خواہ مخواہ اپنا دشمن بنانا مناسب نہیں ہے، فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔

اس کی واپسی کے بعد یزدگرد نے مایوس ہو کر خاندان کیانی کا خزانہ اور کل موروثی دولت لے کر خود بھی خاقان کے ساتھ نکل جانے کا قصد کیا، ایرانیون کو خبر ہوئی تو انھون نے روکا، کہ "چینیوں کا کوئی دین و مذہب نہیں ہے، معلوم نہیں وہ کیسا برتاؤ کرین گے، ان سے بہتر مسلمان ہین کہ وہ دین و مذہب رکھتے ہین، عہد کے پابند ہین" اس لئے چین جانے سے بہتر یہ ہے کہ مسلمانون سے صلح کر لی جائے، لیکن یزدگرد نہ مانا اور خزانہ ساتھ لیجانے پر مصر ہوا، ایرانیون نے جب دیکھا کہ ملک کی کل دولت نکلی جارہی ہے، تو زبردستی چھین لی، اور یزدگرد ناکام و نامراد ترکستان چلا گیا،

یزدگرد کے ملک بدر ہونے کے بعد ایرانیون نے احنف کے پاس جا کر ان سے صلح کر کے کل خزانہ حوالہ کر دیا، مسلمانون نے بھی اس کے صلہ مین ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ وہ اپنی بادشاہت بھول گئے، اور مسلمانون سے مصالحت کے بعد ان کو جو راحت اور فارغ البالی نصیب ہوئی" وہ اکاسرہ کے زمانہ مین بھی میسر نہ آئی تھی، [1]

اس مصالحت کے بعد احنف نے حضرت عمرؓ کو دوسرا خط لکھا، آپ اسے لے کر مسجد مین آئے، اور مسلمانون کو پڑھ کر سنایا اور یہ مختصر مگر موثر تقریر کی،

"آج مجوسیون کی سلطنت برباد ہوگئی، اب ان کے ملک کی ایک چپہ زمین بھی ان کے قبضہ مین نہین ہے، کہ مسلمانون کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکین، اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین، ان کا ملک اور ان کی دولت کا تم کو اس لئے وارث بنایا ہے، کہ تم کو آزمائے، اس لئے تم اپنی حالت نہ بدلو، ورنہ خدا بھی تمھاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا، مجھ کو اس امت کے لئے خود اس کے افراد سے خوف ہے،" [2]

شام کی فتوحات اوپر عہد صدیقی مین گذر چکا ہے کہ دمشق کا محاصرہ جاری تھا، کہ حضرت ابوبکرؓ کا

[1] طبری ج ۵ ص ۲۶۸۲ تا ۲۶۸۸ [2] ایضاً صہ ۲۶۹۲،

انتقال ہوگیا، اور اس کی فتح عہد فاروقی مین عمل مین آئی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ دورانِ محاصرہ
مین دمشق کے بطریق کے گھر بچہ پیدا ہوا، اس کے جشن مین اہلِ شہر نے خوب شرابین پیئں، اور
ایسے بدمست ہوکر سوئے کہ کسی بات کی خبر نہ رہی، خالدؓ بن ولید راتون کو سوتے نہ تھے، بلکہ
گھوم پھر کر خبرین لیا کرتے تھے، اس لئے انھین اس کی اطلاع ہوگئی، وہ کمند لگا کر مع چند جانبازون
کے شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر شہر کے اندر اتر گئے، اور پھاٹک کے محافظون کو قتل کر کے پھاٹک
کھول دئے، مسلمان باہر منتظر تھے، وہ پھاٹک کھلتے ہی اندر داخل ہوگئے، اہل شہر اس ناگہانی
مصیبت سے گھبرا گئے، ان کی کچھ سمجھ مین نہ آیا، وہ سیدھے ابوعبیدہؓ کے پاس جو دوسری سمت
متعین تھے پہنچے، اور ان سے صلح کی درخواست کی، انھین اس صورتِ حال کا علم نہ تھا،
اس لئے صلح قبول کرلی، اور شہر کی ایک سمت سے خالدؓ بن ولید فاتحانہ داخل ہوئے، اور
دوسری طرف سے ابوعبیدہؓ مصالحانہ، لیکن ابوعبیدہؓ چونکہ مصالحت کر چکے تھے، اس لئے
دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی، اور نہ مالِ غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ کسی کو لونڈی غلام بنایا گیا[1]
یہ فتح ۱۴ھ مین ہوئی[2]۔

اردن کی فتح دمشق شام کا مرکزی شہر تھا، اس کے نکل جانے کا رومیون کو بڑا صدمہ تھا، اور
انھون نے مسلمانون کو روکنے کے لئے صوبہ اردن کے شہر بیسان مین فوجین جمع کین، لیکن
پھر مسلمانون کے استقلال کو دیکھ کر انھون نے مصالحت کی کوشش کی، لیکن مفاہمت نہ ہو سکی
اور ذی قعدہ ۱۴ھ مین دونون کا مقابلہ ہوا، کئی خونریز معرکون کے بعد عیسائیون نے نہایت
فاش شکست کھائی، اور اردن کا پورا صوبہ فتح ہوگیا، کل رعایا ذمی قرار دی گئی، عہد نامہ مین عام
کی پوری املاک زمین، مکان، گرجے اور دوسری عبادت گاہین محفوظ کر دی گئین[3]،

---

[1] طبری ج ۴ ص ۲۰۵۲ [2] ایضاً ص ۲۰۵۳ و ۲۱۵۰ [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۱،

حمص وغیرہ کی فتح

دمشق اور اردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے شہر رہ گئے تھے، اس لئے ابوعبیدہؓ اور خالدؓ حمص کی طرف بڑھے، اور راستہ مین بعلبک پر قبضہ کرتے ہوئے حمص پہنچکر اس کا محاصرہ کر لیا، یہان حکومت کی کوئی فوج نہ تھی، شہر کی آبادی حکومت کی امداد کی امید پر کچھ دنون تک مدافعت کرتی رہی، لیکن مسلمانون نے مدد پہنچنے کا راستہ بند کر دیا تھا، اس لئے شہر والون نے مایوس ہو کر آخر مین صلح کر لی، حمص کے محاصرہ کے دوران مین ابوعبیدہؓ نے حماۃ، شیزر اور معرۃ النعمان چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کر لئے، حمص کی تسخیر کے بعد یہان عبادہ بن صامتؓ کو چھوڑ کر ابوعبیدہؓ لاذقیہ روانہ ہو گئے، یہ نہایت مضبوط و مستحکم شہر تھا، ابوعبیدہؓ نے اسے ایک خاص تدبیر سے فتح کیا، لاذقیہ فتح کرنے کے بعد ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا ارادہ کیا، لیکن حضرت عمرؓ کا حکم پہنچ گیا، کہ اس سال آگے بڑھنے کا قصد نہ کیا جائے، اسلئے رک جانا پڑا،

ہرقل کے دربار مین رومیون کی فریاد اور ان کا جوش وخروش

دمشق، اردن اور حمص کی فتوحات نے رومیون کو جوش سے لبریز کر دیا، انھون نے ہرقل کے پاس جا کر فریاد کی، کہ مسلمانون نے سارا شام پامال کر ڈالا ہے، اور کوئی طاقت انھین روکنے والی نہین، ان کی فریاد پر ہرقل نے چند معزز اور صائب الرائے اشخاص کو بلا کر ان سے پوچھا "کیا وجہ ہے کہ عرب تم سے تعداد، اسلحہ اور سر و سامان ہر چیز مین کم ہین، پھر تم ان کے مقابلہ مین کیون کامیاب نہین ہوتے،" اس استفسار پر سب نے سر جھکا لیا، ایک تجربہ کار شخص نے جواب دیا کہ "عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہین، وہ رات کو عبادت کرتے ہین، دن کو روزہ رکھتے ہین، کسی پر ظلم نہین کرتے، آپس مین برابری کے ساتھ رہتے ہین، ان کے مقابلہ مین ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شراب پیتے ہین، بدکاریان کرتے ہین، وعدہ کی پابندی نہین کرتے، دوسرون پر ظلم کرتے ہین، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ہر کام مین جوش و استقلال ہوتا ہے، اور ہمارے کام ان سے خالی ہوتے ہین[1]"

---

[1] فتوح الشام ازدی تتمہ ذکر فتح حمص،

انتقال ہوگیا، اور اس کی فتح عہد فاروقی میں عمل میں آئی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ دوران محاصرہ میں دمشق کے بطریق کے گھر بچہ پیدا ہوا، اس کے جشن میں اہل شہر نے خوب شراب پی، اور ایسے بدمست ہوکر سوئے کہ کسی بات کی خبر نہ رہی، خالد بن ولید راتوں کو سوتے نہ تھے، بلکہ گھوم پھر کر خبریں لیا کرتے تھے، اس لئے انھیں اس کی اطلاع ہوگئی،[1] وہ کمند لگا کر مع چند جانبازوں کے شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر شہر کے اندر اتر گئے، اور پھاٹک کے محافظوں کو قتل کرکے پھاٹک کھول دئے، مسلمان باہر منتظر تھے، وہ پھاٹک کھلتے ہی اندر داخل ہوگئے، اہل شہر اس ناگہانی مصیبت سے گھبرا گئے، ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا، وہ سیدھے ابو عبیدہؓ کے پاس جو دوسری سمت متعین تھے پہنچے، اور ان سے صلح کی درخواست کی، انھیں اس صورت حال کا علم نہ تھا، اس لئے صلح قبول کرلی، اور شہر کی ایک سمت سے خالد بن ولید فاتحانہ داخل ہوئے، اور دوسری طرف سے ابو عبیدہؓ مصالحانہ، لیکن ابو عبیدہؓ چونکہ مصالحت کرچکے تھے، اس لئے دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی، اور نہ مال غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ کسی کو لونڈی غلام بنایا گیا[2] یہ فتح ۱۴ھ میں ہوئی۔

اردن کی فتح دمشق شام کا مرکزی شہر تھا، اس کے نکل جانے کا رومیوں کو بڑا صدمہ تھا، اور انھوں نے مسلمانوں کو روکنے کے لئے صوبہ اردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کیں، لیکن پھر مسلمانوں کے استقلال کو دیکھ کر انھوں نے مصالحت کی کوشش کی، لیکن مفاہمت نہ ہوسکی، اور ذی قعدہ ۱۴ھ میں دونوں کا مقابلہ ہوا، کئی خونریز معرکوں کے بعد عیسائیوں نے نہایت فاش شکست کھائی، اور اردن کا پورا صوبہ فتح ہوگیا، کل رعایا ذمی قرار دی گئی، عہد نامہ میں عام کی پوری املاک زمین، مکان، گرجے اور دوسری عبادت گاہیں محفوظ کردی گئیں،[3]

---

[1] طبری ج ۲ ص ۲۱۵۲ [2] ایضاً ص ۲۱۵۳ و ۲۱۵۵ [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۱

حمص وغیرہ کی فتح

دمشق اور اردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے شہر رہ گئے تھے، اس لئے ابو عبیدہؓ اور خالدؓ حمص کی طرف بڑھے، اور راستہ مین بعلبک پر قبضہ کرتے ہوئے حمص پہنچکر اس کا محاصرہ کر لیا، یہان حکومت کی کوئی فوج نہ تھی، شہر کی آبادی حکومت کی امداد کی امید پر کچھ دنون تک مدافعت کرتی رہی، لیکن مسلمانون نے مدد پہنچنے کا راستہ بند کر دیا تھا، اس لئے شہر والون نے مایوس ہو کر آخر مین صلح کر لی، حمص کے محاصرہ کے دوران مین ابو عبیدہؓ نے حماۃ، شیزر اور معرۃ النعمان چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کر لئے، حمص کی تسخیر کے بعد یہان عبادہ بن صامتؓ کو چھوڑ کر ابو عبیدہؓ لاذقیہ روانہ ہو گئے، یہ نہایت مضبوط و مستحکم شہر تھا، ابو عبیدہؓ نے اسے ایک خاص تدبیر سے فتح کیا، لاذقیہ فتح کرنے کے بعد ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا ارادہ کیا، لیکن حضرت عمرؓ کا حکم پہنچ گیا، کہ اس سال آگے بڑھنے کا قصد نہ کیا جائے، اسلئے رک جانا پڑا،

ہرقل کے دربار مین رومیون کی فریاد اور ان کا جوش و خروش

دمشق، اردن اور حمص کی فتوحات نے رومیون کو جوش سے لبریز کر دیا، انھون نے ہرقل کے پاس جاکر فریاد کی، کہ مسلمانون نے سارا شام پامال کر ڈالا ہے، اور کوئی طاقت انھین روکنے والی نہین، ان کی فریاد پر ہرقل نے چند معزز اور صائب الرائے اشخاص کو بلا کر ان سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ "عرب تم سے تعداد، اسلحہ اور سرو سامان ہر چیز مین کم ہین، پھر تم ان کے مقابلہ مین کیون کامیاب نہیں ہوتے،" اس استفسار پر سب نے سر جھکا لیا، ایک تجربہ کار شخص نے جواب دیا کہ "عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہین، وہ رات کو عبادت کرتے ہین، دن کو روزہ رکھتے ہین، کسی پر ظلم نہیں کرتے، آپس مین برابری کے ساتھ رہتے ہین، ان کے مقابلہ مین ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شراب پیتے ہین، بدکاریان کرتے ہین، وعدہ کی پابندی نہین کرتے، دوسرون پر ظلم کرتے ہین، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ہر کام مین جوش و استقلال ہوتا ہے، اور ہمارے کام ان سے خالی ہوتے ہین"[1]

[1] فتوح الشام ازدی تتمہ ذکر فتح حمص،

مسلمانون کی روز افزون فتوحات اور ان کے مقابلہ مین رومیون کی درماندگی دیکھ کر قیصر نے شام چھوڑ کر قسطنطنیہ چلے جانے کا قصد کیا، لیکن جوق در جوق بے کس رومیون کی فریاد سن کر اسے غیرت آگئی، اور وہ پوری قوت سے مسلمانون کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہوگیا، اور تمام ممالکِ محروسہ مین فوجون کے اجتماع کے لئے فرامین جاری کردیے، رومی پہلے سے جذبۂ انتقام سے سرشار ہورہے تھے، قیصر کے فرمان نے اور آگ لگادی، اور انطاکیہ مین فوجون کا طوفان امنڈ آیا،

مسلمانون کی تیاریان رومیون کی یہ پرجوش تیاریان دیکھ کر ابوعبیدہؓ نے افسرانِ فوج سے مشورہ کیا، سب نے مختلف رائیں دین، آخر مین یہ قرار پایا کہ تمام منتشر فوجین ایک جگہ جمع کرلی جائین، چنانچہ دمشق مین اجتماع ہوا، چونکہ اس وقت مسلمان مفتوحہ علاقون کے عیسائیون کی حفاظت نہین کرسکتے تھے، اس لئے جزیہ کی رقم جو درحقیقت حفاظت کا معاوضہ تھی، انھیں واپس کردی گئی،[1] اس کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ رو رو کر مسلمانون کی واپسی کی دعائین کرتے تھے،

دمشق مین اجتماع کے بعد ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو ان جدید حالات کی اطلاع بھجوائی، رومیون کی تیاریون کا حال سن کر اہلِ مدینہ مین بھی جوش پیدا ہوگیا، اور ہر شخص سربکف میدان جہاد مین جانے کے لئے آمادہ ہوگیا، حضرت عمرؓ نے تھوڑی سی مزید امدادی سپاہ شام روانہ کی،

یرموک کا فیصلہ کن معرکہ اردن کے علاقہ مین یرموک کا کھلا میدان جنگی نقطۂ نظر سے مسلمانون کے لئے نہایت موزون اور مناسب تھا، اس کی پشت پر عرب کی سرحد تک کوئی روک نہ تھی، اس لئے ابوعبیدہؓ نے رومیون کے مقابلہ کے لئے اسی میدان کا انتخاب کیا، اور کل فوجین دمشق سے یرموک مین منتقل کردین، قریب ہی مقام دیر الجبل مین رومیون کا ٹڈی دل آکر خیمہ زن ہوا، ان کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی، رومیون کے مذہبی جوش کا یہ عالم تھا

[1] کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۸۱،

ان کے وہ مقدس راہب تک جنھون نے کبھی حجرۂ عبادت سے باہر قدم نہ نکالا تھا، خانقاہون سے نکل کر عام سپاہیون کے ساتھ ہوگئے تھے، مسلمانون کی تعداد بیس تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی، لیکن سب منتخب بہادر تھے، ان مین ایک سو بدری اور ایک ہزار عام صحابہ تھے، رجب ۱۵ھ مین پہلا مقابلہ ہوا، اس مین مسلمانون کا پلہ بھاری رہا، اور جنگ آئندہ کے لیے ملتوی ہوگئی، التوائے جنگ کے بعد رومیون نے مصالحت کی کوشش کی، اور گفتگو کے لئے سفیر طلب کیا، ابوعبیدہؓ نے خالد بن ولیدؓ کو بھیجا، لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی، اور دوبارہ رومی بڑے جوش وخروش کے ساتھ میدان مین آگئے آگے آگے مقدس پادری ہاتھون مین صلیبین لئے ہوئے یسوع مسیح کا نام لے لے کر جوش دلا رہے تھے، تین ہزار رومیون نے پیرون مین بیڑیان پہن لی تھین، کہ میدان سے منہ موڑنے کا خیال بھی دل مین نہ آنے پائے، یہ جوش وخروش دیکھ کر خالد بن ولیدؓ نے ازسرِ نو فوج کو مرتب کیا، اور اس کو جدید طریقہ سے چھتیس حصون پر تقسیم کرکے صف آرائی کی، مسلمانون کے صف آرا ہوتے ہی، رومیون نے نہایت جوش کے ساتھ حملہ کردیا، مسلمانون نے بھی برابر کا جواب دیا، اور ایسی خونریز اور گھمسان کی جنگ ہوئی، کہ میدان جنگ مین کشتون کے پشتے لگ گئے، درمیان مین بعض بعض موقعون پر مسلمانون کا بازو کمزور پڑ گیا، لیکن انجام کار میدان انہی کے ہاتھ مین رہا، رومیون نے نہایت فاش شکست کھائی، باختلاف روایت ان کی ایک لاکھ یا ستر ہزار سپاہ کام آئی، اور مسلمانون کا جانی نقصان کل تین ہزار ہوا، اس شکست نے رومیون کی قوت بالکل توڑ دی، چنانچہ جب قیصر کو اس کی خبر ہوئی، تو وہ نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ چلا گیا[1]

یرموک کی عظیم الشان کامیابی کے بعد ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو مژدۂ فتح بھیجا، آپ

[1] طبری اور فتوح البلدان ازدی اور بلاذری وغیرہ مین یرموک کی جنگ کی تفصیلات نہایت طویل ہین ہم نے مختصر ضروری خلاصہ لکھا ہے

کئی دن سے انتظار میں ہوئے نہ تھے، فتح کی خبر سن کر سجدہ میں گر پڑے، یرموک کے معرکہ نے رومیوں کی قوت پاش پاش کر دی تھی، اس لئے مسلمانوں نے بوقا، جومہ، سرمین، توزی، تورس، تل عزاز اور ولوک وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح کر لئے، حلب، قنسرین اور پایہ تخت انطاکیہ کے رومیوں نے کچھ مزاحمت کی، لیکن کوئی بڑی قوت ان کی مددگار نہ تھی، اس لئے انھوں نے بھی معمولی مزاحمت کے بعد جلد اطاعت قبول کر لی،

بیت المقدس کی فتح اوپر گذر چکا ہے کہ فلسطین کی مہم عمرو بن العاص کے متعلق تھی، انھوں نے نابلس، لد، عمواس، اور بیت جبرین وغیرہ فلسطینی علاقے آسانی سے فتح کر لئے، فلسطین بلکہ سارے شام کا مرکزی شہر بیت المقدس باقی رہ گیا تھا، درمیان میں یرموک وغیرہ کی مہم پیش آجانے کی وجہ سے وہ بیت المقدس کی طرف توجہ نہ کر سکے تھے، یرموک کے بعد جب رومیوں کی جانب سے ایک حد تک اطمینان ہوگیا، اس وقت عمرو بن العاص نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا، عیسائیوں نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا، اس دوران میں ابو عبیدہ بھی پہنچ گئے، عیسائیوں نے چند دنوں تک مدافعت کی، لیکن ان کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی، اس لئے آخر میں صلح کے لئے تیار ہو گئے، اور یہ شرط پیش کی کہ امیر المومنین خود آکر صلح کا معاہدہ لکھیں، حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی گئی، آپ نے منظور فرمالیا، اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر رجب ۱۶ھ میں بیت المقدس روانہ ہوئے، تمام مسلمان افسروں کو اطلاع دے دی گئی تھی، مقام جابیہ میں انھوں نے آپ کا استقبال کیا، ان کے بدن پر دیبا و حریر کی پر تکلف قبائیں تھیں حضرت عمرؓ کو اسلامی سادگی کی جگہ یہ ٹھاٹھ دیکھ کر غصہ آگیا اور کنکریاں مار کر فرمایا تم نے اتنی جلد عجمی عادتیں اختیار کر لیں، ان لوگوں نے قبا کا دامن اٹھا کر دکھایا کہ نیچے ہتھیار ہیں، فرمایا تو پھر کوئی مضائقہ نہیں[1]، بیت المقدس

---

[1] طبری ص ۲۴۰۳،

کے عیسائی بھی جابیہ آگئے تھے، چنانچہ یہین معاہدہ لکھا گیا، اور اس پر تمام معزز صحابہؓ کے دستخط ہو گئے یہ عہدنامہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ خود خلیفۂ اسلام نے ایک مذہبی فرقہ کے مذہبی شہر کے متعلق لکھا تھا، اس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانون کا طرز عمل دوسرے مذاہب اور ان کی عبادت گاہون کے ساتھ کیسا تھا، اس لئے بجنسہٖ اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے :-

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگون کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والون کے لئے ہے، کہ نہ ان کے گرجاؤن مین سکونت کی جائیگی اور نہ وہ ڈھائے جائین گے، نہ ان کو یا ان کے احاطے کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبون اور ان کے مال مین کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارہ مین ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان مین سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا مین ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائین گے، ایلیا والون پر فرض ہے کہ وہ اور شہرون کی طرح جزیہ دین، اور یونانیون کو اپنے یہان سے نکال دین، ان یونانیون مین سے جو شہر سے نکلے گا، اس کی جان اور مال محفوظ ہے، جب تک کہ وہ اپنی جائے پناہ پر نہ پہنچ جائے، اور ان مین سے جو ایلیا مین ہی سکونت اختیار کرنا چاہے اس کے لئے بھی امن ہے، اس کو ایلیا والون کی طرح جزیہ دینا ہوگا، ایلیا والون مین سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر یونانیون کے ساتھ نکل جانا چاہے، تو وہ بھی اور ان کے گرجے اور صلیب مامون ہین، تاآنکہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائین اس تحریر پر خدا، رسول، خلفاء اور مسلمانون کا ذمہ ہے، بشرطیکہ یہ لوگ مقرر جزیہ ادا کرتے رہین، اس پر خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان گواہ ہین، ۱۵ھ مین یہ معاہدہ لکھا گیا"[1]

---

[1] طبری جلد ۵ ص ۲۴۰۵

کسی مفتوح قوم کے حقوق تین ہی چیزون سے متعلق ہو سکتے ہین، جان و مال، اور مذہب، اس معاہدہ مین یہ تینون چیزین محفوظ قرار دی گئیں، یہودیون کا بیت المقدس سے اخراج، عیسائیون کی رعایت سے تھا، کہ وہ ان کے قومی اور مذہبی دشمن تھے، یونانی گو مسلمانون کے حریف مقابل تھے، لیکن بیت المقدس مین ان کے قیام کی صورت مین ان کے ساتھ بھی اہل ایلیا کی طرح مراعات کی گئیں، اور نکل جانے کی صورت مین بھی جان مال اور عبادت گاہین محفوظ قرار دی گئیں، ایک غیر قوم اور غیر مذہب کے ساتھ اس سے زیادہ منصفانہ سلوک اور کیا ہو سکتا ہے،

اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ بیت المقدس روانہ ہوئے، ابو عبیدہؓ وغیرہ افسران فوج نے شہر کے باہر نکل کر استقبال کیا، فاتح بیت المقدس کا لباس اتنا معمولی اور فرسودہ تھا کہ مسلمانون کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اس لباس مین دیکھ کر کیا کہین گے، اس لئے انھون نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک پیش کی، حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا "خدا نے جو ہم کو عزت دی ہے، وہ اسلام کی عزت ہے، اور وہی ہمارے لئے بس ہے،" اور اسی لباس مین بیت المقدس مین داخل ہوئے[1]

بیت المقدس مین کئی دن حضرت عمرؓ کا قیام رہا، ایک دن حضرت بلالؓ نے شکایت کی کہ "امیر المومنین! ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیان کھاتے ہین اور عام مسلمانون کو معمولی کھانا بھی نصیب نہین، حضرت عمرؓ نے افسرون کی طرف مستفسرانہ نگاہون سے دیکھا، انھون نے عرض کیا کہ یہان سب چیزین نہایت ارزان ہین، حجاز مین جس قیمت مین روٹی اور کھجور ملتی ہے، یہان اسی قیمت پر پرند کا گوشت ملتا ہے، اس جواب پر آپ انھین منع تو نہ کر سکے، لیکن تنخواہ کے علاوہ سپاہیون کی خوراک بھی مقرر کر دی،[2]

ایک دن آپ نے حضرت بلالؓ سے اذان کہنے کی درخواست کی، انھون نے فرمایا

---

[1] فتوح الشام ازدی ذکر فتح بیت المقدس [2] ایضاً،

میں نے عہد کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہ کہوں گا، لیکن آج اور صرف آج آپ کی خواہش پوری کروں گا، بلالؓ جب اذان دینے لگے تو صحابہؓ کی نگاہوں کے سامنے عہد نبوی کا سماں پھر گیا، سب کی آنکھیں بے اختیار اشکبار ہو گئیں، حضرت معاذ بن جبلؓ روتے روتے بیتاب ہو گئے، حضرت عمرؓ کو ہچکی لگ گئی[1]۔

حضرت عمرؓ بیت المقدس سے واپسی میں مفتوحہ علاقوں کا دورہ کر کے سرحدوں کی حفاظت کا انتظام کرتے ہوئے مدینہ واپس تشریف لے گئے،

حمص کی بغاوت جزیرہ (مسوپٹامیا) جو عراق کا حصہ ہے، اس وقت تک فتح نہ ہوا تھا، اس کی اور شام کی سرحد ملی ہوئی ہے، اس لئے شام کی فتح کے بعد اہل جزیرہ کو اپنے ملک کے بارہ میں خطرہ پیدا ہوا، انھوں نے عیسائیوں کے جذبات سے فائدہ اٹھانا چاہا، اور قیصر روم کو لکھا کہ اگر تم مسلمانوں کے مقابلہ میں دوبارہ اٹھو تو ہم ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں، یہ سہارا پا کر قیصر نے امدادی فوجیں روانہ کر دیں، دونوں نے مل کر ۱۷ھ میں حمص واپس لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہیں،

خالد بنؓ ولید کی معزولی شام کی فتوحات در ۱۷ھ کے واقعات میں سب سے اہم واقعہ حضرت خالد بنؓ ولید کی معزولی کا ہے، عام طور پر مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے زمام خلافت سنبھالتے ہی خالدؓ کو معزول کر دیا تھا، لیکن بروایت صحیح یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے، چنانچہ جن مورخین نے اسے عام روایت کے مطابق ۱۳ھ میں لکھا ہے، وہ بھی ۱۷ھ ہی صحیح سمجھتے ہیں، چنانچہ ابن اثیر نے ۱۳ھ میں بھی لکھ دیا ہے لیکن خود ان کی رائے یہی ہے کہ یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں فی ھذہ السنۃ وھی سنۃ سبع عشرۃ عزل خالد بن ولید[2]۔

یہ واقعہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ جس جانباز کی تلوار نے عراق و شام کی قسمت کا

---

[1] فتوح الشام ازدی ذکر فتح بیت المقدس [2] ابن اثیر ج ۲ ص ۲۰۰،

فیصلہ کر دیا، حضرت عمرؓ نے عین محاذ جنگ میں اسے معزول کر دیا، اس کے علاوہ اور حیثیتوں سے بھی سبق آموز ہے
اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید اپنے شجاعانہ کارنامون کے ساتھ بعض معاملات مین
لاپروائی برتتے تھے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ سے وہ کبھی فوجی مصارف کا حساب و کتاب
نہین بھیجتے تھے، انھون نے ان کو فہمایش بھی کی، لیکن خالدؓ اس پر آمادہ نہ ہوئے حضرت ابوبکرؓ
نے ان کی خدمات کی بنا پر چشم پوشی سے کام لیا[١]، حضرت عمرؓ کو اسی زمانہ سے ان کی یہ روش پسند
نہ تھی، ان کے زمانہ مین بھی یہی روش قائم رہی، آپ نے ان کو تاکید کی کہ وہ آیندہ سے ان کی اجازت
کے بغیر کسی کو ایک بکری بھی نہ دین، خالدؓ نے جواب دیا کہ مین ابوبکرؓ کے زمانہ سے ایسا ہی کرتا
چلا آیا ہون، اب اس کے خلاف نہین کر سکتا، حضرت عمرؓ نے دوبارہ لکھا کہ تم سپہ سالاری تمر
پر رہ سکتے ہو کہ فوجی مصارف کا حساب باضابطہ بھیجتے رہو، لیکن اس وقت سے بھی خالدؓ اپنی
ضد پر قائم رہے[٢]، اس پر بھی حضرت عمرؓ نے ان کو معزول نہین کیا، بلکہ حضرت ابوعبیدہؓ کے
ماتحت کر دیا، اس کے بعد ١٧؁ھ مین انھون نے ایک شاعر کو دس ہزار کی خطیر رقم دے ڈالی،
حضرت عمرؓ نے ان سے بازپرس کی، اور ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ اگر خالد نے یہ رقم اپنی جیب سے
دی ہے تو اسراف کیا، اور اگر بیت المال سے دی ہے تو خیانت کی، دونون حالتون مین
وہ معزولی کے قابل ہین،

جو قاصد یہ حکم لے کر گیا تھا اس نے خالدؓ سے پوچھا کہ یہ رقم تم نے کہان سے دی ہے،
اس وقت بھی خالدؓ نے کوئی جواب نہ دیا، اس لئے قاصد نے بھرے مجمع مین نشان معزولی
کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی، اور ان کی سرتابی کی سزا مین انھی کے عمامہ سے ان کی
گردن باندھ دی، خالدؓ نے صرف اس قدر کہا کہ مین نے اس حکم کو سنا اور مانا اور اب بھی مین اپنے

[١] اصابہ ج ٢ ص ٩٩، [٢] ایضاً تذکرہ خالدؓ

افسروں کے احکام ماننے اور خدمات بجالانے کے لئے تیار ہوں[1]، اس واقعہ سے خالدؓ کی حق پرستی، اور حضرت عمرؓ کے دبدبہ، دونوں کا اندازہ ہوتا ہے، کہ اتنے بڑے سپہ سالار کو بھرے مجمع میں معزول کیا جاتا ہے، لیکن دم نہیں مارتا،

معزولی کے بعد خالدؓ نے مدینہ واپس آکر حضرت عمرؓ سے شکوہ کیا، اور بیس ہزار کی رقم جو ان کے پاس زائد تھی، داخل کردی، حضرت عمرؓ نے فرمایا "خالد! واللہ تم مجھے ویسے ہی محبوب ہو، اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں، اور عمال کو لکھ بھیجا کہ میں نے خالدؓ کو ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے، بلکہ ان کے کارناموں کی وجہ سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے، اس لئے میں نے ان کو معزول کر دیا، تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے[2]"

طاعون عمواس | سنہ ۱۸ھ میں شام میں نہایت سخت طاعون پھیلا، اس میں بہت سے مسلمان ضائع ہوئے، بڑے بڑے نامور بزرگ اس وبا کا شکار ہو گئے، حضرت عمرؓ کو بڑا تردد پیدا ہوا، آپ خود انتظام کے لئے شام روانہ ہوئے، لیکن مقام سرغ میں پہنچکر معلوم ہوا کہ وبا کا زور بڑھتا جاتا ہے، اس لئے صحابہؓ کے مشورہ سے لوٹ آئے اور حضرت ابو عبیدہؓ کو بھی واپس بلا بھیجا، انھوں نے جواب دیا کہ جو قسمت میں لکھا ہے وہ پورا ہوگا، میں مسلمانوں کو چھوڑ کر نہیں آسکتا[3]، حضرت عمرؓ یہ خط پڑھ کر بہت روئے اور ابو عبیدہؓ کو دوبارہ لکھا کہ اگر تم نہیں آتے تو فوجوں کو مرطوب مقامات سے ہٹا دو، اس حکم پر انھوں نے فوجیں جابیہ میں جہاں کی آب و ہوا مشہور تھی منتقل کر دیں، ابو عبیدہؓ پر وبا کا اندرونی اثر ہو چکا تھا، اس لئے وہ جابیہ آنے کے بعد اس میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے، انتقال سے پہلے معاذ بن جبل کو اپنا جانشین بنا گئے، وبا کا زور بڑھتا جاتا تھا، عمرو بن العاص نے مشورہ دیا کہ اس بلا سے نکل جانا چاہئے، حضرت معاذؓ میں بھی مذہب کا نشہ

[1] طبری ج ۵ ص ۲۵۲۸ [2] ایضاً [3] مسلم باب الطاعون [4] فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۵۹،

تیز تھا، انھون نے تقریر کی کہ "یہ بلا نہین بلکہ خدا کی رحمت ہے، اس مین بڑے بڑے صلحاء نے انتقال کیا ہے" یہ تقریر کرکے گھر واپس ہوئے تو نوجوان بیٹے کو بیمار پایا، وہ دیکھتے دیکھتے اٹھ گیا لیکن معاذؓ کے استقلال مین اب بھی فرق نہ آیا، بالآخر انھون نے بھی اسی بیماری مین جان دی، اور عمرو بن العاصؓ کو اپنا قائم مقام بنا گئے، انھون نے فوراً فوجون کو پہاڑی مقامات مین بھیجدیا، اس وبا مین پچیس ہزار مسلمان ضائع ہوئے، ہزارون عورتین بیوہ اور ہزارون بچے یتیم ہوگئے، اس لئے حضرت عمرؓ نے انتظام کے لئے دوبارہ شام کا سفر کیا، اور اکثر اضلاع کا دورہ کرکے مناسب انتظامات کئے، فوجون مین روپیہ تقسیم کیا، متوفی مسلمانون کے ورثہ کو ان کا ترکہ دلایا، فوج مین جو جگہیں خالی ہوگئی تھین، ان پر نئے عہدہ دار مقرر کئے، سرحدی مقامات مین جاکر فوجی چھاونیان قائم کین، ان انتظامات سے فراغت کے بعد مدینہ واپس آئے، ابھی ایک مصیبت سے نجات ملی تھی کہ عرب مین قحط ٹوٹ پڑا حضرت عمرؓ نے نہایت مستعدی سے انتظامات کرکے ہزارون مسلمانون کو بھوکون مرنے سے بچالیا[1]

قیساریہ کی فتح طاعون عمواس سے پہلے ہی قریب قریب پورا شام تسخیر ہوچکا تھا، ایک قیساریہ جو اس زمانہ مین نہایت آباد اور پررونق شہر تھا، باقی رہ گیا تھا، اس پر کئی مرتبہ فوجکشی ہوئی، مگر فتح نہ ہوسکا، بالآخر امیر معاویہؓ نے ۱۹ھ مین اسے فتح کیا، قیساریہ کی فتح کے بعد شام کا مطلع بالکل صاف ہوگیا،

مصر کی فتوحات شام کے زیرنگین ہونے کے بعد اس کے ہم سرحد ملک مصر پر فوجکشی ہوئی، اس کی فتح کا سہرا تمام تر حضرت عمرو بن العاصؓ کے سر ہے، ظہور اسلام سے قبل وہ تجارت کے سلسلہ مین اکثر مصر آیا جایا کرتے تھے، اسی زمانہ سے مصر کی شادابی اور زرخیزی ان کی نگاہ مین تھی، اس کے علاوہ مصر پر فوجکشی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ مصر کی قبطی حکومت قیصر روم کی ماتحت تھی اور

[1] تفصیل کے لئے دیکھو یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۱

رومیون کا اس پر پورا اثر تھا، اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ قبطیون کے ذریعہ شام مین یا کم از کم اس کے سرحدی علاقون مین شورش بپا کرا سکتے تھے، اس لئے شام کی حفاظت کے لئے مصر پر قبضہ کرنا ضروری تھا، چنانچہ شام کی فتح کے بعد عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ سے مصر پر فوجکشی کی اجازت مانگی، آپ نے احتیاط کے خیال سے انکار کر دیا، لیکن پھر عمرو بن العاص کے پیہم اصرار پر رضامند ہو گئے، اور چار ہزار سپاہ ساتھ کر دی،

حضرت عمرؓ سے اجازت لینے کے بعد عمرو بن العاص نے سنہ ۲۱ھ مین مصر پر فوجکشی کی، اور عریش کے راستہ سے فرما پہنچے، یہان کی رومی فوجون نے روکا، عمرو بن العاص نے انھین شکست دی، اور آگے بڑھکر بلبیس اور ام دنین وغیرہ فتح کرتے ہوئے[1] فسطاط پہنچے،

فسطاط کا محاصرہ اور فتح

فسطاط اس زمانہ مین غیر آباد تھا، لیکن یہان حکومتِ مصر کا ایک مضبوط قلعہ تھا جس مین مصری فوجین رہا کرتی تھین، عمرو بن العاص نے ان کا محاصرہ کر لیا، قلعہ نہایت مستحکم تھا، اور مصریون کے مقابلہ مین مسلمانون کی تعداد بھی بہت کم تھی اس لئے عمرو بن العاص نے دار الخلافہ سے مزید امدادی فوجین مانگ بھیجین، حضرت عمرؓ نے حضرت زبیر بن عوامؓ اور چند صحابہؓ کو دس ہزار فوجین دے کر بھیجا، عمرو بن العاص نے حضرت زبیرؓ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا، کامل سات مہینہ تک قلعہ کا محاصرہ جاری رہا، مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی، آخر مین حضرت زبیرؓ ایک دن ہمت کرکے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، بعض اور صحابہؓ نے ان کا ساتھ دیا، فصیل پر پہنچکر ان لوگون نے اس زور سے تکبیر کا نعرہ لگایا کہ عیسائی یہ سمجھکر کہ مسلمان قلعہ مین گھس آئے بدحواس ہو کر قلعہ سے بھاگ نکلے[2]، حضرت زبیرؓ نے قلعہ مین اتر کر پھاٹک کھول دیا، اور اسلامی فوج داخل ہو گئی، یہ صورت دیکھ کر مقوقس فرمانروائے مصر نے صلح کر لی،

[1] ان مقامات کی فتح کی تفصیل کے لئے دیکھو فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰ [2] ایضاً،

مقوقس، قیصر روم کے ماتحت تھا، قیصر کو اس مصالحت کی خبر ہوئی، تو اس نے مقوقس کو لکھ بھیجا کہ اگر تم مسلمانون کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیون کی تعداد کیا کم تھی جو تم نے صلح کر لی، اور اسی وقت ایک لشکر گران قسطنطنیہ سے اسکندریہ روانہ کیا،

اسکندریہ کی تسخیر

مقوقس صلح پر قائم رہا، اس لئے اب گویا مسلمانون کا مقابلہ رومیون سے تھا، رومی فوجین اسکندریہ مین تھین، اس لئے ۲۱ھ مین عمرو بن العاصؓ نے فسطاط کی فتح کے بعد اسکندریہ کا رخ کیا، راستہ مین جابجا رومیون اور ان کے ساتھ قبطیون نے روکنے کی کوشش کی، لیکن مسلمان برابر بڑھتے چلے گئے، مقام کریون مین دونون کا سخت مقابلہ ہوا، مسلمانون نے نہایت فاش شکست دی[1]، اس کے بعد پھر کسی نے راستہ مین روکنے کی جرأت نہ کی، اور مسلمانون نے اسکندریہ پہنچکر اس کا محاصرہ کر لیا، مقوقس فرمانروا ے مصر بذات خود لڑنا نہیں چاہتا تھا، لیکن قیصر روم کے خوف سے نہ علانیہ گذشتہ صلح پر قائم رہ سکتا تھا، اور نہ کوئی دوسری صلح کر سکتا تھا، اس لئے وہ بظاہر مقابلہ مین ڈٹا رہا، لیکن خفیہ عمرو بن العاصؓ سے طے کر لیا، کہ "وہ اور اس کی قوم اس جنگ مین دل سے شریک نہیں ہے، اس لئے قبطیون کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے،" چنانچہ قبطی خفیہ مسلمانون کی مدد بھی کرتے تھے[2]

عرصہ تک اسکندریہ کا محاصرہ جاری رہا، مگر کامیابی نہ ہوئی، حضرت عمرؓ کو بڑی تشویش تھی، انھون نے عمرو بن العاصؓ کو خط لکھا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ وہان کے قیام کے اثر سے تم لوگ عیسائیون کی طرح عیش و عشرت مین پڑ گئے ہو، ورنہ فتح مین اتنی دیر نہ ہوتی، میرا خط پہنچتے ہی متفقہ حملہ کر دو،" اس خط پر عمرو بن العاصؓ نے فوج کے سامنے جہاد پر وعظ کہہ کر اسے گرمایا، اور عبادہ بن صامتؓ کو سپہ سالار بنا کر اس زور کا متفقہ حملہ کیا کہ ایک ہی حملہ مین اسکندریہ فتح ہو گیا، اسی وقت عمرو بنؓ

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰ و ۲۲۸، [2] خطط مقریزی ج اول ص ۲۶۳،

العاص نے حضرت عمرؓ کو فتح کی اطلاع بھجوادی،[۱]

متفرق فتوحات | سکندریہ فتح کرنے کے بعد عمرو بن العاصؓ فسطاط واپس آئے، اب مصر میں کوئی اہم مقام باقی نہ رہ گیا تھا، لیکن بہت سے چھوٹے چھوٹے مقاموں میں رومی پھیلے ہوئے تھے، فسطاط واپس ہونے کے بعد عمرو بن العاصؓ نے خارجہ بن حذافہ عدوی اور عمیر بن وہب جمحی کو ان اضلاع پر مامور کیا، خارجہ نے فیوم، اشمونین، اخمیم، بشرادات وغیرہ سعید مصر کے علاقوں کو مطیع بنایا اور عمیر نے تنیس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، دقہلہ، شطا، وغیرہ اور عقبہ بن عامر جمحی نے مصر کا نشیبی علاقہ فتح کیا، اور چند دنوں میں پورا مصر زیر نگیں ہو گیا،[۲]

طرابلس الغرب کی تسخیر | مصر کی تسخیر کے بعد عمرو بن العاصؓ نے شمالی افریقہ کا رخ کیا، اور سب سے اول برقہ کا محاصرہ کیا، یہاں کے باشندوں نے جزیہ دے کر صلح کر لی، برقہ کے بعد عقبہ بن نافع کو زویلہ بھیجا، یہاں کے باشندوں نے بھی صلح کر لی،[۳]

عمرو بن العاصؓ نے طرابلس الغرب پر فوج کشی کی اور ایک معمولی جنگ کے بعد وہ بھی فتح ہو گیا،[۴]

حضرت عمرؓ پر حملہ اور آپ کی شہادت | ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ کی شہادت کا حادثۂ عظمیٰ پیش آیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے پارسی غلام ابو لولو نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ اس کے آقا اس سے بہت بھاری ٹیکس وصول کرتے ہیں، اور اسے کم کرانے کی درخواست کی، آپ نے پوچھا کتنا محصول لیتے ہیں، ابو لولو نے کہا دو درہم روزانہ، پوچھا تم کام کیا کرتے ہو، اس نے کہا آہنگری، نجاری اور نقاشی، فرمایا ان پیشوں کے مقابلہ میں یہ رقم زیادہ نہیں ہے، اس فیصلہ پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا، دوسرے دن فجر کی نماز کے وقت

۱؎ خطط مقریزی ج اول ص ۲۶۲ تا ۲۶۷ میں اس کی بڑی طویل تفصیل ہے ۲؎ تفصیل کے لئے دیکھو فتوح البلدان ص ۲۲۳ ۳؎ ایضاً ص ۲۳۱، ۲۳۲ ۴؎ تفصیل کے لئے دیکھو ابن اثیر ج ۳ ص ۹۰

خنجر لے کر مسجد میں آیا، جیسے ہی حضرت عمرؓ نے نماز شروع کی، ابو لولو نے دفعۃً بڑھ کر مسلسل چھ وار کئے، حضرت عمرؓ زخمی ہو کر گر پڑے، آپ کی جگہ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے نماز تمام کرائی، کچھ لوگ ابو لولو کو گرفتار کرنے کے لئے بڑھے، اس نے انھیں بھی زخمی کیا، مگر آخر میں پکڑا گیا، گرفتار ہوتے ہی اس نے خودکشی کر لی، نماز تمام ہونے کے بعد حضرت عمرؓ اٹھا کر لائے گئے، پوچھا میرا قاتل کون تھا، لوگوں نے عرض کیا، فیروز، فرمایا الحمد للہ میرا قاتل مسلمان نہیں ہے،

زخم نہایت کاری تھا، بچنے کی کوئی امید نہ تھی، آپ کو آقائے نامدار کی قربت میں دفنا ہونے کی بڑی تمنا تھی، اس لئے اپنے صاحبزادہ حضرت عبد اللہؓ کو حضرت عائشہؓ کے پاس حجرۂ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے بھیجا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا یہ جگہ میں نے اپنے لئے محفوظ رکھی تھی، لیکن عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی، عبد اللہؓ واپس آئے، آپ نے پوچھا کیا جواب لائے، عرض کی جو آپ چاہتے تھے، فرمایا سب سے بڑی آرزو یہی تھی،[1]

جانشین

اس وقت سب سے اہم مسئلہ آپ کی جانشینی کا تھا، اس میں مختلف قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہو چکی تھیں، اس لئے آپ کی وفات سے پہلے صحابۂ کرامؓ نے آپ سے جانشین نامزد کرنے کے لئے درخواست کی، آپ کے لئے یہ مسئلہ ہمیشہ سب سے اہم تھا، اور اکثر آپ زندگی میں اس پر غور کیا کرتے تھے، لیکن کسی پر نظر نہ جمتی تھی، اپنے معیار سے سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے، بعض لوگوں نے آپ کے صاحبزادے عبد اللہؓ کا نام پیش کیا، فرمایا جس کو بیوی کو طلاق دینے کا سلیقہ نہیں ہے وہ خلافت کا بار کیسے سنبھال سکتا ہے،[2] بالآخر لوگوں کے اصرار پر حضرت علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعدؓ اور عبد الرحمنؓ بن عوف چھ آدمیوں کو جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں، اور جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی، نامزد کر کے فرمایا ان میں جس پر کثرتِ رائے ہو جائے اسے امیر بنانا اور تاکید کر دی کہ میرے بعد تین دن کے اندر اندر یہ مرحلہ طے ہو جائے اور حضرت صہیبؓ کو حکم دیا، کہ میرے دفن سے فراغت کے

[1] مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۹۳ [2] یعقوبی ج ۲ ص ۱۶۰

بعد چھوؤن آدمیون کو ایک مکان کے اندر بند کر دینا، اور جب تک ان مین سے کسی کا انتخاب ہو جائے اس وقت تک نہ کھولنا، عبد اللہ (آپ کے صاحبزادہ) مشورہ مین شریک رہین گے، لیکن امارت سے انھین کوئی تعلق نہ ہوگا، کثرت رائے کے بعد بھی اگر کوئی شخص خلافت کا مدعی رہے تو اسے قتل کر دینا[1]،

آخری وصیتین نامزدگی کے مرحلہ سے فراغت کے بعد لوگون سے فرمایا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو، وہ مہاجرین، انصار، اعراب، اہل عرب اور ذمیون کے حقوق کا پورا خیال رکھے، اور ان مین سے ہر ایک کے حقوق کی تشریح فرما کر تاکید فرمائی کہ ذمیون سے جو اقرار ہے اسے پورا کیا جائے، ان کے دشمنون سے لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے[2]،

قومی امور سے فراغت کے بعد ذاتی معاملات کی طرف متوجہ ہوئے، اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہؓ کو وصیت کی کہ میرے بعد میرا قرض ادا کرنا، اگر میرے متروکہ مال سے ادا نہ ہو سکے تو خاندان عدی سے درخواست کرنا، اگر ان سے بھی نہ ہو سکے تو کل قریش سے، قریش کے علاوہ اور کسی کو تکلیف نہ دینا،

وفات ان وصیتون کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو شنبہ کے دن اس دنیا کو خیر باد کہا، وصیت کے مطابق حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور آقائے نامدارؐ کے پہلو مین سپرد خاک کئے گئے، انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی، مدت خلافت ساڑھے دس سال،

اولاد وفات کے بعد حسب ذیل اولادین یادگار چھوڑین، عبد اللہؓ، عاصمؓ، عبد الرحمنؓ، زیدؓ مجبرؓ، ان مین تین اول الذکر اولادین زیادہ نامور ہوئین، اولاد اناث مین ام المومنین حفصہؓ اور رقیہ تھین، آخر عمر مین خاندان نبوت سے شرف انتساب حاصل کرنے کے لئے حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم سے چالیس ہزار مہر پر عقد کیا تھا،

[1] ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۲۴۵ و تاریخ الخلفا سیوطی ذکر حالات وفات عمرؓ [2] ابن سعد ص ۲۴۲،

فاروقی کارنامے

فتوحات کی کثرت، محاصل کی فراوانی، انتظامات کی خوبی، جور وظلم کے انسداد، عدل و انصاف اور امن وامان کے قیام، ملک کی خوش حالی اور رعایا کی فارغ البالی وغیرہ تمام اوصاف وکمالات کے لحاظ سے جو کسی حکومت یا فرمانروا کے لئے طغرائے امتیاز ہو سکتے ہیں، دنیا کا کوئی حکمران فاروق اعظمؓ کے مقابلہ میں نہیں پیش کیا جا سکتا،

فتوحات پر تبصرہ آپ کے دس سالہ دورِ حکومت میں ایران وروم کی عظیم الشان سلطنتوں کے پرزے اڑ گئے، اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور اس احتیاط کے ساتھ کہ ان ساری فتوحات میں ظلم وجور کا ایک واقعہ بھی نہیں پیش آیا،

فاروقی فتوحات کے مقابلہ میں چنگیزی اور تیموری فتوحات کو پیش کرنا اور یہ کہہ کر اسلامی فتوحات کی اہمیت گھٹانا کہ اس زمانہ میں ایران وروم کی سلطنتیں کمزور پڑ چکی تھیں کس قدر غلط ہے،

بلاشبہہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے ایک عالم کو زیر نگیں کیا، لیکن اسی کے ساتھ زیر وزبر کر ڈالا، وہ صرف جہانگیر تھے جہاندار نہ تھے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جس احتیاط اور جن قوانین کی پابندی کے ساتھ ایران وروم فتح ہوئے اس احتیاط کے ساتھ دنیا کا کوئی حکمران زمین کا ایک چپہ بھی فتح نہیں کر سکتا، چنگیز وتیمور وغیرہ طوفان کی طرح ایک عالم پر چھا گئے لیکن جب یہ طوفان تھما تو انسانی لاشوں کے انبار اور تباہ شدہ کھنڈروں کے علاوہ اور کوئی

شے نظر نہ آتی تھی، وہ جن جن ملکون سے گذرے انھین ویرانہ بنا دیا، اس کے برخلاف
عہدِ فاروقی مین خونِ ناحق کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پایا، ملکون کا تباہ کرنا تو بڑی بات ہے،
ہری بھری کھیتیون اور شاداب درختون تک کو نہ کاٹتے تھے، بوڑھون، بچون اور عورتون
پر تلوار اٹھانے کی سخت ممانعت تھی، پھر مسلمانون نے جس ملک مین قدم رکھا، اپنے
عدل و انصاف اور حسن اخلاق سے اس کے باشندون کو ایسا گرویدہ بنا لیا کہ وہ اپنی قوم کے
مقابلہ مین ان کے معاون و مددگار بن گئے، انھون نے قومون کے دل و دماغ کو مسخر کر لیا،
اور بہت سی مفتوح قومون نے ان کا مذہب بھی قبول کر لیا، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس زمانہ
مین جو ملک فتح ہوئے وہ سب کے سب مسلمان، اور آج تک مسلمانون کے قبضہ مین ہین،
یہ ایک حد تک صحیح ہے کہ ظہور اسلام کے وقت روم اور ایران کی سلطنتون کی
پرانی قوت اور عظمت و شان باقی نہ رہ گئی تھی، اور قسطنطین اعظم اور خسرو پرویز کا جاہ و جلال
ختم ہو چکا تھا، لیکن اس انحطاط کی وجہ سے وہ زیادہ سے زیادہ قوی سلطنتون کا مقابلہ نہین کر سکتی
تھین، لیکن کیا وہ عرب جیسی بے سر و سامان قوم کی ٹکر بھی برداشت نہ کر سکتی تھین، رومی اور عجمی
اپنے دورِ انحطاط مین بھی عربون سے فائق تھے، فنونِ جنگ کی واقفیت، رسد کی فراوانی،
آلاتِ جنگ کا تنوع، کسی چیز مین عرب ان کے پاسنگ نہ تھے، ان کے پاس معمولی آلات
اور شکم پری تک کا سامان نہ تھا، ایسی حالت مین عربون سے ٹکرا کر ان کے پرزے اڑ جانا
حیرت انگیز واقعہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے ان مین ایسا جوش، عزم، استقلال، ہمت،
حوصلہ مندی، دلیری، اخلاق، حمیت، عدل و انصاف، دیانت در استبازی پیدا کر دی تھی،
اور حضرت عمرؓ نے اس مین ایسی جلا دے دی تھی کہ دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہین کر سکتی تھی،

حضرت عمرؓ کا حقیقی کارنامہ فتوحات سے بڑھ کر حضرت عمرؓ کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انھون نے مذہب

بنیادوں پر ایسے آئینِ حکومت مرتب کرو ے ایسا عادلانہ نظام قائم کردیا، جو مسلمانوں کی جملہ سعادتوں اور ترقیوں کا ضامن تھا، اور جس سے بڑھ کر عادلانہ نظام اس دورِ ترقی میں بھی نہیں پیش کیا جاسکتا، آیندہ سطور میں اسی نظام کا اجمالی خاکہ پیش کیا جائے گا،

شوریٰ اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے، حضرت عمرؓ نے اسی بنیاد پر خلافتِ اسلامیہ کو قائم کیا، اس نظام میں کوئی اہم کام بغیر اہل الرائے صحابہؓ کے مشورہ کے انجام نہ پاتا تھا[۱]، خاص خاص حالات میں عامۂ مسلمین کا مشورہ بھی ضروری ہوتا تھا، آپ فرمایا کرتے تھے، لاخلافۃ الا عن مشورۃ[۲]،

حضرت عمرؓ نے اپنی حیثیت صرف ایک متولی اور شیرازہ بند کی رکھی تھی، اور اس کو علانیہ متعدد مواقع پر واضح کیا، ایک موقع پر فرمایا کہ "تمہارے مال میں سے مجھ کو صرف اسی قدر حق ہے جس قدر ایک یتیم کے مال میں متولی کا ہوتا ہے، اگر میں دولت مند ہوں گا، تو کچھ نہ لوں گا، اور اگر حاجتمند ہوں گا تو صرف کھانے کے بقدر لے لوں گا، میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں، جس کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہئے، ایک یہ کہ ملک کا خراج نہ بیجا طور سے جمع کیا جائے اور نہ بیجا طور سے صرف ہونے پائے، دوسرے یہ کہ میں تمہارے روزینہ بڑھاؤں، سرحدوں کی حفاظت کروں اور تم کو خطروں میں نہ ڈالوں[۳]، ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ "میں تم کو مجبور کرونگا کہ تم نے جو بار مجھ پر ڈالا ہے، اس میں میرا ہاتھ بٹاؤ، میری حیثیت تمہاری جماعت میں صرف ایک فرد کی ہے، میں نہیں چاہتا کہ تم میری خواہشات کی پیروی کرو،

روزانہ کے پیش آنے والے مسائل کے فیصلہ کے لئے اہل الرائے صحابہ کی مجلس شوریٰ تھی، اس کے ممتاز ارکان یہ تھے، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ[۴]، اس کے علاوہ مہمات امور کے لئے ممتاز

---

[۱] طبری ص ۲۵۷۴ [۲] کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۹ [۳] کتاب الخراج ص ۶۷ [۴] کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۴،

مہاجرین و انصار کی خاص مجلس ہوتی تھی، ہر مسلمان کو آزادیٔ رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے کا پورا حق حاصل تھا، معمولی معمولی مسلمان برسرِ عام حضرت عمرؓ کو ٹوک دیتے تھے، جس کے واقعات عام طور سے معلوم و مشہور ہیں،

حضرت عمرؓ نے جس وقت مسندِ خلافت پر قدم رکھا، اس وقت کوئی بڑا نظام حکومت نہ تھا، آپ نے دس سالہ عہدِ حکومت میں نہایت وسیع نظام قائم کر دیا، تمام مفتوحہ ممالک کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا، مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین، مشرق میں خراسان آذربیجان اور فارس کے تین صوبے علٰحدہ تھے، ہر صوبہ میں حاکم اعلیٰ، میر منشی، دفتر فوج کا میر منشی، کلکٹر، افسر پولیس، خزانچی اور قاضی ہوتے تھے، بعض حالات میں سپہ سالار بھی الگ ہوتا تھا، لیکن عموماً فوج کی سپہ سالاری بھی حاکم عام سے ہی متعلق ہوتی تھی، اضلاع میں صرف کلکٹر افسر خزانہ اور قاضی ہوتے تھے، چنانچہ کوفہ میں حضرت عمار بن یاسرؓ والی، عثمانؓ بن حنیف کلکٹر، عبد اللہ بن مسعودؓ افسر خزانہ، شریحؓ قاضی، اور عبد اللہ بن خلفؓ میر منشی تھے،[1]

عہدہ داروں کا انتخاب

دوسرا مرحلہ عمال کے انتخاب کا ہے، حضرت عمرؓ اس میں بڑی احتیاط برتتے تھے، اس معاملہ میں آپ کی نگاہ ایسی صحیح اور دقیقہ رس تھی، کہ جس کام کے لئے جس کو منتخب کر لیتے تھے، دوسرا اس کے لئے نہ مل سکتا تھا، اسی لئے جو شعبہ جس سے متعلق ہوتا تھا اسے وہ درجۂ کمال تک پہنچا دیتا تھا، عہد فاروقی کی فتوحات اور انتظامی ترقیاں اسکی شاہد ہیں، اس جوہر شناسی کے باوجود اہم عہدہ داروں کا انتخاب بھی مشورہ سے کرتے تھے،

عمال کے اختیارات فرائض اور ان کا محاسبہ

انتخاب سے بھی زیادہ دشوار مسئلہ عمال کے اختیارات اور ان کے احتساب کا ہے، اس باب میں حضرت عمرؓ کا یہ معمول تھا کہ ہر عامل کے تقرر کے وقت

[1] طبری، ص ۲۶،

اس کو ایک پروانہ دیتے تھے جس میں اس کے اختیارات کی تصریح ہوتی تھی، جہاں وہ مقرر ہو کر جاتا تھا، وہاں یہ پروانہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا،[۱] کہ وہ اپنے حدود سے آگے نہ بڑھنے پائے، ہر عہدہ دار سے عہد لیا جاتا تھا کہ "وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ پر دربان نہ رکھے گا، اہلِ حاجت کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھیگا[۲]" عمال کی روانگی کے وقت ان کے سامان کی ایک فہرست محفوظ کر دی جاتی تھی، واپسی کے وقت جس کے پاس مرقومہ فہرست سے زیادہ مال و اسباب نکلتا تھا، اس سے بازپرس کی جاتی تھی، اور آدھا مال ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا،[۳]

تمام عمال کو حج کے موقع پر مکہ میں حاضری کا حکم تھا، ان کی موجودگی میں اعلان عام کیا جاتا تھا کہ جس شخص کو جس عامل سے شکایت ہو پیش کرے[۴] چنانچہ لوگ اپنی شکایات پیش کرتے حضرت عمرؓ فوراً اس کا تدارک فرماتے تھے، حج کے موقع پر تمام ملک کے مسلمان جمع ہوتے تھے، اس لئے شکایات معلوم کرنے کا یہ بہترین طریقہ تھا، اگر کوئی عامل بلاوجہ کسی پر کوئی زیادتی کرتا تھا، تو حضرت عمرؓ مجمع عام میں سزا دیتے تھے جس کے بہت سے واقعات تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں،[۵] کبھی کبھی عمال کی شکایت پر تحقیقاتی کمیشن مقرر کرتے تھے، عمال کو ترفع، شان، عجب و غرور پیدا کرنے والی چیزوں سے روکتے تھے، جس عامل کے بارہ میں سنتے کہ عوام اس کے یہاں بار نہیں پاتے، اسے فوراً موقوف کر دیتے تھے، عیاض بن غنم عامل مصر کو بیش قیمت لباس پہننے اور محل بنانے کی شکایت پر کمل کا کرتہ پہنوا کر ان سے بکریاں چروائیں،[۶] حضرت سعد بن ابی وقاص عامل کوفہ نے محل بنوایا جس میں ڈیوڑھی تھی، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو ڈیوڑھی میں آگ لگوادی، اور بہت سے عاملوں کو اس قسم کی

۱؎ طبری ص ۲۷۴۰ و اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن یمان ۲؎ کتاب الخراج ص ۶۶ ۳؎ فتوح البلدان ص ۲۲۶ ۴؎ طبری ص ۲۷۶۸

۵؎ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں، دیکھو کتاب مذکور ص ۶۶ ۶؎ ایضاً،

سنزائین دین، عمال کی اخلاقی نگہداشت کا بھی خاص اہتمام تھا،

صیغۂ عدالت

ابتدا مین بعض انتظامی وشواریون کی وجہ سے کچھ دنون تک انتظامی اور عدالتی صیغے ایک رہے، لیکن جب پورا نظام قائم ہوگیا، تو قضا کا محکمہ مستقل کردیا، تمام اضلاع مین عدالتین قائم کین، قاضی مقرر کئے، اور قضا کے اصول وآئین پر ایک فرمان لکھا جس کا ترجمہ یہان نقل کیا جاتا ہے،

"اما بعد۔ قضا ایک ضروری فرض ہے، لوگون کو اپنے حضور مین، اپنی مجلس مین اپنے انصاف مین برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو، اور معزز آدمی کو رو رعایت کی امید نہ پیدا ہو، جو شخص دعویٰ کرے اس پر بار ثبوت ہے، اور جو شخص انکار کرے اس پر قسم ہے، صلح جائز ہے، اگر وہ صلح جس سے حرام، حلال، اور حرام حلال نہ ہونے پائے، کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو غور کے بعد اگر حق اس کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کرسکتے ہو جس مسئلہ مین شبہ ہو اور قرآن وحدیث مین اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر بار بار غور کرو، اور اس کی مثالون اور نظیرون کو پہچان کر ان پر قیاس کرو، جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک میعاد مقرر کردو، اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ، ورنہ مقدمہ اس کے خلاف فیصل کرو، ان اشخاص کے سوا جنھین سزا مین درے لگائے گئے ہون، یا جھوٹی گواہی دی ہو، یا ولا اور وراثت مین مشکوک ہون سب مسلمان ثقہ ہین،[1]

قضاۃ کو ہدایت تھی کہ

"مقدمات مین اول تو قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو، اگر قرآن مین وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث کی جانب رجوع کرو، اگر اس مین بھی نہ ہو تو اجماع سے، ورنہ اجتہاد سے کام لو،[2]

---

[1] یہ فرمان طبقات الفقہا بیہقی اور ماوردی بہت سی کتابون مین ہے [2] کنز العمال ج ۳ ص ۱۷۴،

قضاء کی خدمت بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس لئے حضرت عمرؓ قضاۃ کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے، اور اس کے لئے انہی بزرگوں کا انتخاب کرتے تھے جن کا علم، تقویٰ، ذہانت اور قوتِ فیصلہ مسلم تھی، چنانچہ مدینہ کے قاضی حضرت زید بن ثابتؓ تھے، کوفہ کے عبداللہ بن مسعودؓ، اور قاضی شریح، دوسرے مقاموں کے جمیل بن العمرؓ، ابو مریم حنفی، سلمان بن ربیعہ باہلی، عبدالرحمن بن ربیعہؓ، عمران بن حصین اور ابو قرہ کندی وغیرہ، یہ وہ بزرگ ہیں جن کی علمی جلالت کا اندازہ رجال کی کتابوں سے ہو سکتا ہے، کبھی مزید احتیاط کے خیال سے امتحان بھی لیتے تھے

رشوت کے انسداد کے لئے بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں، چنانچہ سلمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی[1]

یہ قاعدہ مقرر کیا کہ دولتمند اور معزز شخص کے علاوہ معمولی آدمی قاضی نہیں ہو سکتا، اور اس کی وجہ یہ ظاہر کی کہ دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا، اور معزز شخص فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب سے متاثر نہ ہوگا[2]

ان احتیاطوں کے ساتھ قضاءت کے اصل مقصد یعنی عدل و انصاف میں مساوات کے لئے عملی کوششیں کیں، قضاۃ کو عدل و مساوات کا سبق دینے کے لئے خود فریقِ مقدمہ بن کر عدالت میں جاتے تھے،

ایک مرتبہ حضرت اُبی بن کعب سے کچھ نزاع ہو گئی، ابیؓ نے زید بن ثابتؓ کے یہاں مقدمہ دائر کیا، حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہوئے، زیدؓ نے تعظیم کی حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ تمہارا پہلا ظلم ہے، یہ کہہ کر اپنے فریق ابیؓ کے ساتھ بیٹھ گئے، زیدؓ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ کو دعوے سے انکار تھا، ابیؓ نے قاعدہ کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن

---

[1] فتح القدیر حاشیہ ہدایہ ج ۳ ص ۴۲۰ [2] اخبار القضاۃ محمد بن خلف ابو کیع،

زید بن ثابتؓ نے آپ کے رتبہ کا پاس کر کے اُبیؓ سے کہا کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو، حضرت اس ترجیح پر آزردہ خاطر ہوئے، اور فرمایا جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہون اس وقت تک تم منصبِ قضا کے قابل نہیں ہو سکتے، (کنز العمال ج ۳ ص ۱۷۴)

آپ کے ایوانِ عدالت مین ادنیٰ و اعلیٰ اور خویش و بیگانہ سب برابر تھے، ان مین سے کوئی بھی قانون کی سزا سے نہ بچ سکتا تھا، ارکانِ حکومت کو علی الاعلان سزا دیتے تھے، ایک مرتبہ عہدہ دارانِ حکومت کو حج کے موقع پر طلب کیا، اور مجمع عام مین کھڑے ہو کر پوچھا کہ جس کو ان لوگون سے شکایت ہو پیش کرے، ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلان عامل نے مجھے سو کوڑے لگائے ہین، فرمایا اٹھ کر بدلہ لو، عمرو بن العاصؓ بھی موجود تھے، انھین برسرِ عام عمالِ حکومت کی توہین ناگوار ہوئی، حضرت عمرؓ سے کہا "امیر المومنین! اس طرزِ عمل سے تمام عمال بددل ہو جائیں گے" فرمایا "لیکن مین ایسا ضرور کرون گا، اور مستغیث کو حکم دیا کہ "اپنا کام کر" آخر عمرو بن العاصؓ نے مستغیث کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ دو سو دینار لے کر اپنے دعوے سے باز آجائے،[1]

اپنے بیٹے ابو شحمہ کو شراب پینے کے جرم مین اسی کوڑے مارے، اس کے چند دنون کے بعد وہ قضا کر گئے،[2] قدامہ بن مظعونؓ کو جو آپ کے سالے اور معزز صحابی تھے اسی جرم مین اسی کوڑے لگوائے،[3] اس قبیل کے ایک دو نہین سینکڑون واقعات ہین لیکن ان کا استقصار مقصود نہیں ہے،

پولیس قیامِ امن کا مدار پولیس پر ہے، حضرت عمرؓ نے اس کا مستقل محکمہ قائم کیا، پولیس کو احداث کہتے تھے، قیامِ امن کے علاوہ پولیس کے متعلق احتساب کی خدمت بھی تھی،

جیل خانے عہدِ فاروقی سے پہلے عرب مین جیل خانون کا رواج نہ تھا، غالباً اسی کی تلافی کے لئے جرائم کی سخت سزائین مقرر تھین، حضرت عمرؓ نے جیل خانے قائم کئے، مکہ مین صفوان بن

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۶ [2] ابن جوزی نے سیرۃ عمر بن الخطاب مین یہ واقعہ نقل کیا ہے، لیکن اس کو صحیح نہین سمجھتے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۲۳۶ وما بعد [3] ابن سعد تذکرۂ قدامہ بن مظعون،

امیہ کا گھر خرید کر اسے جیل خانہ بنایا[1]، اس کے علاوہ اضلاع مین بھی جیل خانون کے نام ملتے ہین چنانچہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل کا تھا[2]، جیل خانہ قائم کرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے بعض غیر منصوص سزاون مین تبدیلیان کین، مثلاً عادی شرابیون پر حد جاری کرنے کے بجائے قید کی سزا مقرر کی،

صیغۂ محاصل عرب مین چونکہ کوئی منظم حکومت نہ تھی، اس لئے وہ خراج و محاصل کے نظم ونسق سے ناآشنا تھے، حضرت عمرؓ نے اس کا نہایت وسیع اور مکمل نظام قائم کیا، لیکن چونکہ عرب اس سے نامانوس تھے، اس لئے ابتدا مین اس کی مخالفت ہوئی، چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے عراق کے بندوبست کی طرف توجہ کی تو امرائے فوج نے اس کی مخالفت کی، ان کی رائے تھی کہ مفتوحہ علاقے فاتحین کو بطور جاگیر کے دے دئے جائین، حضرت عمرؓ اسے حکومت کی ملک قرار دینا چاہتے تھے، اس لئے اس مسئلہ پر بڑا اختلاف رہا، اور بڑے بحث و مباحثہ کے بعد بالآخر کثرت رائے سے حضرت عمرؓ ہی کی تجویز پر فیصلہ ہوا،

اس فیصلہ کے بعد حضرت عمرؓ نے بڑے اہتمام سے عراق کی پیمائش کر کے زمینوں کا بندوبست کرایا، اس بندوبست مین زمینداری اور تعلقداری کا سابق نظام بدستور قائم رکھا، زمینین ان کے مالکون کے قبضہ مین رہنے دی گئین، اور ان کی حیثیت اور پیداوار کے اقسام کے لحاظ سے مختلف شرح مالگزاری تشخیص کردی گئی، اس کی کم سے کم مقدار فی جریب دو درہم، اور زیادہ سے زیادہ دس درہم سالانہ تھی، شاہی خاندان کی جاگیرون، آتشکدون کے اوقاف، لاوارثون کی زمینون اور جنگلات کو حکومت کا خالصہ قرار دے کر رفاہ عام کے کامون کے لئے مخصوص کردیا گیا، مالگزاری کی تشخیص مین ذمیون کی رضامندی کا لحاظ رکھا گیا، اور زمینون پر اتنی مالگذاری تشخیص کی گئی، کہ اس کے بعد اضافہ کی کافی گنجایش باقی رہے،

---

[1] مقریزی ج ۲ ص ۱۸۷، [2] فتوح البلدان ص ۲۸۴،

محاصل کی وصولی کے وقت اتنی احتیاط برتی جاتی تھی کہ جب خراج آتا تھا تو ثقہ اشخاص کی شہادت سے اس کا پورا اطمینان کر لیا جاتا تھا کہ اس مین ظلم و زیادتی کا کوئی جبہ نہین ہے،

اس احتیاط اور نرمی کے باوجود عراق کے خراج مین حیرت انگیز اضافہ ہو گیا، اور اس کی مقدار آٹھ کرور سے بڑھ کر دس کرور بیس ہزار درہم ہو گئی،[1]

عراق کے علاوہ اور کسی ملک مین کوئی نیا بندوبست نہین کیا گیا، بلکہ ہر ملک کے قدیم جابرانہ طریقون کو منسوخ اور انتظامی غلطیون کی اصلاح کر کے سابق نظام علیٰ حالہ قائم رکھا گیا، مثلاً مصر مین رومیون کا مقرر کردہ نظام قائم رکھا، لیکن رومی حکومت خراج کی مقررہ مقدار کے علاوہ اپنی فوج کے لئے جو رسد لیتی تھی اسے موقوف کر دیا،

مصر کی پیداوار کا دار و مدار نیل پر ہے، اس کے مد و جزر کے تناسب سے پیداوار مین کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، اور چونکہ یہ مد و جزر ہمیشہ یکسان نہین ہوتا، اس لئے مصر کی پیداوار کا کوئی دائمی تخمینہ بھی نہین کیا جا سکتا، اسی لئے مصر کے محاصل کی کوئی عام اور دائمی شرح معین نہ تھی، ہر سال کی پیداوار کا شتکارون اور زمیندارون کے مشورہ سے اندازہ لگا کر ایک مجموعی رقم تشخیص کر دی جاتی تھی، اور وہ پرتے سے تمام مواضعات پر پھیلا دی جاتی تھی، نقدی مالگذاری کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلہ سے زیادہ نہ تھی، اور یہ شرح استمراری تھی، یعنی اس مین کبھی اضافہ نہین ہو سکتا تھا، شام مین قدیم یونانی بندوبست قائم رکھا، اس سلسلہ مین حضرت عمرؓ نے اور بہت سی اصلاحین کین، مصر و شام وغیرہ مین جاگیرداری کا قدیم سسٹم جاری تھا، اور ملک کی زمین کا بڑا حصہ خالصہ شاہی ارکان دولت اور افسران فوج کی جاگیر تھی

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف اور فتوح البلدان بلاذری وغیرہ مین عراق کے بندوبست کے حالات نہایت مفصل ہین، ہم نے صرف ضروری باتین لکھی ہین،

تقسیم تھا، ملک کے اصلی باشندون اور کاشتکارون کے قبضہ مین بہت کم حصہ تھا، اور جس قدر تھا اس کی حیثیت بھی مالکانہ نہ تھی، حضرت عمرؓ نے یہ طریقہ توڑ دیا، اور زمینین ملک کے اصلی باشندون اور کاشتکارون کے قبضہ مین دے دین اور ان کو مسلمانون کے قبضہ سے بچانے کے لئے یہ قانون بنا دیا کہ کوئی مسلمان خرید کر بھی زمین حاصل نہین کرسکتا، مدتون یہ قانون جاری رہا، عباسی دور مین لیث بن سعد نے مصر مین کچھ زمین خریدی تو امام مالک اور نافع بن یزید وغیرہ ائمہ مذہب نے اس پر اعتراض کیا،[1]

ان ممالک کے آباد شدہ عربون کے لئے زراعت کا پیشہ قانوناً ممنوع کر دیا، ایک عرب نے ایک مرتبہ مصر مین زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے بلا کر سخت مواخذہ کیا، اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دون گا کہ اورون کو عبرت ہو،[2]

زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کے لئے یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا، وہ اس کی ملک ہو جائیگی، لیکن زمین لینے کے بعد تین برس کے اندر اس کا آباد کرنا ضروری قرار دیا، اس قانون سے افتادہ زمینین بہت جلد آباد ہو گئین،

محکمۂ آب پاشی زراعت کی سیرابی کے لئے نہرین جاری کین، بند باندھنے، تالاب بنانے، پانی کی تقسیم کے لئے دہانے بنانے، نہرون کی شاخین نکالنے اور اس قسم کے کامون کے لئے نہایت وسیع محکمہ قائم کیا، مقریزی کا بیان ہے کہ خاص مصر مین ایک لاکھ بیس ہزار مزدور حکومت کی جانب سے اس کام مین لگے رہتے تھے،[3] نہرون کے حالات آیندہ آئین گے،

اور مختلف قسم کی آمدنیان خراج کے علاوہ آمدنی کے اور ذرائع حسب ذیل تھے، زکوٰۃ جس مین چاندی، نقد، سکہ، مویشی، تجارتی سامان وغیرہ سب کی زکوٰۃ کی آمدنیان شامل تھین خراج

---

[1] مقریزی ج اول حالات خراج مصر مین اس کی پوری تفصیل ہے ص ۱۵۸ تا ۱۶۲ [2] حسن المحاضرہ ج اول صہ ۹۳
[3] مقریزی ج اول ص ۷۶،

غیر مسلمون سے لیا جاتا اور عشر یعنی پیداوار کا دسوان اور بیسوان حصہ مسلمانون سے لیا جاتا تھا جزیہ اور مال غنیمت، زکوٰۃ مسلمانون کے ساتھ مخصوص تھی، عشور تجارتی ٹیکس تھا، اس کو اسلام مین سب سے اول حضرت عمرؓ نے جاری کیا، اس کا سبب یہ ہوا کہ جو مسلمان غیر ممالک مین تجارتی سامان لے کر جاتے تھے، ان سے وہان کی حکومتین دس فیصدی ٹیکس لیتی تھین، اس لئے حضرت عمرؓ نے بھی بیرونی تاجرون کے سامان تجارت پر اسی قدر ٹیکس مقرر کر دیا، پھر رفتہ رفتہ ملک کے ذمیون اور مسلمانون سے بھی یہ ٹیکس لیا جانے لگا، ذمیون کے لئے پانچ فیصدی تھا، اور مسلمانون کے لئے ڈھائی فیصدی حضرت عمرؓ کا عہد فتوحات کے لحاظ سے تاریخ اسلام مین نہایت ممتاز ہے، اس لئے اس زمانہ مین غنیمت کی بھی بڑی آمدنی ہوئی، جزیہ کی تفصیل آیندہ آئے گی،

بیت المال حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ مین بیت المال قائم ہو گیا تھا، اس کے لئے انھون نے ایک معمولی سی عمارت بھی بنوائی تھی، لیکن آپ کا معمول تھا کہ جو آمدنی آتی تھی، اس کو ضروریات مین صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا تھا اس کو مسلمانون مین تقسیم کر دیتے تھے، اس لئے اس کے معمور ہونے کی نوبت نہین آتی تھی حضرت عمرؓ نے جب خلافت کا باقاعدہ نظام قائم کیا تو دوسرے شعبون کے ساتھ بیت المال کو بھی وسعت دی، اور تمام صوبون اور مرکزی مقامات مین بیت المال قائم کئے، اور ان کے لئے وسیع عمارتین بنوائین، اور ان پر نہایت لائق اور دیانت دار افسر مقرر کئے دار الخلافہ کے بیت المال کے افسر حضرت عبد اللہ بن ارقمؓ تھے، کوفہ کے حضرت عبد اللہ بن مسعود، اصفہان کے خالد بن حرث، کوفہ کے بیت المال کی عمارت نہایت وسیع اور شاندار تھی،[۱]

بیت المال کے مداخل و مخارج کا یہ انتظام تھا کہ ہر صوبہ کی آمدنی وہان کے بیت المال مین آتی تھی، یہان کی حکومت کے مصارف سے جو رقم بچتی تھی، وہ صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ

---

[۱] طبری حالات ذکر کوفہ۔

کے بیت المال میں بھیجدی جاتی تھی، حضرت عمرؓ اس کے متعلق عمال کے نام احکام بھیجتے رہتے تھے، چنانچہ مصر کے والی عمرو بن العاصؓ کے نام ان کا یہ فرمان ملتا ہے کہ خزانہ میں جو آمدنی جمع ہوئی ہو اس میں سے مسلمانوں کے وظائف اور ضروری اخراجات سے جو کچھ بچ جائے اس کو میرے پاس بھیج دو،[1]

صیغۂ فوج | حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں فوج کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا، حضرت عمرؓ نے ۱۵ھ میں ولید بن ہشام کے مشورہ سے نہایت وسیع اور منظم صیغۂ فوج قائم کیا، اور قریش و انصار کے نام درج رجسٹر کراکے باختلافِ مدارج ان کی تنخواہیں مقرر کیں، جن کی مقدار دو سو بیس درہم سالانہ سے لے کر پانچ ہزار سالانہ تک تھی،[2]

تنخواہ داروں کی بیوی اور ان کے بچوں کو بھی وظائف ملتے تھے، جن لوگوں کی جتنی تنخواہ مقرر ہوتی تھی، ان کے غلاموں کو بھی اتنی ہی ملتی تھی، ان میں دو قسم کے لوگ تھے، ایک وہ جو ہر وقت جنگی مہمات میں مشغول رہتے تھے، یہ گویا باقاعدہ فوج تھی، دوسرے وہ جو اپنے گھروں پر رہتے تھے، اور ضرورت کے اوقات میں طلب کئے جاتے تھے، انھیں ہم آج کل کی اصطلاح میں رضاکار کہہ سکتے ہیں، لیکن تنخواہیں دونوں کو ملتی تھیں،

سارے ممالکِ محروسہ میں فوجی مرکز قائم کئے، جنھیں جند کہتے تھے، چنانچہ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن وغیرہ بڑے بڑے فوجی مرکز تھے، بلکہ کوفہ، بصرہ اور فسطاط تو فوجی ضرورت ہی کے لئے آباد کئے گئے تھے، ان مرکزوں میں صیغۂ فوج کے حسب ذیل انتظامات تھے،

(۱) فوجوں کے لئے چھاؤنیاں تھیں، اور بڑے بڑے اصطبل تھے، جن میں چار چار ہزار

[1] کنز العمال ج ۳ ص ۱۶۳، [2] کتاب الخراج ص ۴۴ مقریزی ج اول ص ۹۲ و بلاذری ذکر العطار فی خلافۃ عمر بن الخطاب،

گھوڑے ہر وقت ساز و سامان سے تیار رہتے تھے، تاکہ ضرورت کے وقت فوراً سوار دستہ تیار ہو جائے،[1]

(۲) ہر اصطبل کے متعلق چراگاہیں تھیں، مدینہ کی چراگاہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے اپنے اہتمام میں رکھا تھا،[2] عمدہ نسل کے گھوڑوں کی پرورش کا خاص اہتمام تھا،

(۳) فوج کے متعلق جملہ کاغذات اور دفتر انہی مقامات میں رہتے تھے،

(۴) رسد کے ذخیرے یہیں تھے، جہاں سامانِ رسد جمع کیا جاتا تھا، اور یہیں سے مختلف مقامات پر بھیجا جاتا تھا،

ان مرکزی مقامات کے علاوہ تمام ممالکِ محروسہ میں جہاں جہاں ضرورت تھی، بکثرت چھاؤنیاں قائم کیں، خوزستان کے علاقہ میں جگہ جگہ چھاؤنیاں تھیں، عجم میں ایرانی حکومت کی جو پرانی چھاؤنیاں تھیں، از سرِ نو ان کو تعمیر کرایا، جو نیا مقام فتح ہو جاتا تھا، وہاں بقدرِ ضرورت فوج متعین کر دی جاتی تھی،[3]

سرحدی علاقوں اور ساحلی مقامات کی حفاظت کا مستقل اور جداگانہ انتظام کیا، اس صیغہ کے افسرِ اعلیٰ عبداللہ بن قیس تھے،[4] ضروری مقامات میں جابجا قلعے بنوائے،

فوجی بھرتی کو اتنی وسعت دی کہ مہاجرین و انصار سے بڑھتے بڑھتے سارے عرب کو محیط ہو گیا، تقریباً دس لاکھ ہتھیار بند فوج ہر وقت تیار رہتی تھی، اور اس میں ہر سال تیس ہزار فوج کا اضافہ ہوتا تھا،[5]

فوج کے دروازے تمام مفتوحہ اقوام کے لئے کھلے ہوئے تھے، اس میں عجمی، رومی، یہودی

---

[1] طبری ص ۲۵۰۴ [2] چراگاہوں کے تفصیلی حالات خلاصۃ الوفا میں ہیں [3] فتوح البلدان ص ۳۷۵ تا ۳۷۸ [4] طبری ج ۵ ص ۲۵۲۳ [5] کنزالعمال ج ۶ ص ۳۳۱

اور ہندوستانی سب شامل تھے، جن کا ذکر فتوحات کے حالات مین ملتا ہے،

سپاہیون کی تنخواہ کم سے کم دوسو سالانہ سے تین سو تک تھی، اور افسرون کی سات ہزار سے دس ہزار تک، فوجیون کے بچون کے لئے علیحدہ وظیفے مقرر تھے ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ مہینہ مین خوراک کے لئے ایک من غلہ، بارہ سیر روغن زیتون اور بارہ سیر سرکہ ملتا تھا، لیکن پھر بعد مین تو کھانا ملنے لگا تھا۔

ابتدا مین رسد کا انتظام ضرورت کے وقت ہوتا تھا، پھر اس کا مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام اہرا تھا[1]، مفتوحہ ممالک سے پہلے غلہ کی صورت مین، پھر نقد کی صورت مین رسد کے لئے ایک مقررہ رقم لی جاتی تھی،

فوج کی صحت وتندرستی اور آرام وآسائش کا خاص اہتمام تھا، [۱۷ھ] مین مدائن کی فتح کے بعد وہان کی آب ہوا کی خرابی کی وجہ سے جب فوج کی تندرستی پر خراب اثر پڑا، تو حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ فوجین موسم بہار مین سرسبز وشاداب مقام پر چلی جایا کرین[2]،

چھاؤنی کے انتخاب مین آب ہوا کی خوبی کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا، بارکین وسیع تعمیر کیجاتی تھین، اور ان کے لئے کھلے میدان چھوڑ دئے جاتے تھے، گرم ملکون پر سردیون اور سرد ملکون پر گرمیون مین فوجکشی ہوتی تھی، فوجوں کے لئے شہسواری، تیراندازی، تیراکی اور ننگے پاؤن دوڑنے کی مشق ضروری تھی، ہفتہ مین ایک دن جمعہ کا آرام کے لئے ملتا تھا، ہر چار مہینہ مین رخصت ملتی تھی،

فوج کا اسٹاف، افسر خزانہ، محاسب، قاضی، مترجم اور طبیب وجراح پر مشتمل تھا[3]، سفر مینا یعنی راستہ صاف کرنے، سڑک بنانے اور پل تعمیر کرنے کا کام مفتوحہ قومون سے لیا جاتا تھا، چنانچہ مصر مین یہ خدمت قبطیون نے انجام دی تھی[4]،

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۱۵ [2] طبری ص ۲۴۸۲ [3] ایضاً ص ۲۲۲۵ [4] مقریزی ج اول ص ۱۶۳۔

خبررسانی اور پرچہ نویسی کا نہایت مکمل انتظام تھا، ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس ہوتے تھے، جو ایک ایک بات کی خبر حضرت عمرؓ کو پہنچاتے رہتے تھے[۱] اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلامی فوجیں جس حصہ میں بھی ہوتی تھیں ان کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھوں میں رہتی تھی، اور ان کے بغیر ان کا ایک قدم نہ اٹھ سکتا تھا، ان کے علاوہ شعبۂ فوج کی اور بہت سی تفصیلات ہیں جنھیں طوالت کے خیال سے ہم قلم انداز کرتے ہیں،

شعبۂ تعلیم خلفائے راشدین کے مقدس دور تک تعلیم کا مفہوم و مقصد صرف مذہبی تعلیم تھا، حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی اشاعت کی، مذہب اسلام کی بنیاد کلام اللہ پر ہے، اس لئے اس کی حفاظت، تعلیم اور اشاعت کا بڑا اہتمام کیا، عہد صدیقی میں آپ ہی کے اصرار سے کلام اللہ کی تدوین ہوئی، اپنے زمانہ میں تمام مفتوحہ ملکوں میں قرآن کی تعلیم کے مکتب قائم کئے اور ان کے لئے تنخواہ دار معلم مقرر کرے[۲]، ان مکتبوں میں کتابت کی تعلیم بھی ہوتی تھی، حفاظ قرآن صحابہؓ کو مختلف مقامات پر قرآن کا درس دینے کے لئے بھیجا، چنانچہ حضرت عبادہ بن صامتؓ، معاذ بن جبل اور ابو درداؓ شام بھیجے گئے[۳]، انھوں نے حمص، فلسطین اور شام میں درس جاری کیا،

بدوؤں کے لئے قرآن کی تعلیم ایک گونہ جبری تھی، ایک معلم ابو سفیانؓ چند آدمیوں کے ساتھ اس کام پر مقرر کیا گیا تھا، کہ وہ قبائل میں پھر کر ہر شخص کا امتحان لے جس کو قرآن کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اسے سزا دے[۴]،

سورۂ بقرہ، النساء، مائدہ، حج اور نور کا جن میں احکام ہیں، یاد کرنا ضروری قرار دیا[۵]،

---

۱ طبری ص ۸۰ ۲ سیرۃ العمرین لابن جوزی ۳ کنز العمال ج اول ص ۲۸۱ و اسد الغابہ تذکرہ عبادہ بن صامتؓ ۴ اصابہ تذکرہ ادس بن خالد ۵ کنز العمال ج ۱ ص ۲۲۸

قرآن پاک کے صحیح پڑھنے اور اعراب کی تصحیح کے لئے ادب و عربیت کی تعلیم کی تاکید کی،[1] جو لوگ لغت کے عالم نہ ہون انھین قرآن کی تعلیم دینے کی ممانعت کردی، قرآن کے طلبہ کے وظائف مقرر کئے،[2] ان تدبیرون سے ہزارون حفاظ قرآن پیدا ہوگئے،

حدیث کی خدمت کلام اللہ کے بعد حدیث نبوی ؐ کا درجہ ہے، چنانچہ اس کی تلاش، حفاظت اور اشاعت کا بھی انتظام کیا، حفاظ حدیث صحابہ ؓ کو حدیث کی تعلیم دینے کے لئے مختلف مقامات پر بھیجا، حضرت عبداللہ بن ؓ مسعود کو کوفہ، معقل بن ؓ یسار، عبداللہ بن ؓ معقل اور عمران بن حصین کو بصرہ، اور عبادہ بن ؓ صامت اور ابو درداؓ کو شام بھیجا، اور امیر معاویہ ؓ والی شام کو لکھا کہ ان کے علاوہ دوسرے کی احادیث قبول نہ کی جائین،[3]

مسائل اور احکام کی حدیثون کو بالفاظہا نقل کرکے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے، آپکے فرامین مین بکثرت احادیث ملتی ہین،

آپکے زمانہ مین آئے دن نئے نئے مسائل پیش آتے تھے، چنانچہ جب اس قسم کی نئی صورت پیش آتی تھی تو آپ صحابہ ؓ سے دریافت فرماتے تھے، کہ اس کے متعلق انھین کوئی حدیث نبوی معلوم ہے، اس طریقہ سے احادیث کا معتدبہ حصہ جمع ہوگیا، اور حدیثون کی بڑی اشاعت ہوئی،

اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ عادل ہین، لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ خصائص بشری سے کوئی انسان مستثنیٰ نہین، اور ایک صحابی سے بھی اسی طرح غلطی کا ہونا ممکن ہے جس طرح ایک عام انسان سے، اسی لئے اشاعت حدیث کے ساتھ ساتھ وہ روایات کے قبول کرنے مین بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے، اور بغیر شہادت

---

[1] کنزالعمال ج اول ص ۲۲۸ [2] ایضاً ص ۲۱، [3] ازالۃ الخفا حصہ دوم ص ۶،

کے کسی کی روایت قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ایک حدیث بیان کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا، ابوموسیٰؓ نے حضرت ابوسعید خدریؓ کو شہادت میں پیش کیا۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰؓ کو چھوڑا[1]، اسی طریقہ سے سقط[2] کے مسئلہ میں مغیرہ بن شعبہؓ نے ایک حدیث بیان کی حضرت عمرؓ نے مسلمہؓ کی شہادت سے اسے تسلیم کیا[3]، اور اس قبیل کے متعدد واقعات ہیں،

لوگوں کو کثرتِ روایت سے روکتے تھے، چنانچہ قرظہ بن کعبؓ کو عراق روانہ کرتے وقت خاص طور سے ہدایت کی کہ تم ایسے ملک میں جا رہے ہو جہاں قرآن کی آواز گونجتی رہتی ہے، تم ان کو قرآن سے ہٹا کر حدیث کی طرف نہ لگا دینا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ابودرداؓ انصاری اور ابومسعود انصاریؓ کو روایتِ حدیث سے روک دیا تھا، آپ کی اس شدتِ احتیاط کو دیکھکر حضرت ابوہریرہؓ نے حدیثیں روایت کرنا بند یا کم کر دیا تھا[4]،

ایک بڑی نکتہ سنجی آپنے یہ فرمائی کہ احادیث کی اہمیت کے اعتبار سے ان کے مراتب کو ملحوظ رکھا، چنانچہ آپنے ان ہی احادیث کی طرف زیادہ توجہ فرمائی جن کا تعلق عبادات، معاملات اور اخلاق یعنی اسلام کے عملی نظام سے تھا، باقی احادیث کی طرف زیادہ اعتنا نہیں کیا، اس کا نتیجہ تھا کہ آپکے زمانہ میں گو حدیثیں کم روایت ہوئیں لیکن جس قدر ہیں وہ آمیزش سے بالکل پاک ہیں،

فقہ کی خدمت عملی زندگی میں زیادہ تر فقہ سے کام پڑتا ہے، خصوصاً فاروقی عہد میں اسلامی تمدن کی ترقی سے صدہا نئے مسائل پیدا ہوئے۔ اس لئے اس زمانہ میں علمِ فقہ کی بڑی ترقی و اشاعت ہوئی، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ فقہ کی تکمیل حضرت عمرؓ ہی کے ہاتھوں ہوئی،

---

[1] مسلم باب الاستیذان [2] یعنی حاملہ کو ایسا صدمہ پہنچانا جس سے حمل گر جائے [3] ابوداؤد باب دیۃ الجنین [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶،

آپ خود لوگون کو فقہی مسائل بتاتے تھے، خطبون اور تقریرون مین بیان کرتے تھے فقہی مسائل کو صحابہؓ کے مجمع مین پیش کر کے طے کراتے تھے، اضلاع کے حکام اور افسرون کو فقہی احکام لکھ کر بھیجتے تھے، یہ احکام آج بھی تاریخون مین موجود ہین، اسلامی حکام انتظامی ذمہ داریون کے ساتھ مذہبی معلم بھی ہوتے تھے، اس لئے حضرت عمرؓ ان کے تقرر مین تفقہ کا خاص لحاظ رکھتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ مین نے افسرون کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ لوگون کو مسائل اور احکام بتائین[1]

عمال اور حکام کے علاوہ مسلمانون کی مذہبی تعلیم کے لئے تمام ممالک محروسہ مین مستقل فقہا اور معلم مقرر کئے، صرف بصرہ مین دس صاحبون کو اس کام کے لئے بھیجا تھا[2] ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہا کی تنخواہین بھی مقرر تھین، غرض فاروقی عہد مین مذہبی تعلیم کا نہایت مکمل انتظام تھا،

تعمیر مساجد | مذہب کی عملی خدمت کے سلسلہ مین بکثرت مسجدین تعمیر کرائین، شام کے عمال کو حکم بھیجا کہ ہر شہر مین ایک مسجد تعمیر کی جائے[3]، کوفہ مین ہر ہر قبیلہ کی مسجد علٰحدہ علٰحدہ تعمیر کرائی[4]، روضۃ الاحباب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے چار ہزار مسجدین تعمیر کرائین، اور جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، تنخواہ دار امام اور موذن مقرر کئے،

تبلیغ اسلام | بحیثیت خلیفہ رسولؐ کے سب سے مقدم فرض اسلام کی تبلیغ تھا، آپ نے اس کے لئے مختلف ذرائع اختیار کئے، اور آپ کے زمانہ مین اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی، لیکن جبر سے نہین بلکہ اسلام کے حسن کی تبلیغ کے ذریعہ، آپ جبری اسلام کے خلاف تھے، ایک مرتبہ اپنے غلام کے سامنے اسلام پیش کیا، اس نے انکار کیا تو انھون نے لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کہہ کر چھوڑ دیا[5]،

آپ نے تبلیغ اسلام کی مختلف شکلین اختیار کین

جب کسی ملک پر فوجکشی ہوتی تھی تو افسر فوج کو تاکید تھی کہ وہ پہلے اسلام پیش کرے، چنانچہ

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۷، [2] اسد الغابہ ترجمہ عبداللہ بن معقل [3] مقریزی ج ۲ ص ۲۴۶ و حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۲۳، [4] کنز العمال ج ۵ ص ۴۹

سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کو جو خط لکھا تھا، اس مین تھا، کہ مین نے تم کو حکم دیا تھا کہ جنگ سے پہلے اسلام پیش کرو،

تبلیغ اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر مذاہب والون کے سامنے اسلام کا ایسا علمی نمونہ پیش کیا جائے جسے دیکھ کر وہ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہو جائین، حضرت عمرؓ کا اس سلسلہ مین اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انھون نے اپنی تعلیم و ارشاد اور احتساب سے مسلمانون کو اسلام کی صحیح تصویر بنا دیا تھا، جسے دیکھ کر غیر قومین خود بخود اسلام کی طرف کھنچتی تھین، شام کی فتوحات مین رومیون کا سفیر جارج اسی اثر سے مسلمان ہوا[1]، مصر کے شہر شطار کا ایک معزز رئیس مسلمانون کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا، اور دو ہزار آدمیون کے ساتھ اسلام قبول کیا[2]، دمشق کی فتح کے بعد بیان کا بشپ خالد بن ولید کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا[3]،

اس کے علاوہ فاروقی عہد مین اور مختلف اسباب کی بنا پر بکثرت غیر قومین مسلمان ہوئین افسوس ہے کہ مسلمان مورخین اشاعتِ اسلام کے مستقل حالات نہین لکھے ہین، صرف ضمناً جابجا اس کا تذکرہ ملتا ہے

جلولار کی فتح کے بعد بیان کے متعدد بڑے بڑے امرا اور روسا نے لطیب خاطر اسلام قبول کر لیا[4]، قادسیہ کے معرکہ کے بعد ایران کا شاہی رسالہ جس کی تعداد چار ہزار تھی مسلمان ہو گیا[5]، یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر سیاہ کئی سو بہادرون کے ساتھ مسلمان ہو گیا، ان کے اسلام سے سیابجہ، زط، اور اندغار کئی قومین جو ایرانی فوج مین بھرتی تھین، مسلمان ہو گئین[6]، مصر کے قصبہ نبیسہ کے کل باشندے مسلمان ہو گئے[7]، دمیاط کی فتح کے بعد بقارہ اور وارادہ سے لیکر

---

[1] طبری ص ۲۰۹۸ [2] مقریزی ج اول ص ۲۲۶ [3] معجم البلدان ج ۲، ص ۲، اذکر قنطرہ سنان [4] فتوح البلدان ص ۲۶۵
[5] ایضاً ص ۲۹۹ [6] ایضاً ص ۳۸۲ [7] مقریزی ج اول ص ۱۲۶،

عسقلان تک پورے علاقے میں اسلام پھیل گیا، شہر فسطاط میں جو حضرت عمرؓ کے عہد میں آباد ہوا، مسلمانوں کے کئی محلے تھے، غرض حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں،

حرم کی توسیع حرم محترم کی عمارت تنگ تھی ۱۷ھ میں اس کی عمارت کو وسیع کیا، اور اس کے گرد دیوار کھچوا کر عام آبادی سے ممتاز کیا،[1] کعبہ پر نطع کا (جو ایک معمولی کپڑا ہے) غلاف چڑھا کرتا تھا آپ نے قباطی کا غلاف چڑھایا جو نہایت عمدہ مصری کپڑا ہوتا تھا،[2]

مسجد نبوی کی توسیع مسجد نبویؐ کی توسیع کی، ازواج مطہرات کے گھروں کو چھوڑ کر مسجد نبویؐ سے متصل جتنے مکانات تھے سب کو خرید کر مسجد کی عمارت میں شامل کر دیا، پہلے مسجد کا طول سو گز تھا، اس تعمیر میں بیس کا اضافہ ہوا، مسجد کے گوشہ میں علحدہ ایک چبوترہ بنوا دیا، کہ جن لوگوں کو بات چیت کرنا ہو یا شعر پڑھنا ہو وہ یہاں آکر باتیں کریں،[3]

رفاہ عام کے کام حکومت کی تنظیم اور مذہبی خدمات کے علاوہ، رفاہ عام کے بہت سے کام ہوئے، زراعت کی سیرابی اور رعایا کی ضروریات کے لئے متعدد نہریں کھدوائیں، انہیں سے بعض یہ ہیں

نہر ابو موسیٰ بصرہ میں پانی کی بڑی قلت تھی، شہر سے چھ میل کی مسافت سے پانی لایا جاتا تھا، حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے دجلہ سے نو میل لمبی نہر نکالی جو انہی کے نام سے مشہور ہوئی، اس سے گھر گھر پانی افراط ہو گیا،[4]

نہر معقل دوسری نہر معقلؓ کے اہتمام میں تیار ہوئی،

نہر سعد یہ نہر اہل انبار کی درخواست پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کھدائی تھی،

---

[1] مقریزی ج اول ص ۲۹۴ [2] بخاری باب بنیان الکعبہ و احکام السلطانیہ ص ۱۵۲ [3] فتوح البلدان ص ۴۹
[4] خلاصۃ الوفا ص ۱۳۲ و ۱۳۳ [5] فتوح البلدان ص ۳۶۵،

لیکن درمیان مین پہاڑ حائل ہو جانے کی وجہ سے ناتمام رہ گئی، اور حجاج بن یوسف کے زمانہ مین پوری ہوئی،

نہر امیر المومنین، سب سے بڑی نہر نہر امیر المومنین تھی، ۱۸ھ مین جب عرب مین قحط پڑا اور حضرت عمرؓ نے مصر سے غلہ طلب کیا تو شام اور مصر کا خشکی کا راستہ دور ہونے کی وجہ سے غلہ کسی قدر تاخیر سے پہنچا تھا، اس وقت حضرت عمرؓ نے ۶۹ میل لمبی نہر کھدا کر نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا، اور مصر کے جہازات براہ راست مدینہ کے بندرگاہ جار تک آنے لگے، اس سے مصر کی تجارت کو بھی بڑا فروغ ہوا،[1]

(۳) بڑے بڑے شہرون مین مسافرون کی سہولت کے لئے مسافر خانے تعمیر کرائے، تاریخون مین کوفہ اور مدینہ کے مسافر خانون کی تفصیل ملتی ہے،[2]

(۴) سڑک اور پلون کی تعمیر کا یہ انتظام تھا کہ عموماً مفتوحہ قومون کے معاہدہ مین شرط ہوتی تھی کہ وہ پل اور سڑک بنائین گی، طبری نے ۱۶ھ کے ایک معاہدہ مین یہ فقرہ بھی لکھا ہے کہ کاشتکار سڑک اور پل بنائین گے، اور بازار لگائین گے،[3] کتاب الخراج مین بھی اسی قسم کا معاہدہ مذکور ہے،[4] سیوطی نے لکھا ہے کہ پلون کی تعمیر، نہرون کی صفائی اور اس قسم کے بعض دوسرے کام بیت المال کے صرف سے انجام پاتے تھے،[5]

(۵) مکہ اور مدینہ مرکز اسلام تھے، لیکن ان کے راستے نہایت خراب اور ویران تھے، ۱۷ھ مین مکہ سے مدینہ تک ہر ہر منزل پر چوکیان، سرائین اور حوض تعمیر کرائے،[6]

عدل و مساوات

اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ حکومت کا انتظامی ڈھانچہ تھا، اس کی اصل روح

[1] اس نہر کے تفصیلی حالات حسن المحاضرہ اور مقریزی مین ہین [2] فتوح البلدان بلاذری ذکر آبادی کوفہ [3] طبری ص ۲۴۷۰ [4] کتاب الخراج ص ۸۰ [5] حسن المحاضرہ ج اول ص ۶۳ [6] طبری ص ۲۵۲۹،

رعایا کے ساتھ عدل و مساوات اور اس کی صلاح و فلاح کی فکر ہے، اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کے مقابلہ مین مشکل سے کسی فرمان روا کی مثال پیش کی جا سکتی ہے، آپکے ایوانِ عدالت مین شاہ و گدا، ادنیٰ و اعلیٰ، خویش و بیگانہ اور مسلم و غیر مسلم سب برابر تھے،

غیر قومون کے حقوق اور ان کے ساتھ طرزِ عمل

کسی حکومت کے عدل و مساوات کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ غیر قومون کے ساتھ اس کا طرزِ عمل کیا ہے اور اس کو اس حکومت مین کیا حقوق حاصل ہین؟ اس معیار سے فاروقی عہد عدل و مساوات کا نمونہ تھا،

عرب کی ہمسایہ دو حکومتین تھین، روم اور فارس یہی دونون حکومتین فاروقی عہد مین اسلام کے زیرِ نگین ہوئین، ان دونون حکومتون کا طرزِ عمل خود اپنی ہم قوم رعایا کے ساتھ غلامون سے بدتر تھا، تو دوسری ماتحت اقوام کا کیا ذکر، لیکن جب یہی قومین اسلام کے زیرِ نگین ہوئین تو دفعۃً ان کی حالت بدل گئی، اور انھین ہر طرح کے جائز حقوق اور جائز آزادی عطا کی گئی،

کسی قوم کے حقوق صرف تین چیزون سے متعلق ہوتے ہین، جان، مال اور مذہب، ان کے سوا اور جتنے حقوق ہین، وہ سب انہی کے تحت مین آتے ہین، حضرت عمرؓ نے تمام مفتوحہ قومون کے ان تینون بنیادی حقوق کو محفوظ قرار دیا، بیت المقدس کے عیسائیون کو ازروے معاہدہ جو حقوق دیے وہ یہ تھے،

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے اہل ایلیا کو دی، یہ امان جان مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لئے ہے، نہ ان کے گرجا مین سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائین گے، نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبون اور ان کے مال مین کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارہ مین ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان مین سے کسی کو کوئی نقصان

پہنچایا جائے گا[1]،

یہ حقوق صرف ایلیا والون کے ساتھ مخصوص نہ تھے، بلکہ تمام مفتوحہ اقوام کو دیے گئے، جو ان کے عہدناموں مین موجود ہین، اہل جرجان کے معاہدہ کے الفاظ یہ ہین، کہ "ان کی جان مال اور مذہب و شریعت سب کو امان ہے، ان مین سے کسی شے مین کوئی تغیر نہ کیا جائے گا[2]" آذربیجان کے معاہدہ مین ہے" جان مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے[3]" موقان کے معاہدہ کے الفاظ بھی یہی ہین، سب معاہدون کا نقل کرنا طول عمل ہے، صرف چند بطور مثال لکھ دیے گئے،

حضرت عمرؓ وقتاً فوقتاً عمال کو ان معاہدون کی پابندی کی تاکید لکھتے رہتے تھے، حضرت ابو عبیدہؓ فاتح شام کو لکھا۔

"مسلمانون کو ذمیون پر ظلم کرنے، ان کو نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے سے روکو، اور ان سے جو شرطین کی گئی ہین، ان کو پوری کرو[4]"

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تھا تو حضرت عمرؓ اس سے قصاص لیتے تھے، ایک مرتبہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے عیسائی کو قتل کر دیا، تو آپ نے قاتل کو مقتول کے ورثہ کے حوالہ کر دیا، انھون نے اسے قتل کر دیا[5]،

ذمیون کی املاک کو کوئی نقصان پہنچتا تھا تو اس کا معاوضہ دلاتے تھے، ایک مرتبہ فوج نے شام کے ایک ذمی کی زراعت پامال کر دی، حضرت عمرؓ نے اس کو بیت المال سے دس ہزار معاوضہ دلایا[6]،

---

[1] طبری فتح بیت المقدس [2] طبری ص ۲۶۵۸ [3] ایضاً ص ۲۶۶۲ [4] کتاب الخراج ص ۸۲ [5] الدرایہ فی تخریج الہدایہ [6] کتاب الخراج ص ۶۸،

اوپر گذر چکا ہے کہ مالگذاری کی تشخیص مین ذمیون سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا، اس کے بعد بھی اس کا خیال رہتا تھا کہ کہین جمع زیادہ تو نہین تشخیص ہوگئی،[1] اس کا بڑا اہتمام تھا کہ خراج کی کوئی رقم جبر اور ظلم سے نہ وصول کی جائے، چنانچہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو وہان کے دس آدمیون کو طلب کرکے ان سے قسم لیتے تھے کہ "مالگزاری کی تحصیل مین سختی تو نہین کی گئی ہے"[2]

جزیہ کی بحث اس سلسلہ مین ذمیون سے جزیہ ایک ٹیکس البتہ ضرور لیا جاتا تھا جو مسلمانون سے نہ لیا جاتا تھا، لیکن یہ ان کی حفاظت اور جنگی خدمات کا معاوضہ تھا، ذمی جنگی خدمات سے مستثنیٰ تھے، اور مسلمان اس کے لئے مجبور تھے، اس لئے مسلمانون سے اس کے لینے کی کوئی وجہ نہ تھی، کہ وہ مال کے بجائے جان دینے پر مجبور تھے، اکثر معاہدون مین اس کی تصریح ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ٹیکس تھا، چنانچہ اہل جرجان سے جو معاہدہ ہوا تھا، اس کے الفاظ یہ ہین:

"ہمارے ذمہ اس شہر والے پر تمہاری حفاظت ہے کہ تم کو بقدر استطاعت سالانہ جزیہ دینا ہوگا، اور اگر ہم تم سے مدد لین گے تو اس کے بدلہ مین جزیہ معاف کر دیا جائیگا"[3]

آذربیجان کی فتح مین یہ معاہدہ لکھا گیا،

"جو لوگ کسی سال فوج مین کام کرین گے تو اس سال کا جزیہ ان سے نہ لیا جائے گا"[4]

چنانچہ جب کبھی ذمیون سے فوجی خدمت لی جاتی تھی، تو ان کا جزیہ چھوڑ دیا جاتا تھا، ایران کی فتوحات کے سلسلہ مین جب اس قسم کے مواقع پیش آئے، تو حضرت عمرؓ نے افسران فوج کو لکھ بھیجا کہ "جن ذمی سوارون سے مدد لینے کی ضرورت ہو ان سے مدد لو، اور ان کا جزیہ چھوڑ دو"[5]

یرموک کے معرکہ کے سلسلہ مین جب مسلمان ذمیون کی حفاظت سے معذور ہو گئے،

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۸ [2] ایضاً ص ۶۲ [3] طبری ص ۲۶۵۸ [4] ایضاً ص ۲۶۶۰ [5] ایضاً ص ۲۴۹۷،

توجزیہ کی کل وصول شدہ رقم واپس کردی گئی، حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالار افواج شام اور تمام مفتوحہ اضلاع کے حکام کو لکھ بھیجا کہ جتنا جزیہ وصول ہو چکا ہے سب واپس کردیا جائے[1]،

غرض جزیہ خالص حفاظتی ٹیکس تھا، اور فوجی مصارف ہی مین صرف کیا جاتا تھا، مسلمان بھی بعض ایسے ٹیکس دیتے تھے جو ذمیون کو دینے پڑتے تھے، مثلاً زکوٰۃ کی مقدار جزیہ سے کہین زیادہ ہوتی تھی،

پھر جزیہ کی وصولی مین سختی نہ برتی جاتی تھی، جہان کہین حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوجاتا تھا آپ سختی سے روکتے تھے،

شام کے سفر مین کسی مقام پر دیکھا کہ ذمیون پر سختی کی جارہی ہے، سبب پوچھا معلوم ہوا کہ جزیہ نہین ادا کیا گیا ہے، پوچھا کیون؟ معلوم ہوا ناداری کی وجہ سے، فرمایا چھوڑ دو، مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگون کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا مین لوگون کو عذاب دیتے ہین خدا انھین قیامت مین عذاب دے گا،[2]

نادار، بیکس اور معذور ذمی جزیہ سے مستثنیٰ تھے، اور بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی تھی، حیرہ کے فتح کے معاہدہ مین اس کی تصریح ہے کہ

"اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے سے معذور ہو جائے، یا کوئی آفت آئے، یا دولت مندی کے بعد غریب ہو جائے اور اس کے اہلِ مذہب اسے خیرات دینے لگین تو اس کا جزیہ موقوف کردیا جائے گا، اور اس کی اولاد کو مسلمانون کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا،"[3]

یہ معاہدہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین ہوا تھا، حضرت عمرؓ کے زمانہ مین بھی اسی پر عمل رہا،

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۳ وکتاب الخراج ص ۸۱ [2] کتاب الخراج ص ۷۱ [3] ایضاً ص ۸۵

بلکہ آپ نے اس کو قرآنی استدلال سے اور زیادہ موکد کر دیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک ضعیف شخص کو بھیک مانگتے دیکھا، پوچھا بھیک کیون مانگتا ہے، اس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے، اور مجھ کو اس کے ادا کرنے کا مقدور نہین، یہ سن کر آپ اسے اپنے گھر لے گئے، اور کچھ نقد دے کر داروغہ سے کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذورون کیلیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے، کلام اللہ کی آیۃ انما الصدقات للفقراء والمساکین مین فقرا، سے مراد مسلمان اور مساکین سے مراد اہل کتاب ہین، واللہ یہ انصاف نہین ہو کہ ان لوگون کی جوانی کی توانائی سے تو ہم فائدہ اٹھائین اور بڑھاپے مین ان کو نکال دین، [1]

آپ کو ذمیون کا اتنا خیال تھا کہ اپنے آخری زمانہ مین اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لئے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اس مین ذمیون کے متعلق خاص طور سے تھا کہ

"مین ان لوگون کے حق مین جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے، یہ وصیت کرتا ہون کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کیا جائے، ان کی حمایت مین لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے، [2]

کسی غیر قوم کے ساتھ دنیا کی کسی حکومت کا اس سے بہتر طرز عمل اور کیا ہو سکتا ہے؟

رعایا کی خبرگیری

رعایا کی خبرگیری کا اتنا اہتمام تھا کہ آج اس کے واقعات افسانہ معلوم ہون گے، باوجودیکہ آپ کو مہمات امور سے سابقہ رہتا تھا، لیکن رعایا کے چھوٹے چھوٹے حالات کی جانب سے بھی غفلت نہ ہونے پاتی تھی،

کبھی کوئی حاجب و دربان نہین رکھا، کہ عام لوگون کو آپ تک پہنچنے مین دقت ہو، روزانہ ہر نماز کے بعد، مسجد کے صحن مین بیٹھ جاتے کہ جس کو جو کچھ کہنا سننا ہو آزادی سے کہہ سکے

---

[1] کتاب الخراج ص ۷۲، [2] یہ وصیت حدیث کی متعدد کتابون مین ہے،

چنانچہ اہل حاجت اپنی ضروریات بیان کرتے تھے، اگر کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھ جاتے،
باہر سے جو وفود آتے ان سے ایک ایک جزوی حالات پوچھتے، حج کے موسم مین جب
ممالک محروسہ کے ہر حصہ کے آدمی آتے تھے، تمام حکام کو طلب کرتے تھے، اور اعلان عام ہوتا
تھا کہ جس کو جس عامل کے خلاف شکایت ہو پیش کرے،

مدینہ اور اس کے اطراف مین خود گھوم پھر کر حالات کا پتہ چلاتے تھے، اس قبیل کے
بہت سے واقعات تاریخون مین مذکور ہین،

ایک مرتبہ ایک قافلہ آیا اور مدینہ کے باہر اترا، آپ اس کی خبر گیری اور حفاظت کیلئے
تشریف لے گئے، پہرہ دے رہے تھے کہ ایک بچہ کے رونے کی آواز سنی، پاس جاکر اس کی
ماں کو تاکید کی کہ بچہ کو بہلائے، تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گذرے تو پھر بچہ کو روتا پایا،
ماں کو ڈانٹا کہ تو بڑی بے رحم ہے، اس نے کہا تم کو اصل واقعہ کی خبر نہین ہے، خواہ مخواہ مجھے
دق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ جب تک بچے دودھ نہ چھوڑین اس وقت
تک بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے، اس لئے مین اس کا دودھ چھڑا رہی ہون
اس پر وہ روتا ہے، یہ سن کر حضرت عمرؓ سخت متاثر ہوئے اور فرمایا، ہائے عمر تو نے کتنے بچون کا
خون کیا ہوگا اور فوراً منادی کرادی کہ جس دن سے بچہ پیدا ہو اسی دن سے وظیفہ مقرر کیا جائے،

ایک مرتبہ شب کو گشت کرتے ہوئے تین میل مدینہ سے باہر نکل گئے، دیکھا کہ ایک عورت
کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہین، پاس جاکر تحقیق کی تو عورت نے بتایا کہ کئی وقتون
سے بچے فاقے سے ہین، ان کے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی چڑھا دی ہے، یہ سن کر آپ
اسی وقت مدینہ ...... واپس آئے اور بیت المال سے آٹا، گھی، گوشت اور کھجورین لین اور

لہ کنز العمال ج ۲ ص ۳۲۰،

اپنے غلام اسلم سے کہا کہ اس کو میری پیٹھ پر لاد دو، اسلم نے عرض کیا، مین لئے چلتا ہون، فرمایا قیامت مین میرا بار تم نہین اٹھاؤگے، غرض کل سامان خود لاد کر عورت کے پاس لے گئے، اور جب تک عورت نے پکا کر بچون کو کھلا نہ لیا، خود بیٹھے رہے، عورت اس حسن سلوک سے بہت متاثر ہوئی اور کہا امیرالمومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمرؓ،

سفر مین جاتے تو ایک ایک مقام پر ٹھہر کر حالات دریافت کرتے، شام کے سفر مین ایک ایک ضلع مین قیام کر کے لوگون کی شکایتین سنین، اور دادرسی کی، اسی سفر کی واپسی کا واقعہ ہے کہ ایک مقام پر ایک خیمہ نظر آیا، قریب گئے تو ایک بڑھیا نظر آئی، اس سے پوچھا عمرؓ کا کچھ حال معلوم ہے، اس نے کہا ہان شام سے روانہ ہو چکا ہے، مجھ کو اس کے یہان سے ایک حبہ بھی نہیں ملا" آپ نے فرمایا اتنی دور کا حال عمرؓ کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے، بڑھیا نے جواب دیا، اگر حال نہین معلوم تو خلافت کیون کرتا ہے، یہ سن کر آپ رو پڑے،

رعایا کی تکلیف پر خواب و خور حرام ہو جاتا تھا، ۱۸ھ مین جب عرب مین قحط پڑا، تو آپ پر کوہ الم ٹوٹ پڑا، گوشت، گھی، مچھلی تمام لذائذ ترک کر دیے، نہایت خشوع و خضوع سے دعائین مانگتے تھے، کہ "خدایا میری شامت اعمال کے بدلہ مین امت محمدی کو تباہ نہ کر، آپ کے غلام اسلم کا بیان ہے کہ قحط کے زمانہ مین آپ کو جتنی فکر و پریشانی تھی، اس سے یہ خطرہ تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا، تو وہ اسی غم مین ہلاک ہو جائین گے،[۱]

قحط کے اثرات کو روکنے کے لیے بیت المال کا کل نقد و جنس صرف کر دیا، اور حکام مصر کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ بھیجا جائے، چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے شام سے ہزار اونٹ اور عمرو بن العاص نے مصر سے بیس جہاز غلہ بھیجا، ایک ایک جہاز مین تین تین ہزار اردب غلہ تھا، اسکے ملاحظہ کیلئے

---

۱ یہ واقعات کنز العمال ج ۶ ص ۳۲۶ وما بعد علامت عمر مین ہین،

خود بندرگاہ جار تشریف لے گئے، اور زید بن ثابت کو قحط زدوں کا نقشہ تیار کرنے کا حکم دیا، انھوں نے بقید نام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار کئے، ہر شخص کو حضرت عمرؓ کی دستخط شدہ ایک چک دی، جس کے مطابق غلہ ملتا تھا،[1] اس کے علاوہ مدینہ میں ایک عام لنگر خانہ قائم کیا، جس میں بیس اونٹ روزانہ ذبح ہوتے تھے،[2]

یہ تو قحط کے زمانہ کا انتظام تھا، عام حالات میں بھی حضرت عمرؓ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ رعایا کا کوئی فرد بھوکا نہ رہنے پائے، چنانچہ ملک میں جس قدر معذور و مجبور اور ازکار رفتہ آدمی تھے بلا قید ملت و مذہب بیت المال سے سب کے روزینے مقرر تھے، غیر مسلم معذوروں کے وظائف اور خبر گیری کا حال اوپر گذر چکا ہے،

لقطہ یعنی لاوارث بچوں کی پرورش کا انتظام بھی بیت المال سے تھا جن کی مائیں انھیں راستوں پر پھینک جاتی تھیں، ایسے بچوں کے لئے ابتدا میں سو درہم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر ان کی عمر بڑھنے کے ساتھ اس میں سال بہ سال ترقی ہوتی جاتی تھی،[3] جو یتیم صاحب مال جائداد ہوتے تھے، ان کے مال کی حفاظت اور اسے تجارت وغیرہ کے ذریعہ سے بڑھانے کا انتظام تھا، غرض عہد فاروقی میں کوئی لاوارث، محتاج، معذور اور ازکار رفتہ بھوکا نہ رہنے پاتا تھا، یہ وہ کارنامہ ہے جس کی نظیر اس ترقی یافتہ دور میں بھی نہیں مل سکتی،

مساوات اس دور کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام بیجا امتیازات کو مٹا کر شاہ و گدا اور بلند و پست کو ایک سطح پر کر دیا تھا، اس کا عملی نمونہ خود ان کی ذات تھی امیر المومنین اور عام رعایا کے حقوق میں کوئی فرق نہ تھا، عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے، کہ وہ اپنے اور عام رعایا کے درمیان کوئی امتیاز نہ پیدا کریں، ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں اس کا

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۷، [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۳، [3] یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۱،

لحاظ رکھتے تھے، عمرو بن العاص نے مصر کی جامع مسجد مین منبر بنوایا، آپ کو اطلاع ہوئی تو لکھ بھیجا کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ مسلمان نیچے بیٹھین اور تم اوپر، [1]

ایک دفعہ کچھ لوگ مشہور صحابی حضرت ابی بن کعب سے ملنے گئے، جب وہ اٹھے تو لوگ تعظیماً ان کے ساتھ ہو گئے، اتفاق سے اسی وقت حضرت عمرؓ ادھر آنکلے، یہ امتیازی شان دیکھ کر ابیؓ کو کوڑا لگایا، انھون نے حیرت سے پوچھا خیر تو ہے؟ فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اس قسم کی تعظیم متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے، [2]

شام کا ایک نامور فرمانروا جبلہ بن ایہم غسانی مسلمان ہو گیا تھا، طواف مین اس کی چادر کا کونہ ایک شخص کے پاؤن کے نیچے پڑ گیا، جبلہ نے اسے تھپڑ مارا، اس شخص نے برابر کا جواب دیا، جبلہ نے آکر حضرت عمرؓ سے شکایت کی، آپ نے فرمایا تم نے جیسا کیا ویسا پایا، جبلہ نے پندارامارت مین کہا ہم وہ ہین کہ اگر کوئی شخص ہم سے گستاخی سے پیش آئے تو وہ قتل کا سزاوار ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ہان جاہلیت مین ایسا ہی تھا، لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا، جبلہ نے کہا اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس مین شریف و ذلیل کا امتیاز نہیں تو مین اس سے باز آتا ہون، لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی کوئی پروانہ کی،

غلامون کو ان کے آقاؤن کے برابر کر دیا، ان کے ساتھ کسی قسم کا فرق و امتیاز روا نہ رکھتے تھے، اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے، اور حاضرین کو سنا کر فرماتے، خدا ان لوگون پر لعنت کرے جن کو غلامون کے ساتھ بیٹھ کر کھانے مین عار ہے، غلامون کے ساتھ عمال کے برتاؤ کی تحقیقات کرتے رہتے تھے، ایک عامل کو صرف اس جرم پر معزول کر دیا تھا، کہ اس نے غلام کی عیادت نہیں کی تھی، [3] غلامون کے وظائف ان کے آقاؤن کے برابر مقرر کئے، اس قبیل کے دو چار نہین

---

[1] کنز العمال ج ۶ حالات عمرؓ [2] مسند دارمی ص ۱۷، و ابن سعد تذکرہ عمرؓ [3] طبری ص ۲۷۷۵،

سیکڑوں واقعات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں،

اس مساوات نے مسلمانوں میں حریت اور آزادی کی وہ روح پھونک دی تھی کہ حضرت عمرؓ کو برسرِ عام ٹوک دیتے تھے، جس کے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں،

بیت المال کی حفاظت مسلمانوں کی امانت یعنی بیت المال کی حفاظت کا اتنا اہتمام تھا کہ آج شاید اس کے واقعات افسانہ معلوم ہوں گے، بیت المال کا ایک حبہ بے محل صرف نہ ہونے پاتا تھا، اس کی ایک ایک امانت کی حفاظت بہ نفس نفیس فرماتے تھے، اس کے ایک ایک اونٹ کو مع حلیہ کے درج رجسٹر کراتے تھے،

ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا، حضرت عمرؓ اس کی تلاش میں نکلے، عین اسی وقت ایک رئیس احنف بن قیس آپ سے ملنے کے لئے آئے، دیکھا تو حضرت عمرؓ دامن چڑھائے ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں، احنف کو دیکھ کر فرمایا آؤ تم بھی میرا ساتھ دو، بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے، تم جانتے ہو، ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے، ایک شخص نے عرض کیا، امیر المومنین آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، کسی غلام کو حکم دیدیجئے وہ ڈھونڈھ لائیگا، فرمایا ای عبد اعبد منی۔ یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے[1]

بیت المال میں قیصر و کسریٰ کے خزانے لدے چلے آ رہے تھے، لیکن اس میں آپ کا حصہ صرف بقدر کفاف روزینہ تھا، اس کے علاوہ اس سے ادنیٰ فائدہ اٹھانا بھی اپنے لئے حرام سمجھتے تھے،

ایک مرتبہ بیمار پڑے لوگوں نے دوا میں شہد تجویز کیا، بیت المال میں شہد موجود تھا بہت معمولی سی چیز تھی لیکن بغیر مسلمانوں سے اجازت لئے ہوئے اسے لینا طبیعت نے

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۴،

گوارا نہ کیا، مسجدِ نبوی میں جاکر مسلمانوں سے کہا اگر آپ لوگ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں۔

ایک دفعہ مالِ غنیمت آیا، آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ نے آکر عرض کیا امیر المومنین میرا حق مجھ کو دیجئے، میں ذوی القربیٰ میں ہوں، حضرت عمرؓ نے جواب دیا جانِ پدر تیرا حق میرے ذاتی مال میں ہے یہ تو غنیمت کا مال ہے، تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا، یہ خشک جواب سن کر وہ غریب لوٹ گئیں۔[1]

آپ کو اپنے مرحوم بھائی زیدؓ کی بچی سے والہانہ محبت تھی، ایک دن اس نے بیت المال کے زیورات سے ایک معمولی انگوٹھی اٹھا کر پہن لی۔ آپ اسے آزردہ نہ کرنا چاہتے تھے، اس لئے پیار کرکے بہلاتے رہے، اور چپکے سے انگوٹھی نکال کر زیورات کے ڈھیر میں ڈال دی۔[2]

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے، طرفین میں خط و کتابت رہتی تھی، ایک دفعہ آپ کی اہلیہ ام کلثومؓ نے قیصر کی ملکہ کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں، اس نے جواب میں شیشیوں میں جواہرات بھر کر بھیجے، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے بیوی سے بلا کر فرمایا، گو عطر تمہارا تھا لیکن جو قاصد اس کو لے کر گیا تھا، وہ سرکاری تھا، اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کئے گئے تھے، یہ کہہ کر جواہرات بیت المال میں داخل کرا دئے، اور بیوی کو ایک دینار معاوضہ دے دیا۔[3]

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا، انھوں نے اس خیال سے کہ ایک درہم کیوں پڑا رہے، حضرت عمرؓ کے ایک بچہ کو دیدیا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فوراً بیت المال میں داخل کر دیا، اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا تم کو مدینہ میں آلِ عمرؓ کے سوا کوئی کمزور نظر نہ آیا، تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ق ص ۱۹۸ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰ [3] ایضاً ص ۳۴۸ [4] ایضاً ص ۳۵۲

امتِ محمدی کا مطالبہ میری گردن پر رہے[1]

ایک مرتبہ ایک فربہ اونٹ بازار میں بکتے ہوئے دیکھا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہؓ کا ہے، ان سے پوچھا یہ اونٹ کیسا ہے، انھوں نے کہا میں نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیجدیا تھا، اب فربہ ہوگیا ہے اس لئے بیچتا ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے اس لئے تم اتنے ہی قیمت کے مستحق ہو جتنے میں خریدا تھا اور زائد قیمت لے کر بیت المال میں داخل کردی،[2]

ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں کچھ روپیوں کی ضرورت پڑی، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے قرض مانگا، انھوں نے کہا آپ امیر المومنین ہیں، بیت المال سے قرض لے سکتے ہیں، آپ نے فرمایا، میں بیت المال سے نہیں لونگا، کیونکہ اگر میں ادا کرنے سے پہلے مرگیا تو تم لوگ میرے ورثہ سے مطالبہ نہ کروگے اور یہ بار میرے سر جائے گا، اس لئے ایسے شخص سے قرض لینا چاہتا ہوں، جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو،[3] اس قبیل کے بکثرت واقعات ہیں،

فضل و کمال | ذاتی حیثیت سے حضرت عمرؓ نہایت ذہین طباع، بالغ نظر، مدبر اور صائب الرائے تھے، جاہلی اور اسلامی دونوں علوم میں آپ کو یکساں کمال حاصل تھا، فصاحت و بلاغت، انشا و خطابت، شاعری و لسانی، سپہگری اور بہادری وغیرہ ان تمام اوصاف و کمالات میں جو عرب میں لازمۂ شرافت سمجھے جاتے تھے، آپ کو وافر حصہ ملا تھا، آپ کی بہت سی تقریریں اور تحریریں کتابوں میں محفوظ ہیں جن سے آپ کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے،

شاعری کا نہایت بلند اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے، خود بھی شعر کہتے تھے، مگر بہت کم ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے چند اشعار نقل کئے ہیں، لیکن ناقد اور سخن سنج بڑے

---

[1] کنزالعمال ج ۶ ص ۳۵۰، [2] ایضاً [3] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۹۹،

اعلیٰ درجہ کے تھے،

ابن رشیق کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے زمانہ کے شعر کے سب سے بڑے نقاد اور اداشناس تھے،[1] مشہور ادیب جاحظ لکھتا ہے کہ "عمرؓ اپنے عہد کے سب سے بڑے سخن سنج تھے،[2] عرب کے تمام بڑے بڑے شعراء کا کلام حفظ تھا، اور اس پر ناقدانہ رائے رکھتے تھے، امراء القیس، نابغہ اور زہیر کو زیادہ پسند کرتے تھے، ان کی سخن سنجی کے بہت سے واقعات کتابون مین مذکور ہین، اس سلسلہ مین یہ امر خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ آپ نے عرب کی شاعری کی بڑی اصلاح کی، عربی شعراء اشعار مین علانیہ عورتون کے نام لے لے کر اپنی عشق و محبت کی داستانین بیان کرتے تھے، کسی شریف آدمی کی ہجو کہہ دینا معمولی بات تھی، حضرت عمرؓ نے ان دونون باتون کی ممانعت کر دی[3]

آپ کے والد خطاب قریش کے بڑے مشہور نساب تھے، یہ فن آپ نے انہی سے سیکھا تھا، چنانچہ نسب کے متعلق تمام معلومات اپنے والد ہی کے حوالہ سے بیان کرتے تھے،[4]

لکھنے پڑھنے کا ذوق آپ کو ابتدا سے تھا، اور آپ اس زمانہ سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے جب قریش مین صرف سترہ آدمی لکھے پڑھے تھے،[5] مسند دارمی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو عبرانی زبان سے بھی واقفیت تھی، ایک مرتبہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس توریت کا ایک نسخہ لے گئے، اور پڑھنا شروع کیا، یہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا،[6]

ذہانت، طباعی اور اصابت رائے کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہو سکتا ہے، کہ آپ کی بہت سی رائین مذہبی احکام بن گئین، اذان کا طریقہ آپ ہی کی تجویز سے قائم ہوا، متعدد موقعون

---

[1] کتاب العمدہ ص ۱۳، [2] کتاب البیان والتبیین ج ۱ ص ۹، [3] اسد الغابہ تذکرہ حمید بن ثور [4] کتاب البیان والتبیین ج ۱ ص ۱۱۶، [5] بلاذری ص ۴۷۷ [6] مسند دارمی ص ۶۲،

وحی الٰہی نے آپ کی رائے کی تائید کی، خانۂ اسیرانِ بدر کے ساتھ طرزِ عمل، ازواج مطہرات کے پردہ، شراب کی حرمت اور مقامِ ابراہیم کو مصلی بنانے میں قرآن نے آپ کی رائے کی تائید کی،[1]

ذہانت اور طباعی نے حضرت عمرؓ کو نہایت نکتہ رس اور دقیقہ سنج بنا دیا تھا، آپ کی نگاہ احکام شریعت کے ایسے باریک نکتوں تک پہنچتی تھی جن پر عام صحابہ کی نظر مشکل سے پہنچ سکتی تھی، علم اسرارِ دین کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی،

قرآن پاک کے احکام و مسائل میں بڑا افکار و تدبر کرتے تھے، جو پیچیدہ مسائل حل نہ ہوتے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے، کلالہ کی وراثت کا مسئلہ آپ نے اتنی مرتبہ پوچھا، کہ آپ نے تنگ آکر فرمایا کہ اس بارہ میں سورۂ نساء کی آخری آیت کافی ہے،[2]

اس غور و فکر اور تلاش و جستجو نے آپ میں کلام اللہ کی تفسیر و تاویل اور آیات قرآنی سے استنباطِ احکام اور استدلال کا فطری ملکہ پیدا کر دیا تھا، حدیثوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جنمیں سے بعض اوپر گذر چکی ہیں،

اگرچہ آپ کا شمار کثیر الروایۃ صحابہ میں نہیں ہے، آپ کی مرفوع روایات کی تعداد کل ستر ہے، لیکن حدیث کے علم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا، قلتِ روایت کا سبب آپ کی شدتِ احتیاط تھی، کلام رسولؐ کو بیرونی آمیزش سے پاک رکھنے کے لئے آپ کے شدتِ اہتمام کے واقعات اوپر گذر چکے ہیں، ورنہ نفس علم حدیث میں وہ کسی بڑے سے بڑے محدث صحابی سے کم نہ تھے، اپنے زمانہ میں انھوں نے جتنے احکام صادر کئے، وہ سب حدیث ہی کی سند پر تھے، البتہ احتیاط کی بنا پر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب نہیں کیا، احادیث نبوی کی جو خدمت انھوں نے کی اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے،

---

[1] یہ واقعات بخاری کے مختلف ابواب میں ہیں [2] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۲۵،

فقہ میں آپ کا مقام بہت بلند تھا، بلکہ فقہ کا فن آپ ہی کا ساختہ پرداختہ ہے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن مسعود جو اساطین فقہ میں ہیں، آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے، آپ کے زمانہ میں ہزاروں نئے مسائل پیش آئے، آپ نے انھیں اپنی قوت اجتہاد سے حل کیا، آپ کے فقہی مسائل کی تعداد کئی ہزار ہے جن میں ایک ہزار مہمات مسائل ہیں[1]،

اصول فقہ کا فن آپ ہی کی ایجاد ہے، آپ نے تنہا جزئیات کی تدوین نہیں کی، بلکہ تفریع واستنباط مسائل کے اصول وضوابط بنا کر آئندہ آنے والوں کے لئے اجتہاد وفکر کی ایک وسیع شاہراہ قائم کر گئے، غرض اپنی فطری ذہانت اور دینی بصیرت سے فقہ کے تمام متعلقات کو ایک مستقل فن بنا دیا، آپ کے علمی کمالات کی فہرست بہت طویل ہے، لیکن مقصود اختصار ہے اس لئے تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے،

سیرۃ الفاروق | عمرؓ فاروق اسلامی تعلیمات کی مجسم تصویر تھے،

خشیت الٰہی | تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے، خدا کا خوف آپ کے رگ وپے میں ساری تھا، اس کے مواخذہ کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے، فرماتے تھے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا جنتی ہے، تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا، کہ شاید وہ ایک بد قسمت انسان میں ہی ہوں[2]،

ایک مرتبہ راہ سے تنکا اٹھا کر فرمایا، کاش میں بھی خس وخاشاک ہوتا، کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا، کاش میری ماں مجھے نہ جنتی[3]،

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے پوچھا، کیوں ابو موسیٰ اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ اسلام، ہجرت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے طفیل میں برابر سرابر پر چھوٹ جائیں

---

[1] اعلام الموقعین جلد اول ص ۱۲ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰ [3] ایضاً،

نہ عذاب ملے، نہ ثواب، ابو موسیٰؓ نے کہا مین تو اس پر راضی نہین ہون، ہم لوگون نے نیکیان کی ہین، اس کے صلہ کی امید رکھتے ہین، فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ مین عمر کی جان ہے، مین تو صرف اسی قدر چاہتا ہون کہ بے مواخذہ چھوٹ جاؤن[1]،

آیاتِ قرآنی سے تاثر | نماز مین عموماً ایسی سورتین پڑھتے تھے، جن مین قیامت کی ہولناکی اور خدا کی عظمت و جلال کا ذکر ہوتا، انھین پڑھ کر زار زار روتے تھے، حدیث کی کتابون مین ابواب الصلوٰۃ کے تحت مین اس کے بہت سے واقعات ہین،

حبِ رسول | ذاتِ نبویؐ سے والہانہ شیفتگی تھی، جان مال اولاد ہر محبوب چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سے فدا تھی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر چند دنون کے لئے ان سے علٰحدگی اختیار کر لی تھی، تو حضرت عمرؓ کاشانۂ نبویؐ پر حاضر ہوئے لیکن بار بار اذن طلب کرنے پر بھی جب باریابی کی اجازت نہ ملی تو پکار کر عرض کیا، خدا کی قسم مین حفصہ (ام المومنین حضرت عمرؓ کی صاحبزادی) کی سفارش کے لئے نہین آیا ہون، اگر رسول اللہ حکم دین تو اس کا سر قلم کردون[2]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت غلبۂ محبت مین آپ پر جو وارفتگی طاری ہوگئی تھی، اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، آپ کے وصال کے بعد جب عہد مبارک یاد آجاتا تو روتے روتے بیتاب ہوجاتے تھے، شام کے سفر مین جب حضرت بلالؓ نے مسجد اقصیٰ مین اذان دی تو حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہوگئی، اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی[3]،

وصالِ نبویؐ کے بعد گو عرب کی سرزمین مین سونے چاندی کی گنگا بہنے لگی تھی لیکن

---

[1] بخاری باب ایام الجاہلیۃ [2] فتح الباری ج ۹ ص ۲۵۱ [3] فتوح الشام ازدی فتح بیت المقدس،

حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرعسرت زندگی کی یاد میں اچھا کھانا نہ کھاتے تھے،

متعلقین رسالت کا لحاظ

جناب رسالت مآبؐ کے تمام متعلقین کا پاس ولحاظ اپنی اولاد سے زیادہ کرتے تھے، جب صحابہؓ کے وظائف مقرر کرنے چاہے تو اکابر صحابہ کی رائے تھی کہ بحیثیت امیر المومنین کے آپ مقدم رکھے جائیں، لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کے قرب وبعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کیے چنانچہ سب سے پہلے بنی ہاشم، پھر ان میں بھی حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو مقدم رکھا، اس کے بعد بنی امیہ، بنی عبد شمس، بنی نوفل بن عبد العزیٰ، اپنے قبیلہ بنی عدی کو پانچویں نمبر پر رکھا تنخواہوں کی تعداد میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی، سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہ کی تھیں، اگرچہ حضرت حسنین علیہما السلام ان میں سے نہ تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت کے تعلق سے ان کی تنخواہیں بدری صحابہ کے برابر مقرر کیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کے وظیفے بارہ بارہ ہزار مقرر کیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت زیدؓ کے صاحبزادے اسامہؓ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہؓ سے جو بدری صحابی تھے، زیادہ مقرر کی، عبد اللہ ابن عمرؓ نے عذر کیا، تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے[1]

پابندیِ سنت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس تعلق کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ آپ کسی کام میں سنتِ نبوی سے تجاوز نہ کرتے تھے، عبادات ومعاملات کا ذکر نہیں، روزانہ کی زندگی میں اتباعِ سنت کا پورا اہتمام تھا، عمال کو پابندیِ سنت کے تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے، ایک دفعہ یزید بن ابی سفیانؓ کے ساتھ کھانا کھایا، معمولی کھانوں کے بعد جب عمدہ قسم کے

---

[1] کتاب الخراج ص ۲۴ و ۲۵

کھانے لائے گئے، تو ہاتھ کھینچ لیا، اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ مین عمر کی جان ہے، اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جادۂ مستقیم سے ہٹا دے گا،[1]

وسعت کے باوجود اتباع سنت کے خیال سے بڑی تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے عرض کیا کہ اب خدا نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے، اس لئے آپ کو نرم کپڑون اور اچھی غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہئے، حضرت عمرؓ نے جواب دیا جان پدر! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسرت کی زندگی بھول گئین، خدا کی قسم مین اپنے آقا کے نقش قدم پر چلون گا کہ آخرت کی فراغت اور خوشحالی نصیب ہو،[2]

زہد و قناعت | آپ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب زہد و قناعت اور سادگی و تواضع ہے، آپ کا زہد اکابر صحابہ مین مسلم تھا، حضرت طلحہؓ فرماتے تھے کہ قدامت اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگون کو عمر بن الخطاب پر فضیلت حاصل ہے، لیکن زہد و قناعت مین وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے، حکومت کے تخت جلال پر بیٹھ کر جس زہد و قناعت کا نمونہ آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، اس کی مثال دنیا کی تاریخ مین مشکل سے ملے گی،

آپ کی زندگی کا ایک رخ یہ ہے کہ ایران پر فوجین بھیج رہے ہیں، قیصر و کسریٰ کے سفیرون سے معاملہ درپیش ہے، خالدؓ اور امیر معاویہؓ سے بازپرس ہو رہی ہے، فاتح ایران و مصر کے نام فرامین جاری ہو رہے ہین، دوسرا رخ یہ ہے کہ بدن پر پیوند لگا ہوا کرتہ ہے، سر پر پھٹا ہوا عمامہ، پاؤن مین بوسیدہ چپل، اسی حالت مین بیوہ عورتون کے گھرون مین پانی بھرنے کے لئے کاندھے پر مشک ہے، یا کسی وقت مسجد کے گوشہ مین کام سے تھک کر

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۳ [2] ایضاً ۳۶۵

فرش خاک پر نیند آگئی ہے،[1] ابن سعد اور کنز العمال مین آپکے زہد کے بہت سے واقعات ہین[2]

سادگی سفر مین بھی خیمہ وخرگاہ کا کوئی اہتمام نہین ہوتا تھا، جہان منزل ہوتی، درخت کے سایہ مین پڑ رہتے،[3] آپ کی سادگی کی وجہ سے ان لوگون کو جن کی نگاہین شان وشوکت ڈھونڈھتی تھین آپ کو پہچاننے مین دقت ہوتی تھی،

شام کے سفر مین جب بیت المقدس کے قریب پہنچے، تو مسلمانون نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المومنین کو ایسی معمولی حالت مین دیکھ کر اپنے دل مین کیا کہیں گے، ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس پیش کیا، آپنے فرمایا "خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے، اور وہ ہمارے لئے کافی ہے"

احتساب نفس جب کبھی دل مین عجب وغرور کا شائبہ پیدا ہوتا تھا، تو فوراً اس کا تدارک کرتے تھے، ایک دن خطبہ دیا، اور صرف یہ فرمایا "صاحبو! مین ایک زمانہ مین اس قدر نادار تھا کہ لوگون کے لئے پانی بھر دیا کرتا اور وہ اس کے بدلہ مین چھوہارے دیتے تھے، وہی کھا کر مین بسر کرتا تھا، یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے، لوگون کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کونسی بات تھی، آپ نے خود ہی جواب دے دیا کہ میری طبیعت مین ذرا غرور آگیا تھا یہ اس کی دوا تھی،[4]

مزاج مزاج فطرۃً تیز وتند واقع ہوا تھا، اسلام سے پہلے تو قہر مجسم تھے، اسلام کے بعد بھی سختی قائم رہی، بات بات پر تلوار بے نیام ہوجاتی تھی، لیکن خلافت کا بار پڑنے کے بعد بہت نرم ہوگئے تھے، پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر باقی رہ گیا تھا، درحقیقت ان کی درشتی بھی ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی، وہ حق کے خلاف کوئی بات برداشت نہین کر سکتے تھے، ان کی تندمزاجی کے جتنے واقعات ہین، وہ سب حمایتِ حق کے ہین، ورنہ اپنی ذات کے لئے وہ نہایت متحمل اور

[1] بخاری باب الزہد [2] دیکھو ابن سعد ج ۳ حالات عمر و کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۳ وما بعد [3] ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۲۰۸ [4] ایضاً

بردبار تھے، معاملات ملکی مین لوگ اختلاف کرتے تھے، معمولی معمولی باتون پر ٹوکتے تھے، لیکن آپ کی آبرو پر شکن تک نہ پڑتی تھی، آپ خود فرمایا کرتے تھے، کہ میرا دل خدا کے بارہ مین نرم ہوجاتا ہے تو جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہوجاتا ہے، اور سخت ہوجاتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوجاتا ہے،

ذریعۂ معاش — حضرت عمرؓ کا اصل ذریعہ معاش تجارت تھا، اسلام کے قبل سے ان کا یہ مشغلہ تھا اور اسلام کے بعد بھی قائم رہا، خیبر کی فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قطعہ آراضی ثمغ نامی مرحمت فرمایا تھا، اسی نام کی ایک اور زمین ایک یہودی سے لی تھی لیکن یہ دونون زمینین انھون نے کار خیر کے لئے وقف کردی تھین،

خلافت کے بعد بقدر کفاف وظیفہ مقرر ہوا، پھر کبار صحابہؓ کے وظائف کے ساتھ ان کا بھی پانچ ہزار مقرر ہوا،

غذا و لباس — لیکن زندگی کے کسی دور مین آپ کی سادگی مین فرق نہ آیا، آپ کی سادگی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپکے گذارہ کے لئے جو وظیفہ مقرر کیا گیا تھا، اس کی تعداد دو درہم روزانہ تھی، اسے بھی اس شرط سے قبول کیا تھا کہ جب مالی حالت درست ہوجائے گی تو نہ لین گے، فرماتے تھے کہ مسلمانون کے مال مین میرا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک یتیم کے مال مین متولی کا ہوتا ہے،[1]

آپکے لباس مین صرف چند جوڑے موٹے کپڑے ہوتے تھے، ان مین بھی پیوند پر پیوند لگے ہوتے،[2] ایکمرتبہ حضرت حفصہؓ نے اس بارہ مین گفتگو کی تو فرمایا کہ مسلمانون کے مال مین سے اس سے زیادہ تصرف نہین کرسکتا،

انہی کپڑون مین بر سر عام نکلتے تھے، حضرت حسنؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۱۹۰ [2] ایضاً ص ۲۳۶،

خطبہ دے رہے تھے، مین نے شمار کیا تو ان کے تہ بند مین بارہ پیوند تھے،[1] کبھی کبھی صرف ایک ہی جوڑا رہ جاتا تھا، اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے،[2] ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے کہا امیر المومنین اخدا نے آپ کو فارغ البال کیا ہے، آپ کے پاس بادشاہون کے سفراء اور عرب کے وفود آتے ہین، اس لئے آپ کو اپنی زندگی مین تغیر کرنا چاہیے، فرمایا افسوس تم دونون امہات المومنین ہو کر دنیا کی ترغیب دیتی ہو، عائشہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو بھول گیئین، جب کہ تمہارے گھر مین صرف ایک کپڑا تھا، جسے آپ دن مین بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے حفصہ تم کو یاد نہین کہ ایک مرتبہ تم نے فرش کو دہرا بچھا دیا تھا، اس کی نرمی کے سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر سوتے رہے، اور جب بلال نے اذان دی اس وقت آنکھ کھلی، اور آپ نے فرمایا حفصہ تم نے یہ کیا کیا کہ فرش کو دہرا کر دیا کہ مین صبح تک سوتا رہا، مجھے دنیاوی راحت سے کیا علاقہ، تم نے فرش کی نرمی کی وجہ سے مجھے غافل کر دیا۔[3]

غذا مین عموماً موٹے بے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی اور روغن زیتون ہوتا تھا، کبھی کبھی گوشت اور اچھی چیز بھی کھا لیتے تھے، کھانے کی سادگی کا یہ حال تھا کہ آپ کا کھانا دوسرے لوگ بمشکل کھا سکتے تھے، ایک مرتبہ عتبہ بن فرقد آپ کے ساتھ کھانے مین شریک ہوئے، ابلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے ان کے حلق سے نہ اترتے تھے حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم سے نہین کھایا جاتا تو نہ کھاؤ، عتبہ نے عرض کیا، امیر المومنین! اگر آپ اپنے کھانے پہننے مین کچھ زیادہ صرف کرین گے تو اس سے مسلمانون کے مال مین کچھ کمی نہ ہو جائیگی، فرمایا افسوس تم مجھے دنیاوی عیش و عشرت کی ترغیب دیتے ہو،[4]

اولیات | حضرت عمرؓ نے ہر صیغہ مین جو نئی باتین ایجاد کین مورخین انھین اولیات سے

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۴ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۳۵۰ [4] ایضاً ص ۳۴۴،

تعبیر کرتے ہین، ان کی فہرست یہ ہے (۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا (۲) عدالتین قائم کین، اور قاضی مقرر کئے (۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے (۴) امیرالمومنین کا لقب اختیار کیا (۵) فوجی دفتر ترتیب دیا (۶) والنٹیرون کی تنخواہین مقرر کین (۷) دفتر مال قائم کیا (۸) پیمائش کا طریقہ جاری کیا (۹) مردم شماری کرائی (۱۰) نہرین کھدوائین (۱۱) شہر آباد کرائے (۱۲) ممالک محروسہ کو صوبون مین تقسیم کیا (۱۳) عشور یعنی دہ یکی مقرر کی (۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا (۱۵) حربی تاجرون کو ملک مین آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی (۱۶) جیلخانہ قائم کیا (۱۷) درہ کا استعمال کیا، (۱۸) راتون کو گشت کر کے رعایا کا حال دریافت کرنے کا طریقہ نکالا (۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا (۲۰) فوجی چھاونیان قائم کین (۲۱) گھوڑون کی نسل مین اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو عرب مین نہ تھی، (۲۲) پرچہ نویس مقرر کئے، (۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافرون کے آرام کے لئے چوکیان اور سرائین بنوائین (۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچون کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے مقرر کئے (۲۵) قاعدہ بنایا کہ اہل عرب غلام نہین بنائے جا سکتے (۲۶) مفلوک الحال عیسائیون اور یہودیون کے روزینے مقرر کئے، (۲۷) مکاتب قائم کئے، (۲۸) معلمون اور مدرسون کے مشاہرے مقرر کئے، (۲۹) حضرت ابوبکرؓ سے باصرار کلام اللہ کی تدوین کرائی (۳۰) قیاس کا اصول قائم کیا، (۳۱) فرائض مین عول کا مسئلہ ایجاد کیا (۳۲) فجر کی اذان مین الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا، (۳۳) نماز تراویح جماعت سے قائم کی، (۳۴) تین طلاقون کو جو ایک ساتھ دی جائین بائن قرار دیا (۳۵) شراب کی حد اسی کوڑے مقرر کی (۳۶) تجارت کے گھوڑون پر زکوٰۃ مقرر کی (۳۷) بنی تغلب کے عیسائیون پر جزیہ کے بجائے زکوٰۃ مقرر کی

(۳۸) وقف کا طریقہ ایجاد کیا، (۳۹) نماز جنازہ مین چار تکبیرون پر اجماع کرایا (۴۰) مساجد مین وعظ کا طریقہ جاری کیا، (۴۱) اماموں اور موذنون کی تنخواہین مقرر کین، (۴۲) مسجدون مین روشنی کا انتظام کیا (۴۳) ہجو کہنے والے کے لئے تعزیر کی سزا مقرر کی، (۴۴) غزلیہ اشعار مین عورتون کے نام لینے سے منع کیا،[1]

---

[1] یہ اولیات طبری، تاریخ الخلفاء اور سیرۃ عمر ابن جوزی مین مذکور مین،

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

سنہ ۲۴ھ تا سنہ ۳۵ھ

مطابق سنہ ۶۴۵ تا سنہ ۶۵۵ء

ترجمہ عثمانؓ

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے، آپ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیون کی شادی ہوئی تھی، اس لئے آپ "ذوالنورین" کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں حضرت عثمانؓ قریش کی مشہور شاخ بنی امیہ سے تھے، پانچوین پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے، بنی امیہ کا خاندان زمانۂ جاہلیت سے نہایت معزز ومقتدر چلا آتا تھا، قریش کے خانوادون مین بنی ہاشم کے سوا کوئی ان کا مقابل نہ تھا، قریش کا مشہور عہدہ معقاب یعنی فوجی نشان کی علمداری اسی خاندان مین تھی، حضرت عثمانؓ کے مورث اعلی امیہ بن عبد شمس قریش کے بڑے دبدبہ وشکوہ کے رئیس تھے،

حضرت عثمانؓ ہجرت نبویؐ کے سینتالیس سال قبل پیدا ہوئے، بچپن کے حالات پردۂ خفا مین ہین، معاش کا ذریعہ تجارت تھا، اور اس مین اپنی دیانت اور راستبازی سے اتنی ترقی حاصل کرلی تھی، کہ قریش کے دولتمند ترین لوگون مین شمار تھا، اپنی ثروت کی وجہ سے غنی کے لقب سے پکارے جاتے تھے،

آپ کا چونتیسوان سال تھا، کہ اسلام کا ظہور ہوا، حضرت ابوبکرؓ سے حضرت عثمانؓ

کے نہایت گہرے تعلقات و روابط تھے، صدیق اکبرؓ کی تبلیغ نے انھیں اسلام کی طرف مائل کر دیا، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہو گئے،[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا عقد ان کے ساتھ کر دیا،

حضرت عثمانؓ کا خاندان یعنی بنی امیہ اسلام اور مسلمانون کے نہایت سخت دشمن تھے، ان کا غصہ غریب مسلمانون پر ٹوٹتا تھا، خود حضرت عثمانؓ کے چچا حکم اسلام کے بڑے دشمنون مین تھے، انھون نے اسلام کے جرم مین بھتیجے کو باندھ کر مارا، تمام اعزہ نے منھ موڑ لیا، کچھ دنون تک حضرت عثمانؓ ان کی زیادتیان برداشت کرتے رہے، پھر اذن ہجرت کے بعد اپنی اہلیہ حضرت رقیہؓ کو لے کر حبشہ چلے گئے، اور ہجرت اولیٰ مین اولیت کا شرف حاصل کیا، چند سال کے بعد قریش کے اسلام کی غلط خبر پاکر مکہ واپس آئے، ان کے اور ساتھی تو پھر حبشہ لوٹ گئے، مگر یہ مکہ مین مقیم ہو گئے، پھر چند دنون کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے،[2]

بیر رومہ کی خریداری

حضرت عثمانؓ نہایت دولتمند تھے، ان کی دولت سے اسلام اور مسلمانون کو بڑا فائدہ پہنچا، مدینہ مین میٹھے پانی کا صرف ایک کنوان رومہ تھا جو ایک یہودی کی ملک مین تھا، اس نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، غریب مسلمانون کو پانی کی سخت تکلیف تھی، حضرت عثمانؓ نے اس کو آٹھ ہزار مین خرید کر مسلمانون پر وقف کر دیا،[3]

مدینہ آنے کے بعد حضرت عثمانؓ تمام غزوات مین شریک ہوے تھے، بدر مین حضرت رقیہؓ کی علالت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ تم کو شرکت کا اجر اور غنیمت دونون کا حصہ ملے گا،[4] احد مین بھی شریک تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

۱ اصابہ ج ۸ تذکرہ سعدی بنت کریز و اسد الغابہ تذکرہ عثمانؓ ۲ ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۳۸ ۳ استیعاب ج ۲ ص ۴۸۸ ۴ بخاری مناقب عثمانؓ،

کی خبر شہادت نے بہت سے صحابہ کو ایسا از خود رفتہ کر دیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے، حضرت عثمانؓ بھی انہی میں تھے، ان کو اس کا سخت قلق تھا جب وحی الٰہی نے ان صحابہؓ کو بری قرار دیا، اس وقت آپ کو اطمینان ہوا، غزوۂ ذات الرقاع میں مدینہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا شرف حاصل ہوا[1]، غزوۂ حدیبیہ میں بھی ہمرکاب تھے، چنانچہ سفارت کی خدمت آپ ہی کے سپرد ہوئی تھی، اور آپ ہی کی خبر شہادت پر بیعتِ رضوان ہوئی تھی، جس کے حالات عہدِ رسالت میں گذر چکے ہیں، یہ وہ اعزاز ہے جو آپ کے سوا کسی صحابی کو حاصل نہیں ہوا، غزوۂ تبوک کے زمانہ میں عرب میں سخت قحط سالی تھی، عین ان حالات میں غزوۂ تبوک پیش آیا، تمام صاحبِ مقدرت صحابہ نے جنگی اخراجات کے لئے روپیہ دیا، حضرت عثمانؓ نے آدھی یا تہائی فوج کے اخراجات اپنے ذمہ لے لئے، اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے، اور ایک ہزار دینار نقد بطور سامانِ رسد کے پیش کئے، حضرت عثمانؓ کی اس خدمت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا اثر ہوا کہ آپ ان کی دی ہوئی اشرفیوں کو اچھالتے تھے، اور فرماتے تھے کہ آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا[2]، غرض عثمانؓ غنی کی جان اور ان کی ساری دولت اسلام کیلئے وقف تھی۔

خلافت اور فتوحات

عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے، اور اپنے مفید مشوروں سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتے تھے، ان کے خدماتِ اسلامی اور سابقیت فی الاسلام کی بنا پر حضرت عمرؓ نے وفات کے وقت ان چھ آدمیوں میں جنھیں آپ نے اپنے بعد خلافت

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۳۹ [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۲ و ترمذی مناقب عثمانؓ

کے لئے نامزد کیا تھا، ایک نام آپ کا بھی تھا، حضرت عمرؓ کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت مقدادؓ نے چھوون آدمیوں کو مسور بن مخرمہ کے گھر مین بٹھایا، مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، تیسرے دن حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے فرمایا کہ انتخاب کی صورت یہ ہے کہ چھ کی تعداد کو اور کم کردیا جائے، اور جو شخص جسے زیادہ اہل سمجھتا ہو اس کا نام پیش کرے، اس تجویز پر حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمنؓ کا نام پیش کیا لیکن آپنے اپنا نام واپس لے لیا، اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کا، اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کا نام پیش کیا، اس تحریک پر حضرت عبدالرحمنؓ نے فرمایا کہ صرف دو نام رہگئے ہین، ان دونون مین سے جو شخص کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور سنتِ شیخین پر عمل کرنے کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی، اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اگر آپ دونون حضرات اس کا فیصلہ میرے اوپر چھوڑ دین، تو زیادہ مناسب ہے، دونون رضی ہوگئے، ان سے اجازت لینے کے بعد انھون نے مسجدِ نبویؐ مین مسلمانون کو جمع کرکے ایک موثر تقریر کی، اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، آپ کی بیعت کے بعد حضرت علیؓ نے ہاتھ بڑھایا، آپکے بیعت کرتے ہی ساری خلقت ٹوٹ پڑی، بیعتِ عام کے بعد محرم ۲۴ھ مین حضرت عثمانؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے[۱]،

ابتدا مین کچھ دنون تک حضرت عثمانؓ نے فاروقی نظام مین کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا، صرف مغیرہ بن شعبہؓ کو حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق کوفہ کی ولایت سے معزول کرکے ان کی جگہ سعد بن ابی وقاصؓ کو مقرر کیا، اور تمام عہدیداران حکومت اور افسران فوج کے نام فرامین جاری کئے جنمیں عمال کو رعایا پروری کی ہدایت، جلبِ زر کی ممانعت، مسلمانو

[۱] ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۲ و ۴۳ یہ واقعات طبقات اور تاریخ کی تمام کتابون مین ہین،

اور ذمیون کے حقوق کی حفاظت، افسرانِ فوج کو فوجی نظام کی پابندی، تحصیلدارون کو واجبی محاصل سے زیادہ وصول کرنے کی ممانعت، امانت داری، یتیمون اور ذمیون کے مال مین انصاف و دیانت کی تاکید تھی، ان ہدایتون کے علاوہ عوام کے لئے بھی اس فرمان مین مفید ہدایات تھین، [1]

پہلا مقدمہ حضرت عثمانؓ کے تختِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد آپ کے سامنے سب سے پہلا مقدمہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبید اللہؓ کے قصاص کا پیش ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے قاتل ابو لولو نے آپ کو شہید کرنے کے بعد فوراً خودکشی کر لی تھی، لیکن بعض واقعات کی بنا پر عبید اللہ بن عمرؓ کو شک تھا کہ ابو لولو کے ساتھ دو آدمی اور جفینہ اور ہرمزان قتل کی سازش مین شریک تھے، انھون نے جوشِ غضب مین ان کو قتل کر دیا، بیعتِ خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا، آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے رائے دی کہ قصاص مین قتل کرنا چاہئے، لیکن دوسرے صحابہ نے مخالفت کی، کہ یہ کسی طرح مناسب نہین ہے کہ کل عمرؓ قتل ہو چکے ہین، اور آج ان کے لڑکے کو تلوار کے حوالہ کیا جائے، اس اختلافِ رائے پر آپ نے قصاص کی سزا کو دیت سے بدل دیا، اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا کی، [2]

اسکندریہ کی بغاوت مصر کا علاقہ اپنی زرخیزی کی وجہ سے رومی حکومت کا نہایت اہم حصہ تھا، اس لئے قیصر کو برابر اس کی واپسی کی فکر لگی ہوئی رہتی تھی، اسکندریہ مین رومیون کی بڑی تعداد آباد تھی، حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد سنہ ۲۵ھ مین قیصر نے انھین خفیہ بھڑکا کر بغاوت کرا دی، اور قسطنطنیہ سے جنگی بیڑہ مدد کے لئے بھیجا، لیکن عمرو بن العاصؓ نے فوراً پہنچکر رومیون

---

[1] ابن سعد مین یہ پورا فرمان منقول ہے [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۹ ،

کو نہایت فاش شکست دی، قبطی سابق مصالحت پر قائم تھے، انھون نے اس بغاوت مین حصہ نہ لیا تھا، اس لئے رومیون نے بھاگتے ہوئے انھین خوب لوٹا، بغاوت فرو ہونے کے بعد یہ لوگ عمرو بن العاصؓ کے پاس فریاد لے کر گئے، جہان تک مل سکا عمرو بن العاصؓ نے ان کا مال واپس کر دیا[1]، اس کے بعد آیندہ بغاوت کے خطرہ سے حفاظت کے لئے شہر پناہ مسمار کرادی،

آرمینیہ اور آذربیجان کی بغاوت اور بعض فتوحات

اسی سنہ مین آذربیجان اور آرمینیہ کے علاقے صلح توڑ کر باغی ہو گئے، حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ کو بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا، انھون نے فوجکشی کرکے آذربیجان کو مطیع بنایا، اور سلمان بن ربیعہ باہلی کو آرمینیہ بھیجا، ابھی یہ بر سر پیکار تھے کہ معلوم ہوا کہ ایشیاے کوچک مین رومیون نے بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے، یہ اطلاع پا کر یہ ادھر بڑھے اور راستہ مین کئی قلعے فتح کئے،

دوسری طرف حبیب بن مسلمہ نے قالیقلا کا محاصرہ کیا، یہان کے باشندون نے طاعت قبول کر لی، کچھ تو جزیہ دے کر یہین رہ گئے، اور کچھ جلا وطن ہو گئے،

اسی دوران مین ایشیاے کوچک کے بطریق اعظم نے اسی ہزار فوجین حبیب کے مقابلہ کے لئے بھیجین، حبیب نے انھین شکست دے کر ہر طرف فوجین پھیلادین اور بہت سے علاقون کو مطیع اور اران اور گرجستان کے بعض علاقون کو فتح کیا،

اسی سنہ مین امیر معاویہؓ نے ایشیاے کوچک پر فوجکشی کی، اور بروسہ تک بڑھتے چلے گئے، اور انطاکیہ اور طرطوس کے درمیان جس قدر قلعے تھے، سب مین اسلامی آبادیان قائم کر دین[2]، اسی سنہ مین عبداللہ بن ابی سرح والی مصر نے افریقیہ پر حملہ کے انتظامات کئے،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۱ [2] ایضاً ص ۳۲ و ۳۳، و فتوح البلدان بلاذری ص ۲۰۵ و ۲۰۶،

عمرو بن العاصؓ کی معزولی عمرو بن العاصؓ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے مصر کے والی تھے، اس کا ایک حصہ جو سعید مصر کہلاتا ہے، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق تھا، شعبہ خراج مین بھی ابن ابی سرح کے کچھ اختیارات تھے، اس دو عملی کی وجہ سے دونون بنتی نہ تھی، اور حضرت عثمانؓ سے ایک دوسرے کی شکایت کرتے تھے، ابن ابی سرح کو شکایت تھی، کہ عمرو بن العاص نے خراج کی رقم گھٹا دی، اور عمرو بن العاصؓ کہتے تھے کہ ابن ابی سرح نے فوجی قوت کمزور کردی، مصر کے خراج کی کمی کی شکایت حضرت عمرؓ کے زمانہ سے چلی آرہی تھی، حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاص سے اس مین اضافہ کا مطالبہ کیا، انھون نے صاف جواب دیدیا کہ اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہین دے سکتی، اس لئے حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کرکے ابن ابی سرح کو پورے صوبہ کا والی بنا دیا، انھون نے خراج کی آمدنی مین کافی اضافہ کیا، حضرت عثمانؓ نے عمروبن العاصؓ سے کہا، دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا، عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا، ہان لیکن بچے بھوکے رہ گئے[1]

طرابلس کی فتح عبداللہ بن ابی سرح نہایت حوصلہ مند نوجوان تھا، شمالی افریقہ کے خوش سواد علاقے طرابلس الغرب، تونس، مراکش اور الجزائر مصر کے ہم سرحد اور بالکل سامنے تھے، اور ۲۵ھ ہی سے اس پر عبداللہ کی نگاہین پڑی تھین، اور وہ اسی زمانہ مین اس کا جائزہ لینے کے لئے ایک سرسری چکر لگا آیا تھا، ۲۶ھ مین اس نے باقاعدہ شمالی افریقہ پر فوجکشی کی، اس کے طرابلس الغرب کے حدود مین داخل ہونے کے بعد یہان کا حاکم جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ مین آیا، دونون مین عرصہ تک جنگ ہوتی رہی، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، جب زیادہ عرصہ لگ گیا، تو حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ مدد کیلئے بھیجا، انکے آنے کے بعد بھی کچھ فیصلہ نہ ہو سکا، آخر مین حضرت عبداللہ

دبیر نے ایک دن فوج کا ایک حصہ ایک مقام پر چھوڑ دیا، اور ایک حصہ لے کر مقابلہ میں آئے، دن بھر نہایت شدت کی جنگ ہوتی رہی، آخر میں جب دونوں تھک کر الگ الگ ہو گئے، اس وقت وہ فوج جو آرام کر رہی تھی، دفعۃً پہنچ کر حملہ آور ہو گئی، طرابلسی بالکل چور ہو چکے تھے، اس لئے مزید مقابلہ نہ کر سکے، اور جرجیر نے پچیس ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی[1]، طرابلس کی فتح کے بعد تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ تمام علاقے آسانی کے ساتھ زیر نگین ہو گئے،

اسپین پر حملہ شمالی افریقہ کی تسخیر کے بعد بحر روم کا دروازہ کھل گیا، چنانچہ ۲۷ھ میں عبداللہ بن نافع نے اسپین پر حملہ کیا، لیکن اس وقت مستقل فوجکشی کا خیال نہ تھا، اس لئے صرف یورپ کا دروازہ کھٹکھٹا کر لوٹ آیا،

قبرص کی فتح امیر معاویہ عہد فاروقی سے صوبۂ دمشق کے والی تھے، حضرت عثمانؓ نے انھیں پورے شام کا والی بنا دیا تھا، انھوں نے طرابلس الشام، عموریہ اور ملطیہ وغیرہ فتح کئے، قبرص پر جو ساحل شام کے قریب ہی نہایت زرخیز اور شاداب جزیرہ ہے، فاروقی عہد سے امیر معاویہؓ کی نظر تھی، چنانچہ انھوں نے آپ سے اس پر فوجکشی کی اجازت بھی مانگی تھی، لیکن حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف تھے، اس لئے اجازت نہ دی، حضرت عثمانؓ نے بھی شروع میں احتیاط برتی، لیکن جب اس کا یقین ہو گیا کہ بحری جنگ میں کوئی خطرہ نہیں ہے تو اجازت دے دی، مگر یہ شرط کر دی کہ جو شخص بخوشی شرکت کرنا چاہے اسے شریک کیا جائے، کسی پر جبر نہ کیا جائے، اجازت ملنے کے بعد امیر معاویہؓ نے قبرص پر حملہ کیا، یہاں کے باشندے نہایت نرم خو تھے، جنگ وجدال سے گھبراتے تھے، اس لئے انھوں نے سات ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی، اس صلح میں یہ شرط تھی کہ مسلمان ان کی پوری حفاظت کریں گے،

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۳۵،

اور رومیون کے مقابلہ کے لئے اہل قبرص مسلمانون کو اپنے جزیرہ سے گذرنے دین گے، اور رومیون کے حالات کی مسلمانون کو خبر کرتے رہا کرین گے، کئی سال تک یہ صلح قائم رہی، لیکن ۳۲ھ مین اہل قبرص نے مسلمانون کے خلاف رومیون کو مدد دی، اس لئے امیر معاویہؓ نے دوبارہ فوجکشی کرکے قبرص کو اسلامی مقبوضات مین شامل کرلیا، اور یہان مسلمانون کی نوآبادی قائم کردی، [1]

حضرت ابوموسیٰ اشعری کی معزولی

۲۹ھ مین حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کی حکومت سے معزول کردیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے بصرہ مین ایک جماعت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے خلاف چلی آرہی تھی لیکن صولتِ فاروقی کی وجہ سے علانیہ مخالفت کی ہمت نہ پڑتی تھی حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین اس جماعت نے قوت حاصل کرلی، ہوسے اتفاق سے اسی زمانہ مین کردون نے بغاوت کی، ابوموسیٰؓ نے جہاد پر وعظ کہا، اور راہِ خدا مین پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کئے بہت سے لوگ آمادہ ہوگئے، لیکن ابوموسیٰؓ کی مخالف جماعت نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہیے، دیکھین ہمارا امیر کس شان سے چلتا ہے، اگر اس کا قول و فعل مطابق ہے تو ہم بھی پیادہ چلین گے، اتفاق سے حضرت ابوموسیٰؓ جس وقت روانہ ہوئے، ان کی سواری مین ایک عمدہ ترکی گھوڑا تھا، اور چالیس خچرون پران کا سامان بار تھا، ایک شخص نے بڑھکر باگ روک لی، اور کہا قول و فعل مین یہ اختلاف، اب ہم کو سواری دو اور خود پیدل چلنے کا ثواب حاصل کرو حضرت ابوموسیٰؓ نے ان کی یورش دیکھ کر کوڑا مارا، یہ لوگ شکایت لیکر حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے، اور ان سے ابوموسیٰؓ کی معزولی کا مطالبہ کیا، ان کے مطالبہ پر حضرت عثمانؓ نے ابوموسیٰؓ کو معزول کرکے عبداللہ بن عامر کو والی مقرر کیا، [2]

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۵۹ و ۱۶۰ و ابن اثیر ج ۳ ص ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۱۰۰، [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۴۷،

ایران کی بغاوت فارس پر مکمل قبضہ

عہدِ فاروقی کی فتوحات میں گذر چکا ہے کہ ایران کی فتح کے بعد یزدگرد ترکستان بھاگ گیا تھا، اس وقت سے وہ برابر ایران میں بغاوت کرانے کی سازشیں کرتا رہا، لیکن کامیابی نہ ہوئی، حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا، اور ۲۹ھ میں فارس اور کرمان سے لیکر خراسان تک سارے عجم میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے،

حضرت عثمانؓ نے فوراً اس کی طرف توجہ کی، اور عبید اللہ بن معمر کو فارس کی مہم پر مامور کیا، لیکن وہ ناکام ہو کر مارے گئے، ان کے قتل ہونے کے بعد عبد اللہ بن عامر والیِ بصرہ نے اس مہم کو سر کرنے کا بیڑا اٹھایا، اور بصرہ سے فارس پہنچا، اہلِ فارس نے پوری قوت اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا، لیکن ابن عامرؓ نے انھیں شکست دے کر فارس پر دوبارہ قبضہ کر لیا،

ولید بن عقبہ کی معزولی

۳۰ھ میں ایک سازش کے ماتحت جس کی تفصیل آیندہ کسی موقع پر آئے گی، ولید بن عقبہ والیِ کوفہ معزول کر دیے گئے، اور ان کی جگہ سعید بن العاص کا تقرر ہوا،

طبرستان کی فتح

اہلِ طبرستان نے عہدِ فاروقی میں صلح کر لی تھی، عجم کی بغاوت کے سلسلہ میں انھوں نے بھی صلح توڑ دی تھی، اس لئے ۳۰ھ میں سعید بن العاص نے طبرستان پر فوج کشی کی، حضرت امام حسنؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ متعدد صحابہ اس مہم میں شریک تھے، سعید بن عاص سیدھے جرجان پہنچے، یہاں کے باشندوں نے دو لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی، جرجان کے بعد پورے طبرستان کو فتح کیا،

خراسان

سعید کے ساتھ ہی عبد اللہ بن عامرؓ خراسان روانہ ہوئے تھے، راستہ سے انھوں نے مجاشع بن مسعود سلمی کو کرمان اور ربیع بن زیاد کو سجستان کی بغاوت فرو کرنے کیلئے

بھیجا، اور خود خراسان پہنچے، اور اس کے پورے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں، انھوں نے باخرز، جوین، بیہق وغیرہ فتح کیے، اور ابن عامر خواف، اسفرائن اور ارغیان پر قبضہ کرکے نیشاپور کا محاصرہ کرلیا، ایک مہینہ کے بعد نیشاپور کے مرزبان نے صلح کرلی، نیشاپور پر قبضہ کے بعد خراسان کے اور بڑے بڑے مقامات، نسا، سرخس اور ابیورد وغیرہ آسانی کے ساتھ قبضہ میں آگئے،

یزدگرد اس زمانہ میں مرو میں تھا، بغاوت فرو ہونے کے بعد مایوس ہوکر بھاگا، مسلمان عرصہ تک اس کا تعاقب کرتے رہے، مہینوں وہ ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا، آخر میں ایک دہقانی کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کی موت کے بعد ساسانی خاندان اور اسی کے ساتھ اس کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ ہوگیا،

طخارستان کی فتح | خراسان پر تسلط قائم ہوجانے کے بعد ابن عامر نے احنف بن قیس کو طخارستان بھیجا، انھیں دیکھ کر طالقان، جوزجان اور فاریاب وغیرہ قرب وجوار کے سارے علاقوں کے باشندے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے امنڈ آئے، لیکن احنف نے بڑی خونریز جنگ کے بعد ان سب کو شکست دی، کچھ شکست خوردہ فوجوں نے طالقان اور جوزجان میں اجتماع کیا، اس لئے احنف خود طالقان اور فاریاب کی طرف بڑھے، اور اقرع بن حابس کو دوسری سمت جوزجان بھیجا، انھوں نے جوزجان پہنچکر انھیں شکست دے کر جوزجان پر قبضہ کرلیا، اسی دوران میں احنف، طالقان اور فاریاب کو صلحاً مطیع کرکے بلخ کی طرف بڑھے، لیکن جیحون نہ پار کرسکے، ماوراء النہر کے بعض امراء نے ان کے پاس آکر اظہار اطاعت کیا، اور قیمتی ہدایا پیش کئے،

کرمان اور سجستان پر قبضہ | اوپر گذر چکا ہے کہ ابن عامر نے کرمان اور سجستان کی مہمیں علی الترتیب

مجاشع بن مسعود اور ربیع بن زیاد کے متعلق تھیں، چنانچہ مجاشع نے اسی سنہ مین کرمان کے شہر سیرجان پر قبضہ کرکے یہان کی شورش پسند آبادی کو نکال دیا، یہان سے نکل کر یہ لوگ قفص مین جمع ہوئے، مجاشع نے قفص جاکر بھی انھین شکست دی، اور کرمان کے علاقہ پر قبضہ ہوگیا،

دوسری طرف ربیع بن زیاد سجستان کی طرف بڑھے، اور چھوٹی چھوٹی آبادیون کو مطیع کرتے ہوئے سجستان کے صدر مقام زرنج پہنچے، یہان کے باشندون نے مقابلہ کیا اور شکست کھاکر قلعہ بند ہوگئے، ربیع نے محاصرہ کرلیا، آخر مین یہان کے مرزبان نے محاصرہ سے گھبراکر صلح کرلی، اور مسلمان شہر مین داخل ہوگئے، زرنج پر قبضہ کے بعد ربیع ایک سال تک یہان مقیم رہے، پھر اپنا ایک نائب چھوڑ کر ابن عامر کے پاس لوٹ گئے، ان کی واپسی کے بعد زرنج کے باشندے ان کے نائب کو نکال کر پھر باغی ہوگئے، اس مرتبہ ابن عامر نے عبد الرحمن بن سمرہ کو بھیجا، انھون نے پہنچتے ہی زرنج کا محاصرہ کرلیا، مرزبان نے پھر سپر ڈال کر صلح کرلی،

کش اور دوار کی فتوحات عبد الرحمن بڑے وصلہ مند تھے، سجستان کو قابو مین لانے کے بعد کابل کی سمت فوجین بڑھا دین، اور زرنج سے لے کر دوار کے علاقہ تک قبضہ کرلیا، دوار کے باشندے کوہ رور مین جمع ہوئے، عبد الرحمن نے انھین گھیر لیا، ان لوگون میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لئے صلح کرلی، اس پہاڑ پر ٹھوس سونے کا ایک بت نصب تھا، اس کی آنکھین یاقوت کی تھین، عبد الرحمن نے اس کے ہاتھ کاٹ کر آنکھین نکال لین، پھر مرزبان کو یہ کہہ کر واپس کردیا، کہ "مجھے اس کی ضرورت نہ تھی، صرف یہ دکھانا تھا کہ بت کچھ نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے":

غزنہ کی فتح

اب زابلستان یعنی غزنہ کا علاقہ سامنے تھا، کوہ روز کے بعد عبد الرحمن نے ادھر کا رخ کیا، اور غزنہ سے لے کر کابل تک کا علاقہ فتح کر لیا،

یہ تمام فتوحات ابن عامر کی امارت کے زمانہ میں ہوئی تھیں، ان کی تکمیل کے بعد وہ ان کے شکرانہ میں حج کو روانہ ہو گئے،[1]

سواحل شام پر رومیوں کا حملہ

اگرچہ مسلمانوں نے رومیوں کو پیہم شکستیں دے کر ان کی قوت بہت کمزور کر دی تھی، لیکن ہاتھوں سے نکلے ہوئے ملک کا غم ان کے دل سے نہ بھولتا تھا، چنانچہ آخری آزمائش کے لیے ۳۱ھ میں قیصر روم نے پانچ سو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ سواحل شام پر ہجوم کیا، امیر معاویہؓ اور عبید اللہ بن ابی سرح نے نہایت کامیاب مدافعت کی اور رومیوں کو نہایت فاش شکست دی اور وہ باحالِ تباہ قسطنطنیہ لوٹ گئے،

متفرق فتوحات

ان اہم معرکوں اور فتوحات کے علاوہ عہدِ عثمانی میں اور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں اور فتحیں بھی حاصل ہوئیں، ۳۲ھ میں امیر معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا، اور ۳۳ھ میں اناطولیہ کے قلعہ حصن المراۃ پر قبضہ کیا، ۳۱ھ میں افریقہ میں بڑی زبردست بغاوت ہوئی، لیکن عبد اللہ نے پوری مستعدی سے فرو کر دی، غرض دس سال کے عرصہ میں اسلامی حکومت کے حدود ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے ساحل اور یورپ کے صدر دروازہ تک وسیع ہو گئے،

---

[1] یہ تمام حالات طبری اور ابن اثیر اور فتوح البلدان بلاذری سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

انقلاب اور حضرت عثمانؓ کی شہادت

دورِ عثمانی کے ابتدائی پانچ چھ سال نہایت امن و سکون سے گذرے، فتوحات کی وسعت، مالِ غنیمت کی فراوانی، محاصل و خراج کی زیادتی، وظائف کی کثرت اور زراعت و تجارت کی ترقی نے ملک کو فارغ البالی اور عیش و تنعم کے سامانون سے معمور کر دیا، اس کے ساتھ ساتھ اس کے لوازم و نتائج بغض و حسد اور رشک و رقابت کا قدم بھی آیا، اور ان اندرونی تغیرات اور بیرونی اسباب نے مل کر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسا انقلاب برپا کیا، جس نے نظامِ خلافت کو درہم برہم کر دیا، اس انقلاب کے خارجی اسباب حسبِ ذیل تھے:۔

(۱) کبار صحابہ جو اسلام کے سچے خدمتگذار اور شیدائی تھے، اٹھتے جاتے تھے، اور ان کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی تھی، بہت سے بزرگ ضعفِ پیری کی وجہ سے عملی کامون مین حصہ لینے کے قابل نہ رہ گئے تھے، ان کی جگہ نئی نسل لے رہی تھی، جن مین ان کے اسلاف کے جیسا خلوص و ولولہ تو کجا مال و دولت کی فراوانی نے ان مین رشک و حسد کا مادہ پیدا کر دیا تھا،

(۲) حضرت عمرؓ بڑے عاقبت اندیش تھے، انھون نے اپنے زمانہ مین اکابر قریش کو جن کے دل مین خلافت کا خیال پیدا ہو سکتا تھا، مدینہ کے باہر نہین نکلنے دیا، حضرت عثمانؓ نے یہ قید اٹھا دی، یہ لوگ مدینہ سے باہر نکلے تو خاندانِ رسالت کے تعلق سے لوگون نے

انھین ہاتھون ہاتھ لیا، اور وہ بڑی بڑی جاگیردن کے مالک بن گئے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انھین بھی اپنی جلالتِ شان کا احساس پیدا ہو گیا، اور مفتوحہ اقوام نے ان مین خلافت کے جذبات پیدا کر دئے،

(۳) اسلام نے جن اقوام و مذاہب کو مغلوب کیا تھا، ان مین مخفی مگر نہایت سخت منتقمانہ جذبات موجود تھے، انھون نے خلافت کو درہم برہم کرنے کے لئے سازش کا نہایت وسیع جال بچھا دیا،

(۴) قریش اپنے خاندانی اعزاز کی وجہ سے اپنے کو عام عربون سے بلند سمجھتے تھے، انھین بڑی بڑی جاگیرین ملی تھین، ان کے اس غرور و امتیاز کو وہ قومین جن کی تلوارین ملکون کے فتح کرنے مین برابر کی شریک تھین، ناپسند کرتی تھین،

(۵) بنی ہاشم خلافت کو اپنا موروثی حق سمجھتے تھے، ان مین اور بنی امیہ مین قدیم چشمک تھی جو عہدِ نبوی مین دب گئی تھی، اس کے بعد پھر ابھر آئی،

(۶) حضرت عثمانؓ بڑے نرم خو اور کنبہ پرور تھے، اپنی جیب خاص سے بنی امیہ کی بڑی مدد کرتے تھے، اسی کنبہ پروری مین اپنے بہت سے عزیزون کو جن مین حکومت کی اہلیت نہ تھی، یا آپ کو ان کا تجربہ نہ تھا، حکومت کے ذمہ دار عہدون پر ممتاز کر دیا تھا، ان کی بے عنوانیون پر لوگون کو نکتہ چینی کا موقع مل گیا،

(۷) اپنی فطری نرمی کی وجہ سے حضرت عثمانؓ معمولی بے عنوانیون سے چشم پوشی کر جاتے تھے، اس لئے ناتجربہ کار اموی عمال کی بے عنوانیان بڑھتی گئین، اور حضرت عثمانؓ کے مخالفون کو اعتراض کا موقع مل گیا، اور قریش کے ان نوجوانون نے جنھین آپ سے کوئی فائدہ نہ پہنچا تھا، برملا نکتہ چینی شروع کر دی، اور آپ کی کنبہ پروری کو نہایت بدنما شکل

مین مشہور کرنا شروع کر دیا جس کا دوسرون پر نہایت ناگوار اثر پڑا،

ان حالات کی وجہ سے یہودیون اور مجوسیون کو جن کی حکومت اور جن کے مذہبی وقار کو اسلام نے مٹایا تھا، بدلہ لینے کا موقع مل گیا، چنانچہ اس انقلاب کی اصل بانی یہی دونون قومین تھین،

عبد اللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی

ان مخالفین مین سب سے بڑا فتنہ انگیز بلکہ دشمنِ اسلام ایک بظاہر نومسلم لیکن منافق یہودی عبد اللہ بن سبا تھا، اسلام نے سب سے زیادہ صدمہ یہودیون کے مذہبی وقار کو پہنچایا تھا، اس لئے وہ اسلام اور مسلمانون کے سب سے بڑے دشمن تھے، اور عہدِ نبوی ہی سے اس کی بیخکنی کے درپے تھے، لیکن عہد فاروقی تک ان کو اس مین کامیابی نہ ہوئی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین جب نظامِ خلافت مین وہ استواری باقی نہ رہ گئی، اور اموی عمال کی بعض بے عنوانیون اور دوسرے مختلف اسباب کی بنا پر جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، حضرت عثمانؓ کے خلاف نکتہ چینی شروع ہوئی، اس وقت عبد اللہ بن سبا کو یہودیون کی پرانی عداوت نکالنے کا موقع مل گیا، یہ بڑا ذہین طباع اور سازشی دماغ رکھتا تھا، چونکہ یہودی مذہب پر قائم رہ کر وہ اپنے مقصد مین کامیاب نہین ہوسکتا تھا اس لئے اس نے اسلام کا لباس پہنکر حضرت عثمانؓ بلکہ درحقیقت اسلام کے خلاف ایک وسیع سازش شروع کر دی،

بنی امیہ اور بنی ہاشم مین پرانی چشمک چلی آرہی تھی، گو اسلام نے اس کو دبا دیا تھا لیکن وہ دلون سے مٹی نہ تھی، ابن سبا نے سب سے پہلے اسے ابھارا اور محبِ اہلِ بیت کے لباس مین ان کی حمایت کے ساتھ ساتھ خلفاے ثلاثہ خصوصاً حضرت عثمانؓ اور بنی امیہ کے خلاف پروپگنڈا شروع کر دیا، اور سادہ لوح مسلمانون کو پھنسانے اور ان میں تفرقہ

پیدا کرنے کے لئے ان کے صاف وسادہ عقائد میں خرافات شامل کردئے، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح ایک دن اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی حضرت علیؓ ہیں، رسول کی وصیت کو پورا نہ کرنے والے ظالم ہیں، حضرت عثمانؓ نے ظلم سے خلافت حاصل کی ہے وغیر ذٰلک من الخرافات،

تفریق کا یہ بیج بونے کے بعد اس نے نظام خلافت کو درہم برہم کرنے کے لئے حسب ذیل طریقے اختیار کئے،

(۱) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پر فریب لباس میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا،

(۲) عثمانی عمال کو ہر ممکن طریقہ سے بدنام کرنا،

(۳) حضرت عثمانؓ کی کنبہ پروری کی داستان کو مشہور کرنا،

اس سازش کا جال اس نے تمام اسلامی مرکزوں میں بچھا دیا، اور ہر جگہ دعاۃ ومبلغین خط وکتابت کے ذریعہ سے ایسا وسیع اور منظم پروپیگنڈا کیا کہ چند ہی دنوں میں سارے ملک کی فضا خراب ہوگئی،[۱]

ابن سبا کی کامیابی کے اسباب

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، مختلف اسباب اور مختلف اغراض کی بنا پر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایک جماعت پہلے سے موجود تھی، اسے حضرت عثمانؓ کو نشانۂ ملامت بنانے کے لئے ایک بہانہ ملنا چاہئے تھا اسلئے اس جماعت میں ابن سبا کی دعوت بہت کامیاب ہوئی،

یہودیوں کے بعد مسلمانوں کے دوسرے دشمن اہل عجم تھے، جن کی حکومت انھوں نے

[۱] طبری ص ۲۹۴۲،

مٹائی تھی، ان کی فطرت مین شاہ پرستی تھی، ابن سبا اہل بیت کے داعی کے لباس مین تھا، اس لئے سرزمین عجم مین اس کی تحریک کو بڑا فروغ ہوا، گو عجمیون کا نقطۂ نظر اس سے مختلف تھا، ابن سبا کا مقصد مسلمانون کا شیرازہ درہم برہم کرنا تھا، اور اہل عجم چاہتے تھے کہ اسلامی خلافت ایسے موروثی قالب مین ڈھل جائے، کہ ان کی خدمات یعنی حمایت اہلبیت کے صلہ مین ان کو حکومت مین زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل ہوجائین، اس لئے عراق وغیرہ مین ابن سبا کی تحریک زیادہ بارآور ہوئی،

ان طبقون کے علاوہ بعض مخلص مسلمان بھی اس کے فریب مین اس طرح آگئے کہ بعض نوجوان عثمانی عمال مین جو عہد سعادت کے فیض تربیت سے محروم تھے صحابۂ کرام کے جیسا اخلاص و تدین نہ تھا، پھر حضرت عثمانؓ مین فاروقی صولت نہ تھی، جس سے بڑے بڑے مدبرین تھراتے تھے، بلکہ آپ فطرۃً نہایت نرم خو، حلیم الطبع اور متحمل مزاج تھے، آپ مین عفو و درگذر کا مادہ زیادہ تھا، اس لئے آپ کے عمال سے جو بے عنوانیان سرزد ہوتی تھین، گو علم کے بعد آپ ان کا پورا تدارک کرتے تھے، لیکن کبھی کبھی چشم پوشی بھی کرجاتے تھے، دونون صورتون مین مخالفین کو بدنام کرنے کا ہر حال موقع مل جاتا تھا، اس لئے بعض مخلص اور خیرخواہ خلافت مگر سادہ مزاج بزرگون کے دلون مین بھی شکوک پیدا ہوگئے،

ابن سبا نے دعاۃ کے ذریعہ اور تحریری پروپیگنڈہ کے علاوہ خود عراق اور مصر وغیرہ مین جاکر خفیہ جماعتین قائم کین، سب سے اول ۳۳ھ مین عبداللہ بن عامر والی بصرہ کو اس کی سازش کا علم ہوا، انھون نے اس کو اپنے یہان سے نکالا، یہان سے نکل کر وہ کوفہ پہنچا، کوفہ سے بھی نکالا گیا، تو آخر مین مصر کو اپنا مستقر بنایا[1]،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۵۵،

غرض مذکورہ اسباب کی بنا پر قریب قریب ہر جگہ ابن سبا اور کے پروپیگنڈے کا کچھ نہ کچھ اثر پڑا، خصوصاً عراق جسمیں مختلف قوموں کی مخلوط آبادی کی وجہ سے شر و فساد کی فطری صلاحیت تھی، اس فتنہ کا مرکز بن گیا، چنانچہ کوفہ اور بصرہ میں علانیہ حضرت عثمانؓ کے مخالف پیدا ہو گئے۔

کوفہ میں مخالفت

کوفہ میں انقلاب پسندوں کے سرغنہ اشتر نخعی، جندب بن کعب، ابن ذی الحبکہ، صعصعہ، ابن الکوار کمیل اور عمیر بن صابی تھے، ان کا کام حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنا تھا، یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر فتنہ انگیزی کرتے تھے، ان کی آئے دن کی فتنہ انگیزیوں سے تنگ آکر سعید بن العاص اور اشراف کوفہ نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ کوفہ کو ان کے شر سے بچانے کے لئے انھیں یہاں سے نکال دیا جائے، آپ نے قیام امن کے خیال سے ان لوگوں کو امیر معاویہؓ کے پاس شام بھیجدیا، اور لکھا کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی کرتے ہیں ان کی اصلاح کی کوشش کرو، اگر باز نہ آئیں تو میرے پاس بھیجدو،[1]

حضرت عثمانؓ کے خلاف پہلا عملی اقدام

حضرت عثمانؓ اور آپ کے عمال کے خلاف نکتہ چینی تو عرصہ سے شروع ہو گئی تھی، لیکن کسی کو آپ کے خلاف اٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، سبائیوں کی قوت مضبوط ہونے کے بعد سب سے اول ۳۳ھ میں کوفہ کے ایک انقلابی یزید بن قیس نے اس کی جرأت کی، اور سبائیوں کو لے کر حضرت عثمانؓ سے دست برداری کا مطالبہ کرنے کے لئے مدینہ چلا، لیکن قعقاع بن عمرو نے پکڑ لیا، گرفتار ہو جانے کے بعد اس نے کہا میں صرف سعید بن العاص والی کا تبادلہ چاہتا ہوں، اس لئے قعقاع نے چھوڑ دیا، اور یزید نے خط لکھ کر کوفہ کے سب سے بڑے سرغنہ اشتر نخعی کو بلا لیا، اس کے کوفہ پہنچنے کے بعد یہاں شورش شروع ہو گئی، اشتر نخعی نے سعید بن العاص کے ایک غلام

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۵۳،

کو قتل کر دیا، سعید نے جب دیکھا کہ مفسدین نے فتنہ انگیزی کے لئے ان کی معزولی کو آڑ بنایا ہے تو انھوں نے خود جا کر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ وہ لوگ میرے بجائے ابو موسیٰ اشعریؓ کو چاہتے ہیں، حضرت عثمانؓ امن وامان کے خواہان تھے، اس لئے سعید کو معزول کر کے ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو مقرر کر دیا، اور اہل کوفہ کو لکھا کہ میں نے سعید کو معزول کر کے جس کو تم چاہتے تھے اس کو مقرر کر دیا ہے، خدا کی قسم میں تم سے اپنی آبرو بچاؤں گا، تمہارے مقابلہ میں صبر سے کام لوں گا، اور تمہاری اصلاح میں پوری کوشش صرف کر دوں گا۔[1]

عمال سے حضرت عثمانؓ کا مشورہ

لیکن مفسدین کی اصل غرض انقلاب برپا کرنا تھا، اور کوفہ، بصرہ سارے عراق میں یہی حال تھا، اس لئے کوئی اصلاح کارگر نہ ہو سکتی تھی، جب ہر طرف سے اسی قسم کی خبریں آنے لگیں تو حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ، عبداللہ بن سعد، سعید بن العاص، عبداللہ بن عامر اور عمرو بن العاص وغیرہ تمام ذمہ دار لوگوں کو بلا کر ان سے موجودہ صورت حال کی اصلاح کے متعلق مشورہ کیا،

عبداللہ بن عامر نے کہا، لوگوں کو جہاد میں لگا دیجئے، اس کی مشغولیت میں ان سب کی توجہ دوسری طرف بٹ جائے گی،

سعید بن العاص نے رائے دی کہ شورش چند لوگوں کی وجہ سے ہے، اگر ان کے سرغنہ پکڑ کے قتل کر دئے جائیں، تو مفسدین کا شیرازہ خود بکھر جائے گا، امیر معاویہؓ نے کہا کہ ہر حاکم اپنے اپنے صوبہ میں امن وامان کا ذمہ دار قرار دیا جائے، شام کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، عبداللہ بن سعد نے رائے دی کہ یہ سب بندۂ زر ہیں، روپیہ دیکر ان کا منہ بند کر دو،

عمرو بن العاصؓ بولے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ لوگوں کے منشا کے خلاف

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۵۷،

کام کرتے ہین، عدل و انصاف سے کام لیجے، یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجے، ورنہ پھر ہمت کرکے جو دل مین آئے کیجے،

حضرت عثمانؓ نے متعجب ہو کر ان سے پوچھا تمھارا میری نسبت یہ خیال ہے؟ عمرو خاموش رہے جب لوگ چلے گئے تو کہا امیرالمومنین، مین نے جو کچھ کہا تھا، وہ در اصل میرا خیال نہین ہے، آپ کی ذات اس سے بلند ہے، یہ مین نے اس مصلحت کی بنا پر کہا تھا کہ مخالفین پس پردہ ہماری گفتگو کے تجسس مین تھے، اس لیے مین نے یہ باتین کہین تاکہ وہ لوگ مجھے اپنا ہمخیال سمجھکر راز دار بنائین، اور مجھے آپ کو ان کے شر سے بچانے کا موقع ملے،[1]

حضرت علیؓ کا مشورہ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، عثمانی عمال کی بعض بے عنوانیون کی وجہ سے بعض صحابہ کو بھی ان سے شکایات تھین، لیکن ان کا مقصد صرف عمال کی اصلاح تھا، چنانچہ جب حضرت عثمانؓ کے خلاف زیادہ شورش بڑھی تو صحابۂ کرام نے اصلاح کے لئے قدم اٹھایا، اور حضرت زید بن ثابتؓ انصاری، ابو اسیدؓ ساعدی، کعب بن مالکؓ اور حسان بن ثابتؓ نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے پاس صورت حال پر گفتگو کرنے کے لئے بھیجا، انھون نے جا کر کہا کہ مجھے لوگون نے آپکے پاس گفتگو کرنے کے لئے بھیجا ہے، لیکن میری سمجھ مین نہیں آتا کہ مین آپ سے کیا کہون، آپ خود کسی چیز سے ناواقف نہین ہین، جو کچھ مین جانتا ہون، وہ آپ بھی جانتے ہین، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، آپ کی صحبت اٹھائی ہے، آپ کی باتین سنی ہین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز قریب ہین، ان کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے، جو ابن ابی قحافہ اور ابن خطاب

---

[1] طبری ص ٢٩٣٢، ٢٩٣٣،

کو بھی حاصل نہیں تھا، کسی امر میں ان کو آپ پر تقدم حاصل نہیں ہے، اس لئے آپ ان سے زیادہ عمل بالحق کے مستحق ہیں، اس خوش آیند طریقہ سے حضرت علیؓ نے اپنے خیالات پیش کئے، اور اصلاحِ حال کے متعلق مفید مشورے دیے، حضرت عثمانؓ نے ان کا مناسب جواب دیا، اور عام مسلمانوں کے سامنے مسجد میں موجودہ حالات کے متعلق تقریر کی[1]

تحقیقاتی کمیشن | اس گفتگو کے بعد ۳۵ھ میں اہل مدینہ کے مشورہ سے حضرت عثمانؓ نے اکابر صحابہؓ کا ایک کمیشن مقرر کیا، کہ وہ ملک کا دورہ اور موجودہ حالات کی تحقیقات کرکے اپنی رپورٹ پیش کرے، چنانچہ علی الترتیب کوفہ، بصرہ، مصر اور شام کی تحقیقات محمد بن مسلمہ، اسامہ بن زید، عمار بن یاسر اور عبد اللہ بن عمرؓ کے متعلق ہوئی،

ان بزرگوں نے یہاں کے اکابر اور عوام سے مل کر حالات کی تحقیقات کی اور حضرت عمار بن یاسر کے علاوہ سب نے بالاتفاق یہ بیان دیا کہ ما انکرنا شیئا ولا انکرہ اعلام المسلمین ولا عوامھم۔ یعنی ہم نے اور ان مقامات کے سربرآوردہ اور عام مسلمانوں نے تحقیقات کی، انھوں نے کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں پائی، حضرت عمار بن یاسر سادہ دل بزرگ تھے، وہ سبائیوں کے دامِ فریب میں مبتلا ہو گئے، استمالھم قوم بمصر وقد انقطعوا الیہ منھم عبد اللہ بن السوداء وخالد بن ملجم وغیرھم۔ یعنی لوگوں نے (سبائی) مصر میں انھیں پھسلا لیا، اور عبد اللہ ابن السوداء اور خالد بن ملجم وغیرہ ان کے ساتھ ہو گئے[2]،

اعلان عام | حضرت عثمانؓ نے تنہا اس تحقیقات پر بس نہیں کیا، بلکہ تمام ممالکِ محروسہ میں اعلان عام کر دیا کہ "میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کرونگا،

[1] طبری اور ابن اثیر میں اس گفتگو کی پوری تفصیل ہے، طبری ص ۲۹۳۷، ۲۹۳۰ [2] ایضاً ص ۲۹۴۲ و ۲۹۴۳

جب سے خلافت کی ذمہ داری میرے متعلق ہوئی ہے، اس وقت سے مین نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنایا ہے، اور میرے یا میرے عمال کے پاس جو معاملات پہنچائے جاتے ہین ان کا تدارک کرتا ہون، رعایا کے اسی مال مین میرا اور میرے اہل وعیال کا حق ہے، جو اس کے مصارف سے بچ رہے جس کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرکے مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق حاصل کرے یا صدقہ کردے کہ خدا صدقہ کرنے والون کو دوست رکھتا ہے،

یہ اعلان ایسا موثر تھا کہ سارے مسلمان اسے پڑھ کر رو دئے، اور حضرت عثمانؓ کے حق مین دعا کی[1]،

عمال کی طلبی اس اعلان کے ساتھ ہی آپ نے تمام عمال کو حج کے موقع پر طلب کیا، امیر معاویہؓ، عبداللہ بن عامر وغیرہ تمام بڑے بڑے عمال حاضر ہوئے، آپ نے ان سے پوچھا یہ شکایتین اور افواہین کیسی سننے مین آتی ہین، خدا کی قسم مجھے خوف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پورے کرنے والے تم ہی لوگ نہ ہو، ان لوگون نے جواب دیا کہ آپ خود ان کی افواہون کی تحقیقات کرا چکے ہیں، اور تحقیق کرنے والون کا بیان بھی آپ کے سامنے ہو چکا ہے، کہ ان کے سامنے کسی نے کوئی شکایت نہین پیش کی، یہ تمام افواہین بے بنیاد ہین، ان کی کوئی اصل نہین، محض افواہ اور شہرت عام پر مواخذہ کرنا جائز نہین ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو مجھے مشورہ دو کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے، سعید بن العاص نے کہا کہ یہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے، اس کا علاج صرف یہ ہے کہ سازش کرنے والون کو پکڑ کے قتل کردیا جائے، عبداللہ بن سعد نے مشورہ دیا کہ

[1] طبری ص ۲۹۴۳ و ۲۹۴۴،

عجب آپ لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں تو آپ ان سے بھی ان کے فرائض کا مطالبہ کیجیے، امیر معاویہؓ نے کہا میرے رقبہ حکومت میں سب امن وامان ہے، وہاں آپ کو کسی فتنہ کی خبر نہ ملے گی، عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ آپ نرمی سے زیادہ کام لیتے ہیں لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں، عمرؓ سے زیادہ لوگوں کو دیتے ہیں، ابوبکرؓ وعمرؓ کے طریقہ کو اختیار کیجیے سختی کے موقع پر سختی کیجیے، اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجیے،

یہ مشورہ سن کر پیکر حلم وعفو نے جواب دیا کہ ہر ہونے والے واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ آتا ہے، اس امت کے لیے جس حادثہ کا خوف ہے وہ آکر رہے گا، اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے، تو وہ بزور کھول دیا جائے گا، لیکن میں اس کو نرمی سے بند کروں گا، البتہ حدود اللہ میں نرمی نہ برتوں گا، اگر یہ دروازہ بزور کھولا گیا تو مجھ پر کسی کی حجت باقی نہ رہ جائے گی، خدا جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بھلائی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، فتنہ کی چکی چلنے والی ہے، اگر عثمان اس حالت میں مرگیا کہ اس نے اس چکی کو حرکت نہیں دی تو اس کے لیے بشارت ہے، تم لوگ لوگوں میں سکون پیدا کرو، ان کے حقوق پورے کرو، خدا کے حقوق میں کسی قسم کی مداہنت نہ کرو،[1]

غرض آپ نے فتنہ رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن یہ تباہ کن فتنہ شمع خلافت کو بجھا کر رہا، اس حادثہ عظمیٰ کے حالات لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے ان اعتراضات پر ایک نظر ڈال لی جائے جن کی بنا پر حضرت عثمانؓ کو مورد طعن بنایا جاتا ہے،

مخالفین کے اعتراضات اور اس کی حقیقت

حامیان انقلاب کی جانب سے جو اعتراضات حضرت عثمانؓ کے خلاف کیے جاتے تھے، وہ یہ ہیں:۔

---

[1] طبری ص ۲۹۴۵ تا ۲۹۴۶،

(۱) کبار صحابہ کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا، مثلاً مغیرہ بن شعبہ، ابو موسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ ابن ارقم اور عمرو بن العاص کو ان کے عہدوں سے برطرف کیا گیا،

(۲) بعض اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوذر غفاری، عمار بن یاسر اور عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا،

(۳) بیت المال کا روپیہ بیجا طور سے صرف کیا، اور اپنے اعزہ کو بڑی بڑی رقمیں دیں، مثلاً مروان کو طرابلس کے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ دیدیا، عبد اللہ بن ابی سرح کو خمس کا پانچواں حصہ عطا کیا، عبد اللہ بن خالد کو پچاس ہزار دئے،

(۴) بقیع کی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کر لیا، اور عام لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا،

(۵) اموی عمال کی بے عنوانیوں کا کوئی تدارک نہیں کیا،

(۶) حدود کے اجراء میں تغافل برتا،

(۷) ایک مصحف کے علاوہ باقی مصاحف جلا ڈالے،

(۸) بعض نئی بدعتیں جاری کیں، مثلاً سنتِ رسول اور سنتِ شیخین کے خلاف منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعت نماز پڑھی،

(۹) فرائض میں تمام امت کے خلاف روایاتِ شاذہ پر عمل کیا، حالانکہ شیخین پوری تحقیق کے بغیر روایتوں کو قبول نہ کرتے تھے،

(۱۰) حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا مدینہ بلا لیا،

(۱۱) مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی،

یہ وہ اعتراضات ہیں جو حضرت عثمانؓ کے مخالفین کی جانب سے آپ کے اوپر کئے جاتے ہیں، لیکن ان میں سے بعض تو بالکل غلط ہیں، بعض میں واقعات کو مسخ کرکے بدنما شکل میں پیش کیا گیا ہے، اور بعض غلط فہمی کا نتیجہ ہیں، ان کی اصل حقیقت یہ ہے:۔

(۱) پہلے اعتراض کے دو حصے ہیں، ایک یہ کہ اکابر صحابہؓ کو معزول کیا، دوسرے یہ کہ ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا، لیکن ان میں سے ایک بات بھی قابلِ اعتراض نہیں، اگر کسی صحابی کی معزولی کے معقول اسباب ہوں تو اس کا معزول کرنا کوئی جرم نہیں، حضرت عمرؓ نے جن کا عدل و تدبر مسلم ہے، خالدؓ سیف اللہ کو معزول کردیا، اور مغیرہ بنؓ شعبہ جیسے مدبر کی معزولی کی وصیت کرتے گئے،

حضرت عثمانؓ نے جن صحابہ کو معزول کیا، ان کی معزولی کے معقول اسباب موجود تھے، حضرت مغیرہ بنؓ شعبہ کی معزولی کے متعلق حضرت عمرؓ کی وصیت تھی[1]، ابو موسیٰ اشعریؓ کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ بصرہ کی رعایا ان کے خلاف ہوگئی تھی، اور حضرت عثمانؓ سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا تھا[2]، پھر بصرہ سے معزولی کے چند برسوں کے بعد ان کو کوفہ کا والی بنادیا[3]، سعد بنؓ ابی وقاص کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے بیت المال سے ایک رقم قرض لی تھی جس کو نہ ادا کرسکے، مہتمم بیت المال حضرت عبداللہ ابنؓ مسعود کے تقاضے پر سخت کلامی کی نوبت پہنچ گئی[4]، حضرت عبداللہ بنؓ مسعود کو ضعف پیری کی وجہ سے معزول کیا تھا، جس کی تصریح عزل کے وقت کردی تھی، پھر ان کی جگہ ایک صحابی ہی حضرت زید بن ثابت کا تقرر کیا[5]، عمرو بنؓ العاص کی معزولی کا سبب اوپر گذر چکا ہے، کہ مصر جیسے زرخیز ملک کے خراج کی آمدنی برابر گھٹتی جاتی تھی حضرت عثمانؓ

[1] طبری ص ۲۸۰۲ [2] ایضاً ص ۲۸۲۰ [3] ایضاً ص ۲۹۳۰ [4] ایضاً ص ۲۸۱۱ [5] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۴۳

کے حکم پر بھی عمرو بن العاص نے اضافہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی، درآنحالیکہ اس کی گنجائش موجود تھی، چنانچہ ان کے جانشین عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے چند دنوں میں بڑھا کر[1]
دوسرا الزام عمرو بن العاص پر یہ تھا کہ انھوں نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں پر بعض ناروا زیادتیاں کی تھیں، اور ان کو لونڈی غلام بنا لیا تھا، حضرت عثمان نے ان کو آزاد کر کے پھر واپس کر دیا[2]۔

اس اعتراض کا دوسرا ٹکڑا کہ صحابہ کے بجائے اپنے نوجوان اور ناتجربہ کار اعزہ کو مقرر کیا، محض ایک بے معنی مغالطہ ہے، عمال کے عزل و نصب کا اصل معیار حکومت و جہانبانی کی صلاحیت ہے، اس اعتبار سے حضرت عثمان نے جن لوگوں کا انتخاب کیا، وہ ان عہدوں کے لئے موزوں ترین تھے، ان کی اولو العزمی اور شجاعت نے اسلامی حکومت کے ڈانڈے اسپین، چین اور ہندوستان سے ملا دئے، جن کی تفصیلات اوپر فتوحات میں گذر چکی ہیں،

یہ صحیح ہے کہ شرف صحابیت بھی ایک بڑا معیار ہے، لیکن مذہبی اور سیاسی کسی نقطۂ نظر سے بھی عمال کے لئے صحابیت کی شرط ضروری نہیں تھی، پھر حضرت عثمان کے عہد میں اکثر اکابر صحابہ عمر کے اس حصہ کو پہنچ چکے تھے جب کہ ضعفِ پیری کی وجہ سے وہ کسی بڑی خدمت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لائق نہ رہ گئے تھے، پھر یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ صحابہ کو معزول کر کے تمام تر نوجوانوں کو مقرر کیا، اس کے خلاف مثالیں بھی ہیں، مثلاً کوفہ سے سعید بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو مقرر کیا، جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، اس لئے یہ اعتراض کہ اکابر صحابہ کی جگہ

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹ [2] ایضاً

نوجوانون کا تقرر کیا، کسی حیثیت سے بھی قابل توجہ نہیں رہتا،

(۲) اکابر صحابہ سے بدسلوکی کے سلسلہ مین شہرت ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کو جلاوطن کردیا، حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ سختی کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا وظیفہ بند کردیا،

پہلا واقعہ بالکل غلط ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ کو حضرت عثمانؓ نے جلاوطن نہیں کیا تھا، بلکہ وہ خود ایک ویرانہ مین گوشہ نشین ہوگئے تھے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ جائز سرمایہ داری کے بھی خلاف تھے، ان کے مشرب مین کل کے لئے کچھ اٹھا رکھنا جائز نہ تھا، وہ شام مین سرمایہ داری کے خلاف وعظ کہتے پھرتے تھے، اس سے بدامنی پھیلنے کا اندیشہ تھا، اس لئے امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجا کہ ان کو شام سے بلا لیجئے، حضرت عثمانؓ نے امن عام کے خیال سے اپنے پاس بلالیا، اور فرمایا کہ آپ میرے پاس رہئے، آپ کی کفالت مین کرون گا، لیکن وہ ایک بے نیاز بزرگ تھے، جواب دیا مجھے تمہاری دنیا کی ضرورت نہین ہے، اور خود مکہ کے قریب ایک ویرانہ ربذہ مین سکونت اختیار کرلی[۱]،

حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ بھی کوئی سختی نہین ہوئی، لیکن چونکہ وہ سبائی جماعت سے متاثر ہوگئے تھے، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس لئے حضرت عثمانؓ نے انکی فہمایش ضرور کی، اور یہ کوئی جرم نہیں ہے، حضرت عمرؓ نے سیاسی مصالح کی بناپر عمال کو علانیہ سزا دی ہے،

عبداللہ بن مسعودؓ کا وظیفہ ضرور بند کیا، لیکن اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ نے امت کو ایک قرآن پر متحد رکھنے کے لئے عہد صدیقی کے مصحف کے سوا باقی تمام

---

[۱] ابن سعد ج ۴ ق اول ص ۱۶۷،

مصاحف ضائع کرادیے تھے، عبداللہ بن مسعودؓ کا علیحدہ ایک مصحف تھا، اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ نے ان کا مصحف بھی طلب کیا، لیکن وہ دینے پر آمادہ نہ ہوئے، اس لئے حضرت عثمانؓ کو سختی سے کام لینا پڑا، درحقیقت تمام امت کو ایک قرآن پر متحد کردینا حضرت عثمانؓ کی ایسی خدمت ہے جس کے احسان سے امت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی ہے، ابن مسعودؓ کا مصحف خواہ انھیں کتنا ہی عزیز کیوں نہ رہا ہو لیکن جس مصلحت کی بنا پر حضرت عثمانؓ نے اسے طلب کیا تھا، اس کی اہمیت کو ملحوظ رکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا انکار کرنا قطعاً نامناسب تھا،

(۳) بیت المال میں تصرف کرنے کا الزام بالکل غلط بلکہ مہمل ہے جس فیاض غنی نے اسلام کے عہدِ عسرت میں اس کے مصالح کے لئے اپنی بے دریغ دولت لٹائی ہو وہ بیت المال پر کیا نگاہ ڈالتا، حضرت عثمانؓ اپنے عہدِ خلافت میں بھی بڑے صاحبِ ثروت تھے، انھیں بیت المال سے فائدہ اٹھانے کی احتیاج ہی نہ تھی، بلکہ خلفاء میں وہی ایک ایسے بزرگ تھے جو اپنے واجبی مصارف کے لئے بھی بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے،

اس شہرت کی بنیاد اس غلط فہمی پر ہے کہ حضرت عثمانؓ بڑے صاحبِ ثروت تھے، اور ثروت کے ساتھ خدا نے فیاض بھی بنایا تھا، اس لئے وہ اپنے ذاتی روپیہ سے اپنے غریب اعزہ کی مدد کرتے تھے، اسے مخالفین دوسرے رنگ میں مشہور کرتے تھے، اس غلط فہمی کو آپ نے خود ایک تقریر میں دور فرمایا تھا، وہ تقریر یہ ہے:۔

"لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کو دیتا لیتا ہوں، لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا ہے، بلکہ

مین ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہون، جو کچھ مین ان کو دیتا ہون وہ اپنے ذاتی مال سے، مسلمانون کا مال نہ مین اپنے لئے حلال سمجھتا ہون نہ کسی دوسرے کیلئے مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر و عمر کے زمانہ مین بھی اپنے ذاتی مال سے ان کو بڑی بڑی رقمین دیتا تھا حالانکہ اس زمانہ مین مین بخیل و حریص تھا، اور اب جب کہ مین اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہون، زندگی ختم کے قریب ہے اور اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل وعیال کے سپرد کر دیا ہے تو ملحدین ایسی باتین مشہور کرتے ہین، خدا کی قسم مین نے کسی ملک پر خراج کا کوئی مزید بار نہین ڈالا ہے، کہ اس قسم کا الزام مجھ پر عائد کیا جائے، جو آمدنی ہوئی وہ ان ہی لوگون کی ضرورت و فلاح مین صرف ہوئی، میرے پاس صرف خمس آتا ہے اس مین سے بھی مین کچھ لینا جائز نہین سمجھتا، اسے مسلمان جس مصرف مین مناسب سمجھتے ہین صرف کرتے ہین اس مین میرا مشورہ تک نہین ہوتا، خدا کے مال مین ایک پیسہ کا تصرف نہین کیا جاتا حتی کہ مین کھانا بھی اپنے ذاتی مال سے کھاتا ہون[1]"

بیت المال مین تصرف کے سلسلہ مین جو واقعات بیان کئے جاتے ہین وہ نہایت مسخ شدہ شکل مین ہین، اصلی شکل مین وہ قابل اعتراض نہین، مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا کوئی حصہ آپ نے عطا نہین کیا تھا، بلکہ اس نے پانچ لاکھ مین خریدا تھا،[2] عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو خمس کا پانچوان حصہ البتہ دیا تھا، لیکن جب مسلمانون نے اعتراض کیا تو آپ نے واپس کرا دیا، اس کی شکل بھی یہ تھی کہ عبداللہ بن ابی سرح نے جب طرابلس پر فوجکشی کی تو حضرت عثمانؓ نے اس کی حوصلہ افزائی کے لئے وعدہ فرمایا

[1] طبری ص ۲۹۵۲ [2] ابن خلدون ج ۲ ص ۱۲۹،

کہ اگر تم نے یہ مہم سر کی، تو تم کو مال غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ دیا جائے گا، چنانچہ طرابلس کی فتح کے بعد یہ وعدہ پورا کیا، لیکن مسلمانوں کو اس پر اعتراض ہوا، انھوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا، آپ نے فرمایا اگر تم لوگ رضامند ہو تو رہنے دیا جائے، ورنہ واپس کر دیا جائے، لوگ راضی نہ ہوئے تو آپ نے اسی وقت عبد اللہ بن ابی سرح کو واپس کرنے کا حکم لکھدیا، عبد اللہ بن خالد کو بھی ان کے خدمات کے صلہ میں پچاس ہزار دیئے تھے، لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا تو اسے بھی واپس کرا دیا[۱]،

(۴) بقیع کی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کرنے کے واقعہ کی اصل حقیقت یہ ہے، کہ بعض چراگاہیں عہد فاروقی سے بیت المال کے مویشی کے لئے مخصوص تھیں، اس کی تصریح خود حضرت عثمانؓ نے ایک بیان میں فرمائی ہے،۔

"میں نے انہی چراگاہوں کو مخصوص قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص ہو چکی تھیں،.... میرے پاس اس وقت دو اونٹوں کے سوا کوئی مویشی نہیں ہیں، حالانکہ خلافت سے پہلے میں عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا، اور آج دو اونٹوں کے سوا جو حج کے سفر کے لئے رکھ چھوڑے ہیں، میرے پاس ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہیں ہے[۲]"

(۵) یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اموی عمال کی بے عنوانیوں کا تدارک نہیں کیا، اس باب میں آپکے طرز عمل کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، آپکے علم میں جو بے عنوانی آتی تھی، آپ اس کا تدارک فرماتے تھے، چنانچہ انقلاب کے سلسلہ میں جب عمال کے خلاف شکایتیں پہنچیں تو آپ نے ممالک محروسہ میں اعلان عام کر دیا کہ "میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے تمام عمال

[۱] طبری ص ۲۸۱۵ [۲] ایضاً و ص ۲۹ [۳] ایضاً ص ۲۹۵۲،

کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا، میں نے آغاز خلافت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا نصب العین بنایا ہے، میرے یا میرے عمال کے پاس جو شکایت پہنچتی ہے، میں اس کا پورا تدارک کرتا ہوں، میرے پاس یہ شکایت پہنچی ہے کہ بعض لوگوں کو مارا جاتا ہے اور گالی دی جاتی ہے، اس خفیہ ضرب و شتم پر مجھ کو افسوس ہے جس کو اس قسم کی کوئی شکایت ہو، وہ میرے پاس حج کے موقع پر پیش کرے، اور مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق لے یا معاف کر دے کہ خدا معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔[1]

جب کسی عہدہ دار کے خلاف لوگوں کو شکایت ہوئی اور انھوں نے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا تو آپ نے فوراً معزول کر دیا، چنانچہ اہل کوفہ کی شکایت پر سعید بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ صحابی کو مقرر کیا،

(۶) اجرائے حدود میں تغافل کے دو واقعات پیش کئے جاتے ہیں،

ایک یہ کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبید اللہ سے ہرمزان اور جفینہ کے قتل کا قصاص نہیں لیا، دوسرے ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد میں تاخیر کی گئی،

پہلے واقعہ کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، کہ جب حضرت عثمانؓ کے سامنے عبید اللہ کا مقدمہ پیش ہوا، تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے قصاص لینے کی رائے دی لیکن دوسرے بزرگوں نے اختلاف کیا، اور کہا یہ مناسب نہیں ہے کہ کل عمرؓ قتل ہو چکے ہیں اور آج ان کے لڑکے کو قتل کیا جائے، عمرو بن العاص نے عرض کیا امیر المومنین اگر آپ عبید اللہ کو معاف کر دیں گے تو امید ہے کہ خدا آپ سے اس کا مواخذہ نہ کرے گا، اس اختلاف رائے پر آپ نے فرمایا کہ چونکہ مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے اس لئے میں بحیثیت

---

[1] طبری ص ۲۹۴۳ —

ولی کے قصاص کو دیت سے بدلے دیتا ہون اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا فرمائی، [۱]

ظاہر ہے کہ اس خاص شکل مین سب سے زیادہ دانشمندانہ فیصلہ یہی ہو سکتا تھا جو حضرت عثمانؓ نے کیا، ولید بن عقبہ کی حد مین تاخیر ضرور ہوئی، لیکن غفلت نہین برتی گئی، اس تاخیر کا سبب یہ تھا کہ پوری شہادت مہیا نہین ہوئی تھی، شہادت ملنے کے بعد فوراً حد جاری کی گئی، [۲]

(۷) ساتوان اعتراض کہ آپ نے مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف ضائع کر دیئے نہایت لغو اور مہمل ہے، یہ تو حضرت عثمانؓ کی سب سے بڑی مذہبی خدمت اور امت اسلامیہ پر سب سے بڑا احسان ہے کہ انھون نے پوری امت کو ایک قرآن پر متحد کر دیا ورنہ دوسرے اہل کتاب کی طرح ان کا بھی حشر ہوتا،

(۸) بدعات مین صرف یہ بدعت بیان کی جاتی ہے، کہ منیٰ مین خلاف سنت دو رکعت نماز پڑھنے کے بجائے چار رکعتین پڑھین، اس کی وجہ خود حضرت عثمانؓ نے بیان فرمادی تھی کہ جب مین مکہ پہنچا تو یہان قیام کی نیت کر لی تھی، اور مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر اقامت کی نیت کرے تو اس کو مقیم کی طرح نماز پڑھنی چاہیے، [۳]

(۹) نوین الزام کے ثبوت مین کوئی واقعہ نہین پیش کیا جاتا، آپ نے کسی مسئلہ مین متواتر روایات کو چھوڑ کر روایات شاذہ پر عمل نہین کیا، ممکن ہے کسی اجتہادی مسئلہ مین آپ کی رائے عام رائے سے مختلف رہی ہو، اور یہ کوئی قابل اعتراض امر نہین ہے،

(۱۰) حکم بن العاص کو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا، لیکن آخر

---

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۹۲ [۲] طبری ص ۲۸۴۹ [۳] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۲،

زمانہ میں حضرت عثمانؓ نے آپ سے اس کے واپس بلانے کی اجازت لے لی تھی[1] جس کا علم عام طور سے لوگوں کو نہ تھا،

(۱۱) مصریوں کے ساتھ بدعہدی کے واقعہ کی تفصیل آئندہ آئے گی،

ان الزاموں کے علاوہ بعض اور چھوٹے چھوٹے اعتراضات ہیں لیکن وہ لائق اعتنا نہیں

ان الزاموں کی حقیقت ظاہر ہوجانے کے بعد ناظرین کو انقلاب کے حالات کی جانب رجوع کرنا چاہیے،

اکابر صحابہ سے مشورہ اور جوار رسولؐ کو چھوڑنے سے انکار

اوپر یہ معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حج کے موقع پر تمام عمال کو طلب کرکے فتنہ کے انسداد کی آخری کوشش کی تھی، پھر مدینہ آنے کے بعد حضرت علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کو بلاکر ان سے رائے لی، ان بزرگوں نے خیرخواہانہ مشورے دئے، حضرت عثمانؓ نے ان پر کاربند ہونے کا وعدہ فرمایا، اور ان بزرگوں نے بھی اظہار طمانیت کیا،

امیر معاویہؓ مکہ سے ساتھ آئے تھے، شام واپس جاتے وقت انھوں نے عرض کیا کہ یہاں کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے، آپ میرے ساتھ شام چلے چلیے، وہاں آپکا بال بیکا نہیں ہوسکتا، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "خواہ میرا سر تن سے جدا ہوجائے، لیکن میں جوار رسولؐ کو نہیں چھوڑ سکتا"، امیر معاویہؓ نے کہا کہ پھر آپ کی حفاظت کیلئے وہاں سے فوجیں بھیجدوں، فرمایا میں ہمسایگان رسولؐ کو فوج کے مصائب میں مبتلا نہ کروں گا، امیر معاویہؓ نے چلتے چلتے پھر کہا کہ مجھے ناگہانی حادثہ کا خطرہ ہے، فرمایا حَسْبِیَ اللہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل،[2]

---

[1] اصابہ تذکرہ حکم بن العاص [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۶۰،

اس جواب کے بعد امیر معاویہؓ مایوس ہو کر تنہا شام واپس ہو گئے،

مدینہ پر باغیوں کی یورش

ادھر حضرت عثمانؓ اصلاح حال کی تدبیروں میں مصروف تھے، دوسری طرف کوفہ بصرہ اور مصر کے باغی آپس میں خفیہ خط و کتابت کرکے مدینہ پر یورش طے کر چکے تھے، چنانچہ ۳۵ھ کے آخر میں جب کہ موسم حج کی وجہ سے مدینہ خالی ہو جاتا تھا، تینوں مقاموں کے باغیوں نے حج کے بہانہ سے مدینہ کا رخ کیا، اور قریب پہنچکر مدینہ سے چند میل باہر ٹھہرے، یہ تینوں حضرت عثمانؓ کی معزولی پر تو متفق تھے، لیکن ان کے آئندہ جانشین کے بارہ میں ان کی رائیں مختلف تھیں، کوفی حضرت زبیرؓ کو چاہتے تھے، بصری حضرت طلحہؓ کو، اور مصری حضرت علیؓ کو، چنانچہ تینوں نے ان بزرگوں سے مل کر خلافت قبول کرنے کی درخواست کی، لیکن ان حضرات نے انھیں ڈانٹ کر واپس کر دیا،

حضرت عثمانؓ پر حملہ

اس کے بعد جمعہ کا دن پڑتا تھا، حضرت عثمانؓ حسب معمول نماز کیلئے مسجد تشریف لائے، اور نماز کے بعد باغیوں کو فہمائش کی، لیکن اب ان کی سرکشی فہمائش کے حدود سے گذر چکی تھی، انھوں نے پتھر مار مار کر نمازیوں کو مسجد سے نکال دیا، اور حضرت عثمانؓ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ منبر سے گر کر بیہوش ہو گئے، لوگ اٹھا کر گھر لائے، باغیوں کی یہ جسارت دیکھکر حضرت سعد بنؓ ابی وقاص، زید بنؓ ثابت، ابوہریرہؓ، اور حضرت امام حسینؓ، حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بڑھے، لیکن آپ نے ان سب کو واپس کر دیا،

مصریوں کی یورش

اس واقعہ کے بعد ہی مصر کے بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کی نیت سے مدینہ پر یورش کی، حضرت عثمانؓ ہر وقت فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے

ہر اصلاحی صورت کو قبول کرنے کے آمادہ تھے، چنانچہ حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ آپ جو کچھ مشورہ دیں میں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں، آپ باغیوں کو واپس کر دیجئے، چنانچہ تیس مہاجر و انصار صحابہ نے انھیں سمجھا بجھا کر واپس کیا، اور حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے عام مسلمانوں کے سامنے تقریر کر کے اور آئندہ کے متعلق اپنا طرزِ عمل بتایا، یہ تقریر اتنی موثر تھی کہ سارے سامعین رو دیے،[1]

دوسری یورش اور خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ

لیکن ابھی اس خوش آئند خواب کی تعبیر نہ نکلی تھی کہ ایک دن دفعۃً مصر کے باغیوں کا گروہ پہنچ گیا، حضرت محمد بن مسلمہؓ نے جا کر ان سے واپسی کا سبب پوچھا، انھوں نے کہا ہم کو راستہ میں ایک سرکاری ہرکارہ مصر کی طرف جاتے ہوئے ملا، ہم کو شک ہوا، تلاشی لی تو اس کے پاس والیِ مصر کے نام حضرت عثمانؓ کا فرمان ملا، جس میں ہم لوگوں کو قتل کرنے اور مختلف سزائیں دینے کا حکم تھا، اور حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہؓ کے ہمراہ حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے بالکل لاعلمی ظاہر فرمائی کہ "نہ ایسا حکم میں نے لکھا، نہ کسی سے لکھوایا اور نہ اس کے متعلق مجھے کوئی علم ہے، سب نے اس بیان کی تصدیق کی، باغیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ مروان بن حکم کی شرارت ہے، لیکن وہ تو آپ کی معزولی کا بہانہ چاہتے تھے، اس واقعہ سے ان کے گمان کے مطابق ایک سند بھی ان کے ہاتھ آ گئی تھی، چنانچہ انھوں نے کہا کہ جس شخص کی طرف ایسے اہم فرامین لکھے جائیں ان پر اس کی مہر لگائی جائے، اور سرکاری ہرکارہ اسے لے کر جائے اور اس کو خبر تک نہ ہو، ایسا شخص ہرگز خلافت کا اہل نہیں ہے، اس لئے آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیے"،

[1] یہ واقعات طبری ص ۲۹۵۶ تا ۲۹۶۱ سے ملخصاً ماخوذ ہیں،

آپ نے جواب دیا "خدا نے مجھے جو خلعت پہنایا ہے اسے مین اپنے ہاتھون سے نہ اتارونگا البتہ جو کچھ ہو چکا اس پر ندامت ہے، اور آیندہ اس کی تلافی کے لئے تیار ہون[1] لیکن باغی کوئی معذرت سننے کے لئے تیار نہ ہوئے، انھون نے کہا کہ "اگر تم خلافت سے دستبردار نہین ہوتے تو ہم تم کو قتل کر کے چھوڑین گے، اور جو شخص مزاحم ہوگا اس کا بھی مقابلہ کرین گے" حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ "مین سر دیدون گا، لیکن خدا کی بخشی ہوئی خلافت کو نہ چھوڑونگا، تم کو کسی سے مقابلہ اور جنگ کی ضرورت نہین، اس لئے کہ مین کسی کو تم سے لڑنے کی اجازت نہ دون گا، جو ایسا کرے گا وہ میرے حکم کے خلاف کرے گا، اگر مین جنگ ہی کرنا چاہتا تو میرے حکم پر ہر طرف سے فوجون کا ہجوم ہو جاتا، یا مین خود کسی محفوظ مقام پر چلا جاتا[2]

محاصرہ اس مرتبہ پھر حضرت علیؓ نے کسی نہ کسی طرح باغیون کو ہٹا دیا، لیکن اب ان کے سرون پر خون سوار ہو چکا تھا، اس لئے آپ کے واپس جاتے ہی اتنی سختی سے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا کہ باہر سے کوئی شے اندر نہ جانے پاتی تھی، اس وقت بھی جان نثارون کی ایک جماعت آپ کی حفاظت مین سینہ سپر تھی، لیکن آپ نے باصرار سب کو واپس کر دیا، چند نوجوان حضرت امام حسینؓ، ابن عباسؓ، محمد بن طلحہؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ وغیرہ واپس نہ گئے،

آخر مین باغیون نے پانی تک بند کر دیا، حضرت علیؓ اور ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کو معلوم ہوا تو یہ دونون باغیون کو سمجھانے کے لئے گئے، لیکن اب ان کا جوش انتقام جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا، ان مین خطا و صواب کی کوئی تمیز باقی نہ رہ گئی تھی، حرم نبوی کا بھی ادب و احترام نہ کیا، حضرت ام حبیبہؓ کی شان مین نالائم الفاظ استعمال کئے، اور آپ کی سواری کے خچر کو زخمی کر کے گرا دیا، چند آدمیون نے آپ کو وہان سے علٰحدہ کیا[3]

---

[1] طبری ص ۲۹۹۴ [2] ایضاً ص ۲۹۹۶ و ۲۹۹۷ و ابن اثیر ج ۳ ص ۶۶ [3] طبری ص ۳۰۱۰،

اس وقت مدینہ کی حالت نہایت خطرناک ہو رہی تھی، باغیون پر کسی کا قابو نہ رہ گیا تھا، ہر شخص کی جان خطرہ مین تھی، صحابہ بالکل مجبور و بے بس ہو رہے تھے، یہ بدامنی دیکھکر بہت سے لوگ مدینہ سے نکل گئے، کچھ لوگون نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا حضرت علیؓ کا جب تک بس چلا وہ برابر باغیون کو سمجھاتے رہے، لیکن آخر مین وہ بھی مجبور ہو گئے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے جب آخری مرتبہ آپ کو بلا بھیجا اور آپنے جانے کا قصد کیا، تو آپ کو زبردستی روک لیا گیا، آپنے اپنا عمامہ اتار کر قاصد کو دیا، اور فرمایا جو حالت ہے دیکھ لو، اور جا کر کہدو[1]

اتمام حجت کیلئے تقریر

درحقیقت یہ انقلاب انگیز شورش تنہا حضرت عثمانؓ کے خلاف نہین، بلکہ اسلام اور مسلمانون کی وحدت کے خلاف بھی، حضرت عثمانؓ کو مسلمانون کے لئے اس کے تباہ کن نتائج نظر آرہے تھے، اس لئے محاصرہ کی حالت مین بھی ان کی شیرازہ بندی کو بار بار بچانے کی کوشش کی، ایک دن قصر خلافت کے اوپر سے تقریر فرمائی :-

"لوگو! تم میرے قتل کے کیون درپے ہو، مین تمہارا والی اور مسلمان بھائی ہون، خدا کی قسم جہان تک میرے بس مین تھا، مین نے ہمیشہ اصلاح کی کوشش کی، لیکن بہرحال مین انسان ہون اس لئے اصابت رائے کیساتھ لغزشین بھی ہوئی ہین، یاد رکھو! بخدا! اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے اور نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے،[2]

یہ تقریر درحقیقت پیشین گوئی تھی، چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے وحدت اسلامی مین جو رخنہ پیدا ہوا وہ آج تک نہ بند ہو سکا،

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۷ م[2] ایضاً،

ایک دن آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا:-

"میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں، کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو مسجد بہت تنگ تھی، آپ نے فرمایا اس زمین کے قطعہ کو کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے، اس کو جنت میں اس سے بہتر جگہ ملے گی، اس وقت میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور اس زمین کو خرید کر مسلمانوں پر وقف کیا، آج تم اسی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے مجھے روکتے ہو، میں خدا کی قسم دے کر تم سے سوال کرتا ہوں، کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں بیر رومہ کے علاوہ میٹھے پانی کا دوسرا کنواں نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے اس کو جنت میں اس سے بہتر ملے گا، تو میں نے اس کو خرید کر وقف کیا، اور آج تم مجھے ہی کنوئیں کے پانی سے روکتے ہو، کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں ہی نے جیش عسرت کا پورا سامان کیا تھا، سب نے کہا ہاں سچ ہے[1]،

لیکن کسی پر اس کا اثر نہ ہوا، اس لئے آپ نے پھر ایک دن تقریر فرمائی:-

"میں ان لوگوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے قسم دے کر پوچھتا ہوں کسی کو یاد ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ حرا پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا، آپ نے ٹھوکر مار کر فرمایا حرا ٹھہر جا! کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور ایک شہید ہے، اور میں آپ کے ساتھ تھا، لوگوں نے اس کی تصدیق کی، پھر آپ نے فرمایا، میں ان لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں جو بیعت رضوان میں موجود تھے

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۷۰، ۷۵، ۷۶

کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مشرکین کے پاس گفتگو کرنے کے لئے بھیجا تھا
تو اپنے دستِ مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری جانب سے بیعت نہیں لی سب نے
کہا ہاں سچ ہے۔[1]

جب آپ نے دیکھا کہ خیرہ چشم کسی طرح آپ کے قتل سے باز نہیں آتے تو آخری تقریر فرمائی
"لوگو! آخر کس جرم میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے سنا ہے کہ تین صورتوں کے سوا کسی مسلمان کا خون جائز نہیں، اسلام کے بعد جو
مسلمان مرتد ہو جائے، یا پاکدامنی کے بعد بدکاری کا مرتکب ہو، یا کسی کو قتل کرے
تو قصاص میں قتل کیا جائے، اور ان تینوں سے میرا دامن پاک ہے، خدا کی قسم جب سے
خدا نے مجھے ہدایت دی، میں نے اپنے مذہب کے مقابلہ میں کسی مذہب کو پسند نہیں
کیا، نہ زمانۂ جاہلیت میں بدکاری کا مرتکب ہوا، اور نہ اسلام کے بعد کسی قتل کیا،
پھر تم لوگ مجھے کس جرم میں قتل کرتے ہو۔[2]

جان نثاروں کے مشورے اور مقابلہ کے لئے اجازت طلبی

جب باغیوں پر کسی افہام و تفہیم کا اثر نہ ہوا، اور وہ اپنی خیرہ سری
پر اڑے رہے تو ہوا خواہانِ امت نے حاضر ہو کر جاں نثاری
کی اجازت طلب کی، حضرت زید بن ثابتؓ انصار کی جماعت کو لے کر پہنچے، اور عرض کیا،
کہ انصار دروازہ پر حاضر اجازت کے منتظر ہیں کہ دوبارہ اپنے "انصار اللہ" ہونے کا ثبوت دیں۔[3]
حضرت عثمانؓ نے فرمایا، اگر جنگ مقصود ہے تو اس کی اجازت نہ دوں گا۔[4] حضرت عبداللہ
بن زبیرؓ نے عرض کیا، قصر خلافت میں ہم لوگوں کی خاصی تعداد ہے، اجازت ہو تو میں جانبازی
کے جوہر دکھاؤں، فرمایا خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ میرے لئے خونریزی نہ کی جائے۔[5]

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۵۹ [2] ایضاً ص ۶۱ [3] ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۸ [4] ایضاً ص ۴۹،

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے عرض کیا کہ آپ امام امت ہیں، اور اس حال میں مبتلا ہیں، اس لئے تین صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرمائیے، آپ کے پاس کافی قوت ہے، ہم لوگوں کو ساتھ لے کر نکلئے اور مقابلہ کیجئے، آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر، یا پھر صدر دروازہ کو جس پر باغیوں کا ہجوم ہے چھوڑ کر ہم آپ کے لئے عقب سے دروازہ توڑے دیتے ہیں، آپ سواری پر بیٹھ کر مکہ نکل جائیے، وہاں حرم میں لوگ جنگ نہ کریں گے، یا پھر شام چلے جائیے، وہاں کے لوگ وفادار ہیں، اور معاویہ موجود ہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں مقابلہ نہ کروں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا جس کے ہاتھوں آپؐ کی امت کی خونریزی کا آغاز ہو، مکہ بھی نہ جاؤں گا کہ یہ خیرہ سر وہاں بھی خونریزی سے باز نہ آئیں گے، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا مصداق بننا نہیں چاہتا کہ قریش کا ایک شخص مکہ کی حرمت اٹھائے گا، اور اس پر ساری دنیا کا آدھا عذاب ہوگا[1] شام کے لوگ ضرور وفادار ہیں اور معاویہ بھی وہاں موجود ہیں، لیکن دار الہجرۃ اور جوارِ رسولؐ کو نہ چھوڑوں گا،

غرض یہی خواہ امت نے کسی درجہ پر بھی اپنے بچاؤ کے لئے مسلمانوں کی خونریزی پسند نہ کی، بلکہ فرمایا کہ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو اپنے ہاتھ اور اسلحہ کو روکے رکھے ہے۔[2]

شہادت کی تیاری جتنا وقت گذرتا جاتا تھا، حاجیوں کی واپسی کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا، بعض مقاموں سے فوجوں کے آنے کی بھی خبر تھی، اس لئے باغیوں نے جلد سے جلد حضرت عثمانؓ کی شمعِ حیات بجھا دینے کا فیصلہ کرلیا،

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۶۷، [2] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۴۸،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت عثمانؓ کو اپنی شہادت کا پورا یقین تھا، اور آپ صبر و استقامت کے ساتھ ہر وقت اس کے منتظر تھے، اس لئے باغیون کی سرگرمی دیکھ کر آپ نے شہادت کی تیاری شروع کر دی، جمعہ کے دن سے روزہ رکھا، ایک پاجامہ جسے آپ نے پہلے کبھی نہ پہنا تھا، زیب تن کیا، بیس غلام آزاد کئے اور کلام اللہ کھول کر اس کی تلاوت مین مصروف ہو گئے، اس وقت تک قصرِ خلافت کے پھاٹک پر حضرت امام حسینؓ، عبداللہ بن زبیر، محمد بن مسلمہ اور بہت سے صحابہ زادے باغیون کو روکے ہوئے تھے، کچھ معمولی سا کشت و خون بھی ہوا، جب انھین اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو انھون نے پھاٹک مین آگ لگا دی، اور کچھ لوگ قصرِ خلافت کے متصل دوسرے مکانون کے ذریعہ سے اوپر چڑھ کر اندر داخل ہو گئے، حضرت عثمانؓ تلاوت مین مصروف تھے، لیکن ہمت نہ پا کر لوٹ آئے، اس کے بعد محمد بن ابی بکر نے جو حضرت عثمانؓ کے بڑے دشمنون مین تھے، بڑھ کر ریشِ مبارک پکڑ لی، اور گستاخانہ کلمات زبان پر لائے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، "بھتیجے اس کو چھوڑ دو تمھارے والد کبھی ایسا نہ کرتے، اگر وہ دیکھتے تو ان کو تمھارا یہ فعل کبھی پسند نہ آتا" ایک روایت یہ ہے کہ وہ یہ کلمات سن کر محجوب ہو کر لوٹ گئے،[1]

شہادت

ان کے بعد ایک غافقی بڑھکر حملہ آور ہوا، اور کلام پاک کو پاؤن سے ٹھکرا دیا،[2] ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی لاٹ ماری کہ حضرت عثمانؓ تیورا کر پہلو کے بل گر پڑے، زبانِ مبارک سے بسم اللہ توکلت علی اللہ نکلا، اور خون کا فوارہ کلام اللہ کے اوراق پر جاری ہو گیا، اس کے بعد عمرو بن الحمق نے

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۷، [2] طبری ص ۳۰۲۱ [3] ایضاً ص ۳۰۱۸،

سینہ پر چڑھ کر مسلسل کئی وار کئے، آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت نائلہ سے نہ دیکھا گیا، وہ بےتابانہ بچانے کے لئے دوڑیں، ان کی تین انگلیاں ہتھیلی سے اڑ گئیں، اور سودان بن حمران نے لپک کر شہید کر دیا، شہادت کے وقت آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے، فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ[1]

تجہیز و تکفین

یہ حادثہ جمعہ کے دن ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا، مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا، بدامنی کی وجہ سے کسی کو گھر سے نکلنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، دو دن تک لاشِ مبارک بے گور و کفن پڑی رہی، دوسرے دن یعنی سنیچر کی شام کو چند آدمیوں نے جان پر کھیل کر تجہیز و تکفین کی ہمت کی، شہادت کی طہارت غسل سے بے نیاز تھی، چنانچہ انہی خون آلود کپڑوں میں چار آدمیوں نے جنازہ اٹھایا، باختلاف روایت حضرت زبیر بن عوام یا جبیر بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی، اور کابل سے مراکش تک کے فرمانروا کو سترہ آدمیوں کی مختصر جماعت نے خفیہ جنت البقیع سے متصل حش کوکب میں سپرد خاک کیا؛ اور باغیوں کے خوف سے قبر کا نشان چھپا دیا[2]، شہادت کے وقت ۸۲ سال کی عمر شریف تھی، مدت خلافت چند دن کم بارہ سال،

صحابہ پر اثر

حضرت عثمانؓ کی شہادتِ عظمیٰ معمولی واقعہ نہ تھا، آپ کی زندگی میں لوگوں نے آپ پر نکتہ چینیاں بھی کیں، اور مخالفتیں بھی ہوئیں، لیکن اس حادثہ کے پیش آجانے کے بعد ہر مسلمان دم بخود، صحابہ مضطرب و بیقرار، اور مخالفین نادم و پشیمان تھے حضرت علیؓ نے جس وقت یہ خبر سنی دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا "خدایا میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "اگر ساری مخلوق اس قتل میں شریک ہوتی تو

[1] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۱ و ۵۲ [2] ایضاً و طبری و ابن اثیر وغیرہ،

قوم لوط کی طرح اس پر آسمان سے پتھر برستے، حضرت سعید بن زید نے فرمایا، لوگو! اگر تمھاری بد اعمالی کی سزا مین کوہ احد تم پر پھٹ پڑے تو بھی بجا ہے، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا، عثمانؓ کی شہادت سے وہ رخنہ پیدا ہو گیا جسے پہاڑ بھی بند نہین کر سکتا، حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا، آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا، ثمامہ بن عدی کو معلوم ہوا تو بے اختیار رو کر کہا کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا خاتمہ ہو گیا، اب بادشاہت کا دور شروع ہو گا، حضرت زید بن ثابت کی آنکھین اشکبار تھین، حضرت ابوہریرہؓ حادثہ کا ذکر کر کے زار زار روتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی تھین کہ عثمانؓ دھلے ہوئے کپڑے کی طرح پاک و صاف ہو گئے[1]

جن لوگون نے کسی اثر کے ماتحت مخالفت بھی کی تھی، وہ بھی منفعل و پشیمان تھے، حضرت عمار بن یاسر حضرت عثمانؓ کے مخالفین سے کہتے تھے، کہ ہم نے ابن عفان کے ہاتھون پر بیعت کی تھی اور ان سے راضی تھے تم لوگون نے ان کو شہید کیون کیا،"

ایک شخص عبداللہ بن حکیم جو آپ کی زندگی مین آپ کی برائی کر کے لوگون کو آپ کے خلاف بھڑکاتا تھا، شہادت کے بعد اتنا نادم و شرمسار ہوا کہ اس نے عہد کر لیا کہ آئندہ کسی خلیفہ کے قتل مین معاون نہ ہوگا،

شہادت کے نتائج حضرت عثمانؓ کی شہادت، درحقیقت تنہا آپ کی شہادت کا واقعہ نہ تھا، بلکہ وحدت اسلامی کی شکست اور مسلمانون کے شیرازہ کی برہمی کا حادثہ تھا، اس حادثہ سے مسلمانون مین جو تفرقہ پیدا ہوئی، وہ تا قیامت نہ مٹے گی، اور اس وقت جو تلوار بے نیام ہوئی تھی، وہ ہمیشہ بے نیام رہے گی، مسلمان شیعہ، سنی، خارجی اور عثمانی

[1] یہ تمام اقوال ابن سعد ج ۳ ق اص ۵۶ و ۵۷ سے ماخوذ ہین،

فرقوں میں بٹ گئے، اور جو متحدہ قوت غیر مسلموں اور اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہوتی تھی وہ ایک دوسرے کے خلاف صرف ہونے لگی، اور عہد صحابہ سے جس خانہ جنگی کا آغاز ہوا، اس کا سلسلہ اب تک قائم ہے۔

ازواج و اولاد

حضرت عثمانؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان سب سے بہت سی اولادیں ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ یکے بادیگرے آپ کے عقد میں آئیں، حضرت رقیہؓ کے بطن سے ایک صاحبزادے عبد اللہ تھے، آپ کی کل اولادوں کی تعداد سترہ اٹھارہ[18] ہے۔

عہدِ عثمانی پر تبصرہ

حضرت عثمانؓ کو اگرچہ اطمینان و سکون کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع صرف پانچ سال ملا، لیکن اس قلیل مدت میں آپ نے امتِ اسلامیہ کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں اور بہت سے ممالک زیر نگیں ہوئے، نظام خلافت حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں کسی ترمیم و اضافہ کی بہت کم گنجائش تھی، تاہم جو جو گوشے تشنۂ تکمیل رہ گئے تھے ان کی تکمیل ہوئی، اور رفاہ عام کے بہت سے کام انجام پائے

بغاوتوں کا استیصال

اوپر تم پڑھ چکے ہو کہ حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد ہی ملک کے مختلف گوشوں میں بغاوتیں پھوٹ پڑی تھیں، ایران کے متعدد صوبے باغی ہو گئے، خراسان، آرمینیہ اور آذربیجان کے علاقوں نے اطاعت کا جوا اتار پھینکا، مصر و اسکندریہ میں رومیوں نے بغاوت برپا کر دی: قیصرِ روم اسکندریہ پر چڑھ آیا، غرض ہر طرف

خلفشار برپا ہو گیا تھا، حضرت عثمانؓ نے نہایت مستعدی اور سرگرمی سے ان تمام بغاوتوں کا استیصال کیا،

فتوحات بغاوتوں کے استیصال کے علاوہ آرمینیہ اور آذربیجان کے غیر مفتوحہ علاقوں ایشیائے کوچک، ترکستان، کابل اور سندھ میں بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں، بحر روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ ہوا، اور اسپین پر حملہ ہوا، اور اسلامی حکومت کے حدود سندھ اور کابل سے لے کر یورپ کی سرحد تک وسیع ہو گئے،

نظام خلافت جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، نظام خلافت حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں ترقی کی گنجایش بہت کم تھی، حضرت عثمانؓ نے اس کو علی حالہ قائم رکھا البتہ انتظامی ضروریات اور حالات کے مطابق اس میں بعض تبدیلیاں کیں، اور جن شعبوں میں ترقی کی گنجایش تھی، ان کو ترقی دی،

مجلس شوریٰ اگو عثمانی دور میں عہد فاروقی کی طرح شوریٰ کا اہتمام نہ رہ گیا تھا، لیکن اہمات امور میں حضرت عثمانؓ اکابر صحابہ اور عمال حکومت سے مشورہ فرماتے تھے، اوپر انقلاب کے حالات میں ملک کی صلاح و فلاح اور فتنہ و فساد کی بیخکنی کے لئے اکابر صحابہ اور عمال حکومت سے صلاح و مشورہ کے واقعات گذر چکے ہیں،

بعض تبدیلیاں صوبوں کی تقسیم قریب قریب وہی رہی جو عہد فاروقی میں تھی، البتہ شام کے ملک کو جو کئی صوبوں میں تقسیم تھا، ایک صوبہ بنا دیا گیا اور امیر معاویہؓ پورے صوبہ کے والی مقرر ہوئے جس سے فتوحات کو بڑا فائدہ پہنچا، نئے مفتوحہ ملکوں کے نئے صوبے بنائے گئے،

عمال کا احتساب اور ان کی نگرانی عثمانی عمال کی بے عنوانیوں اور ان سے احتساب کے سلسلہ میں ایک امر خاص طور سے پیش نظر رکھنے کے لائق ہے، جسے نظر انداز کر دینے

حضرت عثمانؓ کے طرزِ حکومت کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اگر اسے ملحوظ رکھا جائے، تو بہت سے شکوک و شبہات خود بخود دور ہو جاتے ہیں، وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ فطرۃً نہایت حلیم الطبع، نرم خو، اور خطا پوش تھے، آپ میں عفو درگذر کا پہلو غالب تھا، اس لئے آپ میں مواخذہ و احتساب کی وہ سختی نہ تھی جو حضرت عمرؓ کا طغرائے امتیاز ہے، آپ بعض ایسے امور سے چشم پوشی فرما جاتے تھے، جس پر حضرت عمرؓ بڑے سے بڑے عہدہ دار کو لے ڈالتے تھے، یہ فرق حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ میں بھی نظر آتا ہے، مثلاً حضرت خالدؓ بن ولید سے عہد صدیقی میں بعض بے عنوانیاں سرزد ہوئیں لیکن حضرت ابو بکرؓ نے انھیں نظر انداز کر دیا، اور حضرت عمرؓ کے پیہم اصرار کے باوجود خالدؓ بن ولید کو معزول نہیں کیا، لیکن جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ایک دو مرتبہ کی تنبیہ کے بعد فوراً معزول کر دیا، حضرت عمرؓ عمال کی شان و شوکت کو سخت ناپسند کرتے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ ان چیزوں سے تعرض نہیں کرتے تھے، اور اس قبیل کے معاملات میں دونوں کے طرزِ عمل میں فرق تھا، جو ان کی افتادِ طبع کا نتیجہ تھا،

اس طبعی فرق کی وجہ سے گو عہد عثمانی میں عہدِ فاروقی کے جیسا سخت احتساب نہ رہ گیا تھا، پھر بھی آپ کسی ایسی بے عنوانی کو نظر انداز نہ کرتے تھے جس سے اصولِ اسلام، اخلاقِ عامہ یا حکومت کے نظام پر کوئی اثر پڑتا ہو جب کبھی کسی والی کے خلاف اس قسم کی کوئی شکایت ہوتی تھی، آپ فوراً معزول کر دیتے تھے، چنانچہ سعدؓ بن ابی وقاص کو بیت المال کا قرض نہ ادا کرنے کے الزام میں معزول کر دیا، ولید کو شراب نوشی کے جرم میں عہدہ سے برطرف کر کے حد جاری کی، سعیدؓ بن العاص اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو رعایا کی شکایت پر علحدہ کیا، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے،

حج کے موقع پر تمام عمال طلب کئے جاتے تھے، اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس شخص کو کسی عہدہ دار کے خلاف کوئی شکایت ہو اسے پیش کرے، چنانچہ شکایتیں سن کر آپ ان کا تدارک فرماتے تھے[1]،

بیت المال کے محاصل و مصارف

عثمانی عہد میں بہت سے نئے ملک فتح ہوئے، اور خراج کی آمدنی بہت بڑھ گئی، اس کے علاوہ آپ کے عمال کے حسن انتظام سے پرانے محاصل میں کافی اضافہ ہوا، چنانچہ مصر کے خراج کی مقدار پوری دونی ہو گئی[2]،

آمدنی میں اضافہ کے ساتھ آپ نے لوگوں کے وظائف میں اضافہ فرمایا، جن لوگوں کو رمضان کے مصارف کے لئے نقد ملتا تھا، ان کا کھانا بھی مقرر کیا[3]، ان کے علاوہ قومی مصارف اور رفاہ عام کے کاموں میں صرف کیا، جس کی تفصیل آیندہ آئے گی،

صیغۂ فوج

صیغۂ فوج میں بعض تبدیلیاں اور ترقیاں ہوئیں، بعض صوبوں میں انتظامی اور فوجی شعبے جواب تک ایک چلے آتے تھے، الگ کر دیے گئے، سپاہیوں کی تنخواہ میں سو سو روپیہ کا اضافہ ہوا[4]،

نئے مفتوحہ علاقوں میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں، امیر معاویہؓ نے شام میں بحر روم کے ساحل پر، انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی نو آبادیاں بسا دیں[5]،

فاروقی عہد میں جہاد کے گھوڑوں اور دوسرے مویشی کے لئے متعدد چراگاہیں بنائی گئی تھیں، حضرت عثمانؓ نے ان میں اور اضافہ کیا، اور ان کے متعلق چشمے جاری کرائے، یہ چراگاہیں اتنی وسیع تھیں کہ صرف ایک ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے[6]،

---

[1] طبری ص ۲۹۴۴ [2] یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹ [3] طبری ص ۳۰۴۰ [4] ایضاً [5] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۳ [6] وفاء الوفاء میں چراگاہوں کی تفصیل ہے،

بحری فوج اور اسلامی بیڑہ

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں اور اہم ترقی بحری فوج کا قیام ہے، عہد فاروقی میں فارس کی بحری جنگ میں مسلمانوں کو سخت جانی و مالی نقصان پہنچا تھا، اس لیے حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف ہو گئے تھے، امیر معاویہؓ نے ان سے بارہا بحر روم میں فوجیں اتارنے کی اجازت مانگی، لیکن فارس کے تلخ تجربہ کے بعد آپ نے اجازت نہ دی، آپ کے بعد امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی، آپ نے بھی پہلے انکار کیا، لیکن پھر ان کے اصرار پر اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ بحری جنگ میں شرکت کے لیے کسی کو مجبور نہ کیا جائے، جو اپنی خوشی سے جانا چاہے وہ جا سکتا ہے[1] حصولِ اجازت کے بعد امیر معاویہؓ نے بحر روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ کیا، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، قبرص کی فتح سے امیر معاویہؓ اور عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح والیِ افریقہ کے حوصلے بڑھ گئے، اور انھوں نے چند برسوں کے اندر اسلامی بیڑے کو اتنی ترقی دی کہ وہ اس عہد کے سب سے طاقتور رومی بیڑے سے بڑھ گیا، چنانچہ ۳۱ھ میں جب قیصرِ روم نے چھ سو جہازوں کے ساتھ سواحلِ شام پر حملہ کیا تو امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح نے رومی بیڑے کو نہایت فاش شکست دی[2]، بحری بیڑے کے قیام کے بعد بحر روم مسلمانوں کی آماجگاہ بن گیا،

بنی امیہ تلوار کے دھنی اور بڑے شجاع اور اولو العزم تھے، اس لیے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قدرۃً فوجی صیغہ کو بڑی ترقی ہوئی، جس کی شاہد ان کے عہد کی فتوحات ہیں اگر درمیان میں سیاسی انقلاب نہ برپا ہو گیا ہوتا تو عہد عثمانی میں فتوحات کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۶ و فتوح البلدان ذکر فتح قبرص [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۵۰،

رفاہ عام کے کام عثمانی عہد میں رفاہ عام کے بھی بہت سے کام انجام پائے خصوصاً تعمیرات میں بڑا اضافہ ہوا، دفاتر کے لئے وسیع عمارتیں تعمیر ہوئیں، رعایا کی آسایش کے لئے سڑک، پل اور مسافر خانے بنوائے، کوفہ میں عقیل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر ایک وسیع مسجد بنوایا[1]، مدینہ اور نجد کی راہ میں ایک سرائے تعمیر کرائی، اور اس کے متعلق ایک بازار لبسایا، اور شیریں پانی کا ایک کنواں کھدوایا، اس کے علاوہ بیر سائب، بیر عام اور بیر عریس کئی کوئیں کھدوائے[2]،

بند نہر زور مدینہ، خیبر کی سمت سے نشیب میں ہے، اس لئے کبھی کبھی یہاں سیلاب آجاتا تھا، جس سے شہر کو بڑا نقصان پہنچتا تھا، حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر مدری کے قریب بند بندھوایا، اور نہر کھدوا کر سیلاب کا رخ دوسری طرف پھیر دیا، اس سے مدینہ کی آبادی بالکل محفوظ ہو گئی[3]،

مسجد نبویؐ کی تعمیر تعمیرات اور مذہبی خدمات کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا سب سے روشن کارنامہ مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع ہے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق اس کی توسیع کرائی تھی، مگر حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب یہ بھی ناکافی ثابت ہوئی، تو آپ نے ۲۹ھ میں اس کی دوبارہ تعمیر و توسیع کرائی، عمارت کے لئے چونا اور پتھر بطن نخل سے منگوایا، ساری عمارت میں منقش پتھر استعمال کئے، ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا گیا، حضرت عمرؓ کی تعمیر میں مسجد کا طول ایک سو چالیس گز اور عرض ایک سو بیس گز تھا، حضرت عثمانؓ نے طول میں بیس گز کا اور عرض میں ۳۰ گز کا اضافہ کیا[4]،

---

[1] طبری ص ۲۸۴۲ [2] وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۵۲ [3] ایضاً ۲۱۷ [4] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹، یعقوبی ج ۲ ص ۱۹۱، وفاء الوفاء میں اس تعمیر کی پوری تفصیل ہے،

مصحف صدیقی کی اشاعت مذہبی خدمات کے سلسلہ میں آپ کا سب سے اہم کارنامہ مسلمانوں کو ایک قرأت اور ایک مصحف پر متحد کرنا ہے، یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کتابی صورت میں کلام اللہ کی تدوین حضرت ابوبکرؓ ہی کے زمانہ میں ہو چکی تھی، لیکن اس کی اشاعت نہ ہوئی تھی، کلام اللہ کے بعض الفاظ کا املا اور ان کا تلفظ مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے چنانچہ مختلف صحابہ املا اور تلفظ مختلف طریقوں سے کرتے تھے، لیکن اس سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا[1]، اس لئے صحابہ میں اس خفیف اختلاف کی کوئی اہمیت نہ تھی، لیکن نومسلم عجمیوں میں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی، اس کی بڑی اہمیت ہو گئی، ہر مقام کے لوگ اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط سمجھنے لگے، حضرت حذیفہ بن یمانؓ ایک جہاد میں شریک ہوئے انہوں نے اہل عجم کا یہ اختلاف دیکھا تو انھیں خوف پیدا ہوا کہ کہیں قرآن میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے، چنانچہ انھوں نے واپس آکر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا، امیر المومنین! اگر جلد اس کا تدارک نہ کیا گیا تو عیسائیوں اور رومیوں کی طرح مسلمان بھی خدا کی کتاب میں اختلاف پیدا کر دیں گے، ان کے توجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ نے عہد صدیقی کا مدون کیا ہوا نسخہ جو حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ تھا منگایا اور اس کی نقلیں کرا کے تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں، اس کے علاوہ اور کلام اللہ کے جو نسخے تھے، انھیں تلف کرا دیا[2]، اس سے ساری دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ایک قرآن پر ہو گیا،

مؤذنوں کی تنخواہ مساجد کے لئے تنخواہ دار موذن مقرر کئے[3]،

متفرق واقعات خلیفۂ وقت کا ایک اہم فرض مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور ان کی اخلاقی اصلاح و

---

[1] یعنی بعض الفاظ ایک سے زیادہ طریقوں سے لکھے جا سکتے ہیں، اور اسی طریقہ سے اس کا تلفظ بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن اس سے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جیسے ملک یوم الدین اور مالک یوم الدین ہیں، [2] بخاری اور فتح الباری، باب جمع القرآن میں اس کی پوری تفصیل ہے [3] تاریخ الخلفاء ص ۱۶۴،

تربیت ہے، حضرت عثمانؓ مدینہ مین اس فرض کو بہ نفس نفیس انجام دیتے تھے، مسلمانون کو مذہبی مسائل بتاتے تھے انھین اس کی عملی تعلیم دیتے تھے جس کے واقعات حدیث کی کتابون مین ہین،

دولت کی فراوانی اور فارغ البالی کی وجہ سے اہلِ مدینہ مین لہو ولعب کے مشاغل پیدا ہو چلے تھے، چنانچہ کبوتر بازی اور غلیل بازی خوش حال لوگون کا دلچسپ مشغلہ ہوگیا تھا، حضرت عثمانؓ نے ان دونون مشاغل کو روک دیا،[1]

فضل وکمال | حضرت عثمانؓ خاص حاشیہ نشینانِ بساطِ نبوت مین تھے، اس لئے شیخین کی طرح آپ کی ذات بھی علم وعمل کا نمونہ تھی، کان ممن جمع بین العلم والعمل،[2]

آپ کو ابتدا سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا، چنانچہ زمانۂ جاہلیت سے آپ نوشت وخواند سے واقف تھے،[3]

تحریر مین مہارت کی وجہ سے کتابتِ وحی کی جلیل القدر خدمت آپ سے متعلق تھی،[4] تقریر وخطابت مین آپ کو کوئی خاص امتیاز نہ تھا، لیکن تحریر دلکش ہوتی تھی، آپ کی تحریر کے نمونے تاریخون مین مذکور ہین،

مذہبی علوم مین آپ کا پایہ بلند تھا،

کلام اللہ کے ساتھ خاص شغف تھا، اس کی تعلیم انھون نے خاص زبانِ نبوت سے حاصل کی تھی،[5] ایک ایک رکعت مین پورا قرآن ختم کردیتے تھے،[6] بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خود بھی کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا،[7] اس ذوق وشوق کی وجہ سے کلام اللہ پر آپ کی نظر بہت وسیع ہوگئی تھی،

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۱۶۵ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸ [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷ [4] ریاضۃ النضرہ تذکرہ عثمانؓ [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸ [6] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۳ [7] تاریخ الخلفاء ص ۱۰۸،

احادیث نبوی کے بھی ممتاز حافظ تھے، و روی جملة کثیرة من العلم[1] لیکن کلام رسول میں تغیر و تبدل کے خوف سے روایت بہت کم کرتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ احادیث بیان کرنے میں یہ امر مانع آتا ہے کہ ممکن ہے اور صحابہ کے مقابلہ میں میں حدیث کو زیادہ صحیح محفوظ نہ رکھتا ہوں، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف ایسا قول منسوب کرے گا، جو میں نے نہیں کہا ہے اس کو چاہئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنانے کے لئے تیار رہے،[2]

اس خطرہ سے آپ بہت کم روایتیں کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی مرفوع روایات کی کل تعداد ۱۴۶ ہے،

فقہ میں اگرچہ آپ کا پایہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے برابر نہ تھا، لیکن آپ بھی مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے، اور دوسرے صحابہ آپ کے اجتہاد سے استناد کرتے تھے،[3] آپ کے فقہی اجتہاد کے بہت سے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں ، علم فرائض میں آپ جماعت صحابہ میں ممتاز تھے، عہد صحابہ میں اس فن کے دو بڑے عالم مانے جاتے تھے، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عثمانؓ، انہی دونوں بزرگوں نے اس فن کو باقاعدہ مرتب کیا، شیخین کے عہد میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ اور اس کی مشکلات کو حل یہی دونوں کرتے تھے، اس عہد کے بزرگوں کا خیال تھا کہ اگر یہ دونوں اٹھ گئے تو علم فرائض کا خاتمہ ہو جائے گا،[4]

اخلاق و سیرت حضرت عثمانؓ عہد جاہلیت سے صاحب ثروت تھے، لاکھوں روپیہ کا تجارتی کاروبار تھا، لیکن زندگی کے کسی دور میں بھی آپ کا دامن تمول کے بُرے نتائج سے آلودہ نہ ہوا،

---

[1] مسند احمد ج ۱ ص ۶۵ [2] بخاری کتاب الغسل و مسند احمد بن حنبل وغیرہ [3] کنز العمال ج ۶ ص ۲، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۸

خشیتِ الٰہی اور رقتِ قلب

آپ نہایت رقیق القلب تھے، آپ کا دل ہمیشہ خوفِ الٰہی سے معمور رہتا تھا، جب کسی قبر کے پاس گذرتے تو اتنی رقت طاری ہوتی کہ روتے روتے داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی،[1]

مواخذۂ قیامت کا خوف

آخرت کے مواخذہ کا اتنا خوف غالب تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر مجھ کو یہ علم ہو کہ مجھے جنت ملے گی یا دوزخ تو میں اس کا فیصلہ ہونے کے مقابلہ میں خاک ہو جانا پسند کروں گا،[2] اس خوف کا اثر آپ کے ہر عمل میں نمایاں تھا،

حضرت عثمانؓ کے ساتھ محبت نبویؐ

حضرت عثمانؓ کے ساتھ گونا گوں تعلقات اور آپ کے خدمات اسلامی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ساتھ خاص تعلق تھا، اس تعلق کی بنا پر آپؐ نے دو مرتبہ ان کو شرف مصاہرت سے سرفراز فرمایا اور اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کو آپ کے ساتھ بیاہ دیا، لیکن یہ دولت بہت جلد آپ سے چھن گئی، حضرت عثمانؓ کو اس کا بڑا قلق تھا، ان کی پریشانی دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا عثمانؓ کیا حالت ہے، عرض کی بابی انت و امی یا رسول اللہ، اس سے بڑھ کر مصیبت کیا ہو سکتی ہے کہ ذات نبویؐ سے میرا رشتہ منقطع ہو گیا، یہ سن کر آپؐ نے ان کی تسکین خاطر کے لئے دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا عقد ان کے ساتھ کر دیا، اور فرمایا اگر میرے سو لڑکیاں ہوتیں اور وہ مرتی جاتیں تو میں برابر یکے بعد دیگرے عثمانؓ کے ساتھ بیاہتا چلا جاتا،[3]

محبتِ رسولؐ

حضرت عثمانؓ کو بھی ذات رسالت کے ساتھ والہانہ شیفتگی تھی، آپؐ کی رضا جوئی کے لئے اپنی کل کائنات نثار کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ تکلیف کو دیکھ کر تڑپ جاتے تھے، ایک مرتبہ اہلِ بیت نبویؐ پر کئی دن فقر و فاقہ میں گذر گئے،

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۲، [3] ایضاً ص ۳۷۵، [3] ایضاً، اس میں دو روایتوں کو یکجا کر دیا گیا ہے،

گذر گئے، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو بے چین ہو کر رونے لگے، اور اسی وقت کئی بورے گیہوں، آٹا، کھجور، بکری کا گوشت اور تین سو نقد لے جا کر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ جب اس قسم کی ضرورت پیش آئے تو عثمان کو یاد فرمایا جائے،[1]

احترام رسول

ذات نبویؐ کا اتنا احترام تھا کہ جس ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی اسے تا عمر محل نجاست سے مس نہیں کیا،[2]

اتباع سنت و پاس فرمان رسول

اس محبت و احترام کا یہ فطری نتیجہ تھا کہ آپ کی زندگی سرتاپا اتباع سنت میں ڈوبی ہوئی تھی، آپ کا فرمان ہر دم و ہر لحظہ پیش نظر رہتا تھا آپ کے اتباع سنت کے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، آپ کے فرمان کا اتنا لحاظ رکھا، کہ جان دے دی، لیکن دشمنوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے،

انفاق فی سبیل اللہ

آپ کا طغرائے امتیاز راہ خدا میں فیاضی ہے، جیسا خدا نے آپ کو غنی بنایا تھا، ویسے ہی آپ نے اس کی راہ میں بے دریغ دولت لٹائی، اس کے واقعات اوپر گذر چکے ہیں، دو لاکھ اشرفی مالیت کی مستقل جائداد راہ خدا میں وقف کی تھی،[3]

فیاضی

آپ طبعاً فیاض و سیر چشم تھے، سیکڑوں بیواؤں، یتیموں اور اپنے غریب اعزہ کی پرورش کرتے تھے، ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے،[4] آپ کی غیر معمولی فیاضی ہی کی وجہ سے آپ کے دشمنوں کو آپ کے خلاف غلط واقعات مشہور کرنے کا موقع ملا،

حیا

آپ کا دوسرا امتیازی وصف حیا ہے، آپ طبعاً اتنے با حیا تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی حیا کا لحاظ فرماتے تھے، ایک مرتبہ آپ چند صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے، اور زانوئے مبارک سے کپڑا ہٹا ہوا تھا، آپ نے اسے بند نہ کیا، تھوڑی دیر میں

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۶ [2] ابن سعد ج ۳ ق ۱ تذکرہ عثمانؓ [3] ایضاً ص ۵۳ [4] نزہۃ الابرار قلمی،

حضرت عثمانؓ تشریف لائے، انھیں دیکھ کر آپ نے کپڑا برابر کر لیا، صحابہؓ نے اس کا سبب پوچھا فرمایا کہ عثمان کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں[1]،

صبر و تحمل تیسرا وصف صبر و تحمل اور عفو و درگذر ہے، آپ حلم و عفو کا پیکر تھے، آپ میں اس وصف کا اتنا غلبہ تھا کہ لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے، اموی عمال کی بے عنوانیاں آپ کے اسی وصف کا نتیجہ تھیں، کسی حالت میں بھی حلم و صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا، آپ کے خلاف کتنا طوفان بپا ہوا، مخالفین نے رُو در رُو گستاخیاں کیں، لیکن اس پیکرِ حلم نے سوا صبر و تحمل کے کوئی جواب نہ دیا، اگر آپ چاہتے تو باغیوں کے خون کی ندیاں بہ جاتیں، لیکن آپ نے جان دے دی مگر صبر و حلم کے جادہ مستقیم سے نہ ہٹے،

تواضع آپ کے پاس لونڈی غلاموں کی کمی نہ تھی، لیکن اپنے کاموں کے لئے ان کی راحت میں خلل نہ ڈالتے تھے، شب کو تہجد کے وقت کسی غلام کو نہ جگاتے، خود ہی پانی لے کر وضو کر لیتے، عرض کیا گیا، آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں، کسی غلام کو جگا لیا کیجئے، فرمایا رات کا وقت ان کے آرام کے لئے ہے[2]،

ذریعۂ معاش حضرت عثمانؓ قریش بلکہ عرب کے دولتمند ترین لوگوں میں تھے، لاکھوں تک کا آپ کا تجارتی کاروبار تھا، اپنی غیر معمولی ثروت کی وجہ سے غنی کہلاتے تھے، نقدی دولت کے علاوہ متعدد علاقے تھے، خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جاگیر عطا فرمائی تھی، اس کے علاوہ آپ نے بعض زمینیں خریدی تھیں، آپ کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ زندگی میں لاکھوں روپیہ صرف کرنے کے بعد بھی شہادت کے وقت علاوہ جائداد کے پینتیس ۳۵ لاکھ درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار نقد چھوڑے[3]،

---

[1] بخاری مناقب عثمانؓ [2] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۴۱ [3] ایضاً ص ۵۳،

غذا ولباس آپ شروع سے لے کر آخر تک دولت وثروت کے گہوارہ میں رہے، زندگی کے کسی دور میں عسرت وتنگدستی سے سابقہ نہ پڑا تھا، اس لئے سخت اور پر محن زندگی کے عادی نہ تھے، آرام وآسایش کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، خوش خوراک وخوش لباس تھے، دسترخوان وسیع تھا، لیکن اس میں زیادہ اہتمام نہ تھا، اچھے لباس کے ساتھ معمولی کپڑے بھی پہنتے تھے، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کل چار پانچ درہم کی تہمد میں مسجد آتے تھے،[1]

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۶۹۶

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۳۵ھ تا ۴۰ھ

مطابق ۶۵۶ء تا ۶۶۱ء

ترجمہ ابن ابی طالب

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علی بن ابی طالب خلیفہ ہوئے، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی تھے، آپ کے خاندان بنی ہاشم کو کعبہ کی تولیت کی وجہ سے سارے عرب مین مذہبی سیادت حاصل تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی چچا تھے، لیکن آپ کو جو تعلق خاطر حضرت علیؓ کے والد ابو طالب کے ساتھ تھا، وہ کسی کے ساتھ نہ تھا، ابو طالب اس زمانہ مین جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرف سے مشرکین مکہ کے نرغہ مین گھرے ہوئے تھے، آپ کی حمایت اور پشت پناہی کرتے تھے، ان کی بیوی یعنی حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بھی آپ پر بڑی شفقت کرتی تھیں، اس لئے آپ کو ابو طالب اور ان کی اولاد کے ساتھ خاص انس و محبت تھی،

ابو طالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا کا بار ہلکا کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو اپنے دامنِ پرورش مین لے لیا تھا، اس طرح ابتدا ہی سے حضرت علیؓ نے آغوش نبوت مین پرورش پائی، اسی کا یہ اثر تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول اول اسلام کی دعوت دی، تو سب سے پہلے اسی نو عمر لڑکے نے لبیک کہا، چونکہ حضرت علیؓ کو ابتدا ہی سے تربیت صالحہ ملی تھی، اس لئے زمانۂ جاہلیت کی تمام آلودگیون سے آپ کا دامن محفوظ رہا،

قبولِ اسلام کے بعد حضرت علیؓ وعظ و پند کے جلسون اور تبلیغِ اسلام کے مجمعوں مین ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، بعثت کے چوتھے سال جب قریبی اعزہ کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا حکم نازل ہوا، اور آپؐ نے اس کی تعمیل کے لئے کوہِ صفا پر اپنے خاندان والوں کو جمع کیا، اور ان سے فرمایا کہ "اے بنی مطلب! مین تمھارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہون، تم مین سے کون میرا ساتھ دیتا ہے، اور کون میرا معاون و مددگار بنتا ہے، تو اس کے جواب مین صرف ایک آواز آئی کہ "گو مین عمر مین چھوٹا ہون، اور میری ٹانگین کمزور ہین تاہم مین آپ کا معاون و مددگار اور قوتِ بازو ہون گا" یہ آواز علی بن ابی طالبؓ کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا، اس کے جواب مین ہر مرتبہ علی ہی کی آواز آئی، اس صلہ مین آپؐ نے ان کو یہ اعزاز بخشا کہ "تم میرے وارث اور بھائی ہو" یہ صرف زبانی دعویٰ نہ تھا، عمل کچھ اس سے بڑھ کر بھی تھا، ہجرت کے واقعات مین تم اس کی تفصیل پڑھ چکے ہو،

مدینہ آنے کے بعد ۲ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا، اس وقت سے حضرت علیؓ کی مستقل زندگی شروع ہوئی، ہجرتِ مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت علیؓ ان تمام غزوات، بدر، احد، خندق، بنی قریظہ اور حنین وغیرہ مین کارہاے نمایان دکھائے، جن کی تفصیلات اوپر گذر چکی ہین، اس لئے یہان ان کے اعادہ کی ضرورت نہین، متعدد سرایا آپ کی ماتحتی مین بھیجے گئے، جنھین آپ نے کامیابی کے ساتھ سرانجام کو پہنچایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری خدمت یعنی آپ کے غسل اور تجہیز و تکفین وغیرہ کی سعادت بھی آپ ہی کے حصہ مین آئی، غرض شروع سے آخر تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو رہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے ساتھ گوناگون تعلقات و خصوصیات

کی بنا پر حضرت علیؓ قدرۃً خلافتِ نبویؐ کے متوقع تھے، اس لئے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب سے آپ کو آزردگی پیدا ہوئی، لیکن پھر بہت جلد دور ہوگئی، اور آپ دونون خلفاء کے دور مین مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے، حضرت عمرؓ کو خصوصیت کے ساتھ آپ کے مفید مشورون پر بڑا اعتماد تھا، آپ نے اپنے مشورون سے خلافتِ اسلامیہ کو بہت فائدہ پہنچایا، جب تک بس چلا، حضرت عثمانؓ کی بھی حمایت کرتے رہے، ان سب کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے،

خلافت

بیعت خلافت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی، مدینہ مین شورِ قیامت بپا تھا، ہر طرف باغی چھائے ہوئے تھے، لیکن خلافت کا انتظام بہرحال ضروری تھا، اس وقت اکابر صحابہ مین ایک حضرت علیؓ ہی کی ذات ایسی تھی جس پر سب کا اتفاق ہوسکتا تھا، چنانچہ مہاجرینؓ و انصارؓ جن مین حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی تھے، آپ کی خدمت مین حاضر ہوکر عرض کیا کہ خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے، حضرت علیؓ نے یہ اشارہ سمجھ کر جواب دیا کہ مجھ کو اس کی حاجت نہین، جسے تم منتخب کروگے، مین بھی اسے قبول کرون گا، ان لوگون نے عرض کیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا اس منصب کا مستحق نہین ہے، اس لئے آپ کے علاوہ ہم کسی دوسرے کو منتخب ہی نہیں کرسکتے، حضرت علیؓ نے پھر عذر کیا، کہ امیر ہونے کے مقابلہ مین مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے، آخر مین لوگون نے پھر عرض کیا کہ ہم لوگ آپ ہی کے ہاتھ بیعت کرین گے، غرض مسلمانون کے اصرار سے مجبور ہوکر اور امتِ اسلامیہ کے مفاد کا لحاظ کرکے آپ نے قبول فرمایا، اور مجمعِ عام مین مسلمانون نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی،[1] اس بیعت مین مدینہ کے

---

[1] طبری ص ۳۰۶۶، ابن اثیر ج ۳ ص ۶۷،

تمام ممتاز صحابہ شریک تھے،[1] بیعت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ نے مسند خلافت پر قدم رکھا۔

قاتلین عثمانؓ کی تلاش میں ناکامی اور اس کے نتائج

بیعت خلافت کے بعد حضرت علیؓ کے لئے سب سے اہم مرحلہ اور آپ کا سب سے مقدم فرض، حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان سے قصاص لینا تھا، لیکن چند در چند اسباب کی بنا پر اس میں ناکامی ہوئی، حضرت علیؓ کی جانب سے اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی گئی، لیکن دشواری یہ تھی کہ متعین طور سے کسی شخص کے خلاف شہادت موجود نہ تھی، حادثۂ شہادت کے وقت گھر میں صرف حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہ تھیں وہ ایک پردہ نشین خاتون تھیں گھر میں گھسنے والوں میں وہ صرف محمد بن ابی بکرؓ کو پہچانتی تھیں لیکن وہ حضرت عثمانؓ کے ایک جملہ سے محجوب ہو کر لوٹ گئے تھے، اور قتل میں شریک نہ تھے، ان کے علاوہ نائلہؓ اور کسی کو نہ پہچانتی تھیں، پھر قاتل جس گروہ سے تعلق رکھتے تھے، حضرت علیؓ کا اس پر کوئی قابو نہ تھا، اس لئے حضرت علیؓ مجبور ہو گئے، لیکن حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت کا دلوں پر اتنا اثر تھا کہ عوام تو عوام بہت سے اکابر صحابہ تک صرف قصاص چاہتے تھے، اور حضرت علیؓ کی مجبوریوں پر ان کی نظر نہ جاتی تھی، چنانچہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور چند صحابہؓ نے حضرت علیؓ سے جا کر کہا کہ عثمانؓ کے قتل میں جو جماعت شریک ہے، اس سے قصاص لینا ضروری ہے، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو، میں اس سے غافل نہیں ہوں، لیکن ایسی جماعت کے ساتھ کیا کروں جس پر میرا کوئی قابو نہیں ہے،[2]

بدقسمتی سے قاتل جس جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اس نے حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی تھی، اس لئے آگے چل کر صحابہؓ کو خود اپنے طور پر اس سے قصاص لینے کا خیال پیدا ہو گیا، جس کے نتیجہ میں جنگ جمل ہوئی، جس کے حالات آیندہ آئیں گے،

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۲۰ [2] طبری ص ۱

امیر معاویہ کی معزولی اور ان کی بغاوت

حضرت علیؓ کے لئے یہ ایک دشوار مرحلہ تو تھا ہی کہ آپ کی بعض سیاسی فروگذاشتون سے ایک دوسری نازک صورت پیدا ہوگئی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ عثمانی عہد کے اکثر عمال خصوصاً حضرت امیر معاویہؓ والی شام کے سخت خلاف تھے، اس لئے تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ نے ان سب کو معزول کر دینے کا فیصلہ کر لیا، آپ کے عاقبت اندیش خیر خواہون نے اس کی مخالفت کی، مغیرہ بن شعبہؓ نے جو سیاست و تدبر مین امیر معاویہؓ کے ہم پایہ تھے، حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ ابھی آپ معاویہ اور دوسرے عثمانی عمال کو ان کے عہدون سے نہ ہٹایئے، جب وہ بیعت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کر لین، اس وقت جو دل مین آئے کیجئے گا، لیکن حضرت علیؓ نے نہایت سختی سے انکار کیا، حضرت ابن عباسؓ کو خبر ہوئی تو انھون نے بھی سمجھایا کہ ابھی معاویہ کو معزول نہ کیجئے، اگر وہ اپنے عہدہ پر قائم رہین گے تو پھر انھین اس کی پروا نہ ہوگی کہ کون خلیفہ ہے، لیکن اگر وہ معزول کر دئے گئے، تو عثمانؓ کے قصاص کی دعوت لے کر اٹھ کھڑے ہون گے، اور سارے شام و عراق کو آپ کے خلاف کر دین گے، لیکن حضرت علیؓ نے ان کا مشورہ بھی قبول نہ فرمایا[1]، اور ۳۶ھ مین تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے ان کی جگہ نئے عمال مقرر کئے، اسی سلسلہ مین شام پر سہیل بن حنیف کا تقرر ہوا، اور وہ شام روانہ ہوگئے،

امیر معاویہؓ خود بڑے مدبر تھے، پھر بیس ۲۰ بائیس ۲۲ سال سے شام کے والی چلے آرہے تھے، یہان ان کا بڑا اثر تھا، انھین معزول کرنا آسان نہ تھا، چنانچہ انھون نے سہیل بن حنیف کو شام کے حدود مین داخل ہونے نہ دیا، اور شام کی سرحد تبوک ہی سے واپس کر دیا[2]،

امیر معاویہؓ کو معزول کرنے کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے ان کے پاس بیعت کے لئے علیحدہ ایک خط لکھا تھا، اس وقت بڑے بڑے صحابہ حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت خصوصاً آپ کے

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۰، و اخبار الطوال ص ۱۵۱ [2] طبری ص ۳۰۸۳ و ۳۰۸۴ ،

قانون کا پتہ نہ چلنے سے سخت متاثر تھے، امیر معاویہؓ نے اس سے فائدہ اٹھایا، اور مدینہ سے حضرت عثمانؓ کا خون آلود پیراہن اور نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں منگا کر دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر آویزاں کرا دیں، اس سے شام کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے، لوگ جوق درجوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار زار روتے تھے،

امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے قاصد کو روک لیا تھا، یہ منظر دکھانے کے بعد واپس کیا اور اس کے ہمراہ اپنا قاصد ایک سادہ لفافہ دے کر حضرت علیؓ کے پاس بھیجا، آپ نے اسے کھولا تو کچھ نہ تھا، آپ کو حالات کا کچھ اندازہ ہو چلا تھا، قاصد سے پوچھا شام میں کیا حال ہے؟ اس نے کہا وہاں کے ساٹھ ہزار شیوخ عثمانؓ کے پیراہن پر رو رہے ہیں، اور قصاص لینے کا عہد کر چکے ہیں، اس وقت حضرت علیؓ کے سامنے حقیقت واضح ہوئی، آپ نے فرمایا، خدایا میں عثمان کے خون سے بری ہوں[1]

امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں

اب حضرت علیؓ کو واقعات کا پورا اندازہ ہو گیا، اور آپ نے امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں، یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں بے نیام ہونے والی تھیں، اس لئے اکثر صحابہؓ اس کی شرکت کے بارہ میں متردد تھے، بہتوں نے اس کی مخالفت کی یا کم از کم غیر جانبدار رہے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ ابن عمرؓ اور محمد بن مسلمہؓ وغیرہ نے کسی کا ساتھ نہیں دیا، حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ مجھے تم لوگوں کی جانب سے ناپسندیدہ خبریں ملی ہیں، کیا واقعہ ہے؟ حضرت سعد بن ابی وقاص نے فرمایا اگر اس جنگ میں آپ میری شرکت چاہتے ہیں تو ایسی تلوار عنایت کیجئے جو کافر و مسلم میں امتیاز کرے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا، کہ آپ ایسی چیز میں شرکت کے لئے مجھ کو مجبور نہ کیجئے جس کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ میں نہیں کر سکا، حضرت محمد بن مسلمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] طبری ص ۳۰۹۱،

نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اپنی تلوار کو مشرکون کے مقابلہ مین استعمال کرون، اور جب مسلمانون سے جنگ کا وقت آئے تو اس کو کوہِ احد کے پتھر پر ٹپک کر توڑ دون، چنانچہ کل مین نے اس کو توڑ دیا[1]

حضرت اسامہ بن زیدؓ نے فرمایا کہ مجھے اس مین شرکت سے معاف رکھا جائے مین نے عہد کیا ہے کہ کلمۂ شہادت پڑھنے والے سے جنگ نہ کرون گا[1]، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے، غرض بہت سے ممتاز صحابہؓ نے اس مین شرکت سے احتراز کیا، تاہم بعضون نے اپنے خدمات بھی پیش کین،

اصلاح و قصاص کے لئے حضرت عائشہؓ کی آمادگی

ابھی حضرت علیؓ امیر معاویہؓ سے مقابلہ کرنے کی تیاریون مین مصروف تھے کہ دوسری طرف اس سے بھی زیادہ سخت اور نازک صورتِ حال پیدا ہو گئی،

حضرت عائشہؓ ہر سال حج کے لئے تشریف لیجایا کرتی تھین، چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے زمانہ مین وہ مکہ ہی مین تھین، یہین آپ کو واقعۂ شہادت کی اطلاع اور اس کے بعد پیہم مدینہ مین بدامنی کی خبرین ملین، مکہ سے واپسی مین راستہ مین آپ کے ایک قریبی عزیز نے اطلاع دی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے، حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی، اور مدینہ مین بدامنی بپا ہے،[2] یہ اطلاع پا کر آپ مکہ لوٹ گئین، اس کے بعد ہی حضرت طلحہؓ و زبیرؓ پہنچ گئے، انھون نے بیان کیا کہ ہم لوگ بدوون اور عوام الناس کے ہاتھون بھاگے چلے آرہے ہین، مدینہ مین لوگ حیران و سرگردان ہین، ان کا حال یہ ہے کہ نہ حق کو پہچان سکتے ہین اور نہ باطل سے گریز کر سکتے ہین، اور نہ ان مین اپنی حفاظت کی طاقت ہے،[3]

یہ حالات سن کر حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کے خونِ بے گناہی کے قصاص در فتنہ و

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۵۲ [2] طبری ص ۳۰۹۸ [3] ایضاً ۳۰۹۹،

فساد کی اصلاح کی دعوت دی، آپ کے واپس آنے کی خبر سن کر بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تھے، آپ نے ان کے سامنے ایک مختصر تقریر کی،

"لوگو! مختلف ملکون کے عوام، اجنبیون اور اہل مدینہ کے غلامون نے چند معمولی باتون پر اس شخص (حضرت عثمانؓ) کو مظلوم شہید کر دیا، ان کے پاس اس فعل کی کوئی حجت نہ تھی، انھون نے سرکشی کر کے حرام خون بہایا، بلد حرام اور شہر حرام کو حلال کیا، ناجائز طریقہ سے دوسرے کے مال پر قبضہ کیا، خدا کی قسم عثمان کی ایک انگلی ان کے جیسے سارے روے زمین کے عوام سے بڑھ کر ہے،

مین اس لئے واپس آئی ہون کہ عثمان مظلوم شہید کر دئے گئے، اس شور و غوغا اور فتنہ و فساد کی اصلاح اس طرح نہ ہوگی، عثمان کے خون کا قصاص لیکر اسلام کو معزز کرو[1]

ام المومنین کی زبان سے خلیفۂ مظلوم کے قصاص کی دعوت پر سیکڑون بلکہ ہزارون مسلمان سرفروشی کے لئے آمادہ ہوگئے، سب سے پہلے عبد اللہ بن عامر حضرمی والی مکہ نے اس دعوت کا جواب دیا، اموی خاندان کے وہ تمام افراد جو مکہ بھاگ آئے تھے، ساتھ ہوگئے، ایک رئیس یعلی بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم نقد پیش کئے، عبد اللہ بن عامر نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس دعوت مین شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سواری اور زاد راہ کا سامان نہ ہو اس کو پورا سامان دیا جائے گا، چنانچہ چھ سو سواریون اور ان کے پورے اخراجات کا انتظام کیا، حرمین کے ایک ہزار آدمیون نے ساتھ دیا، اور شرفار کی مجموعی تعداد تین ہزار ہوگئی، ان کے علاوہ تمام امہات المومنینؓ ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہوگئین،[2]

اس تیاری کے بعد حضرت عائشہؓ کی راے تھی کہ اصل مقصد مدینہ کے حالات کی اصلاح

---

[1] طبری ص ۳۰۹۷ و ۳۰۹۸ ملخصاً [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۹۰،

ہے، اور سبائی جماعت اور قاتلین عثمان کا گروہ بھی وہین ہے، اس لئے سیدھے مدینہ چلنا چاہئے، کچھ لوگون کا مشورہ شام چلنے کا تھا، لیکن آخر مین بصرہ جانے کی رائے قرار پائی، مدینہ جانے مین امہات المومنین بھی ساتھ دینے کے لئے آمادہ تھین، لیکن بصرہ کا ارادہ ہونے کے بعد انھون نے ارادہ ترک کردیا، صرف حضرت حفصہؓ نے یہان بھی ساتھ دینا چاہا، لیکن ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روک دیا،

درحقیقت مسلمانون کے لئے یہ بڑی آزمایش کا وقت تھا، یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانون کی تلوارین مسلمانون کے مقابلہ مین بے نیام ہونے والی تھین، اس لئے محتاط بزرگ اس مین شرکت پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جب شرکت کی دعوت دی گئی تو انھون نے انکار کیا اور کہا کہ مین اہل مدینہ کے ساتھ ہون، جو وہ کرین گے، ان کی تقلید کرون گا، یہ مسئلہ ایسا نازک تھا کہ محتاط لوگ بھی کوئی فیصلہ نہ کرسکتے تھے، ایک طرف ام المومنینؓ تھین، مظلوم اور شہید خلیفہ کے خون بے گناہی کی دعوت تھی، دوسری طرف خلیفۂ وقت علی مرتضیٰؓ تھے،

بصرہ کی روانگی

غرض سفر ۳۵ھ مین حضرت عائشہؓ مدینہ سے روانہ ہوگئین، رخصت ہوتے وقت مسلمان اسلام کی اس نازک گھڑی پر زار زار روتے تھے، طبری کے یہ الفاظ ہین کہ "اس دن مسلمان اسلام پر اتنا روئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ روئے تھے" اور اس دن کا نام ہی یوم النحیب یعنی یوم گریہ پڑ گیا،[1]

جس وقت حضرت عائشہؓ مدینہ سے نکلی ہین، چپ و راست مسلمانون کا ہجوم تھا، جیسا کہ عموماً ایسے مواقع پر ہوا کرتا ہے،[2] اس ہجوم مین مخلص مسلمانون کے ساتھ بہت سے مفسد بھی شامل ہوگئے تھے، جن کا کام جنگ کی آگ کو بھڑکانا تھا،

---

[1] طبری ص ۳۱۱۴ [2] اخبار الطوال ص ۱۵۳

راستہ مین حواب کے چشمہ پر قافلہ پہنچا تو حضرت عائشہؓ نے کتون کے بھونکنے کی آوازین سنین، پوچھا یہ کون چشمہ ہے، معلوم ہوا حواب، یہ سن کر فرمایا مجھے یہین سے واپس کردو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم ان مین سے نہ ہونا جن پر حواب کے کتے بھونکین گے، لیکن چالیس آدمیون نے قسم کھا کر شہادت دی کہ حواب کا چشمہ نہین ہے، اس وقت حضرت عائشہؓ آگے بڑھین،[1] بصرہ کے قریب پہنچین تو عثمان بن حنیف نے جو حضرت علیؓ کی جانب سے بصرہ کا حاکم تھا، عمران بن حصین اور ابو الاسود دولی کو تحقیق حال کے لئے بھیجا، انھون نے حاضر ہوکر دائی بصرہ کی جانب سے آنے کا سبب دریافت کیا، ان کے جواب مین حضرت عائشہؓ نے یہ تقریر فرمائی :-

"خدا کی قسم میرے رتبہ کے لوگ اپنے ارادہ کو نہین چھپاتے، اور نہ کوئی مان اپنے بیٹون سے کوئی حال چھپاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ عوام اور جھگڑالو لوگون نے حرم رسول (مدینہ) پر حملہ کیا، اور اس مین فتنہ و فساد بپا کرکے اور فتنہ پردازون کو پناہ دے کر اپنے کو خدا اور رسول کی لعنت کا مستحق بنا لیا، انہون نے بے سبب اور بے گناہ امام المسلمین کو شہید کیا، معصوم خون بہایا، اس مال کو لوٹا جو ان کے لئے حرام تھا، مقدس شہر اور مقدس مہینہ کی بے حرمتی کی، لوگون کی آبرو ریزی کی، مسلمانون کو مارا، ان کے گھرون مین زبردستی گھس گئے، جو ان کے رکھنے کے روادار نہ تھے، انھون نے نقصان پہنچایا، مسلمانون مین نہ ان سے بچنے کی طاقت ہے، اور نہ وہ ان سے محفوظ ہیں، مین مسلمانون کو لے کر اس لئے نکلی ہون کہ لوگون کو بتاؤن کہ ان سے مسلمانون کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے، خدا فرماتا ہے لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (لوگون کی بہت سی

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۰۔

سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے، مگر یہ کہ خیرات اور عام نیکی کا حکم دیں، اور لوگوں کے درمیان اصلاح کریں) ہم اصلاح کے لئے اٹھے ہیں، جس کا خدا اور رسول نے ہر چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے، یہ ہے ہمارا وہ نیک مقصد جس پر تم کو آمادہ کر رہے ہیں، اور جس کی برائی سے تم کو روکنا چاہتے ہیں،[1]

یہ جواب سن کر عثمان بن حنیف کے ایک قاصد عمران بن حصین ان جھگڑوں سے الگ ہو کر گھر بیٹھ گئے، اور عثمان نے بزور حضرت عائشہؓ کو روکنے کا ارادہ کیا، بعض لوگوں نے سمجھایا کہ تمہارے اس طرز عمل سے ایسی نازک صورت پیدا ہو جائے گی کہ پھر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی، جب تک علیؓ نہ آجائیں اس وقت نرمی اور صلح و آشتی سے کام لینا چاہئے، لیکن عثمان نے یہ مشورہ قبول نہ کیا، اور فوج کو تیاری کا حکم دے کر مقابلہ کے لئے نکلا، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی مقابلہ کے لئے بڑھے، اس موقع پر حضرت عائشہؓ نے پھر ایک تقریر کی،۔

"لوگ عثمان پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے عہدہ داروں کی برائیاں بیان کرتے تھے، اور مدینہ آکر ہم سے شکایتیں بیان کر کے مشورہ چاہتے تھے، ہم ان شکایتوں پر غور کرتے تو عثمان کو نیکوکار، پرہیزگار، اور راست باز اور شکایت کرنے والوں کو گنہگار غدار اور جھوٹا پاتے تھے، ان کے دل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ، جب ان کی تعداد اور قوت بڑھ گئی تو عثمان کے گھر میں گھس گئے، اور بغیر کسی سبب اور عذر کے معصوم خون بہایا، قابل عزت شہر کی بے حرمتی کی،

خبردار ہو جاؤ کہ جو کام تمہیں کرنا ہے، اور جس کے خلاف کرنا نامزا ہے، وہ عثمان کے قاتلوں کی گرفتاری اور کتاب اللہ کے احکام کا اجراء ہے خدا فرماتا ہے الم تر

[1] طبری ص ۳۱۱۶،

اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتَابِ یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ (یعنی کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ کتاب اللہ کی جانب ان کو دعوت دی جاتی ہے")[1]

سامعین کے دلوں پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ خود عثمان بن حنیف کی فوج کے ایک حصہ نے یہ کہہ کر کہ ام المومنین سچ فرماتی ہیں، اس کا ساتھ چھوڑ دیا[2]

لیکن عثمان اس وقت بھی اپنے ارادہ سے باز نہ آیا، اور حضرت علیؓ کے آنے سے پہلے ہی جنگ ہوگئی، عثمان شکست کھا کر گرفتار ہوا، پھر حضرت عائشہؓ کے حکم سے رہا کر دیا گیا، عثمان کے شکست کھانے کے بعد اس کی جماعت کے بہت سے سبائی اور قاتلین عثمانؓ کی جماعت کے آدمی پکڑ کر قتل کر دیے گئے، اس سے بصرہ میں ایک جماعت حضرت عائشہؓ کے خلاف ہوگئی،[3]

حضرت علیؓ کی تیاریاں اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت علیؓ امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے، کہ آپ کو حضرت عائشہؓ کے قصاص عثمانؓ کی دعوت اور آپ کے بصرہ جانے کی خبر ملی، یہ اطلاع پاکر آپ نے امیر معاویہؓ کے مقابلہ کا ارادہ فی الحال ملتوی کر دیا،

حضرت علیؓ کے لئے بھی یہ مسئلہ نہایت نازک تھا، اگر وہ خاموش رہتے تھے تو نظام خلافت پر اثر پڑتا تھا، اور نکلتے تھے تو ام المومنینؓ کا مقابلہ تھا، لیکن قیام نظم کے لئے نکلنا ناگزیر تھا، پھر آپ کو یہ بھی معلوم تھا، کہ کچھ مفسد بھی ہوا خواہی کے پردہ میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہو گئے ہیں، اس لئے ان کے شر کو دبانے کے لئے آپ کو چار و ناچار مقابلہ کا عزم کرنا پڑا، لیکن جیسا کہ آئندہ واقعات سے معلوم ہوگا کہ آخر تک آپ صلح و آشتی اور اصلاح کے خواہاں رہے، حضرت عائشہؓ کی بھی یہی کوشش تھی، لیکن فتنہ پرستوں نے کامیاب نہ ہونے دیا،

---

[1] طبری ص ۳۱۱۹ و ابن اثیر ج ۳ ص ۸۳ [2] ایضاً ص ۳۱۲ [3] اس جنگ کی تفصیلات طویل ہیں ہم نے صرف نتیجہ لکھ دیا ہے،

محتاط صحابہ کی روش | حضرت عائشہؓ کی طرح حضرت علیؓ کے لئے بھی یہ دشواری تھی کہ اکثر محتاط اہلِ مدینہ اور اکابر صحابہ اس خانہ جنگی کے خلاف تھے، اور کم از کم خود اس میں شرکت کرنا پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ جس وقت آپ نے بصرہ جانے کا عزم کیا، تو اہلِ مدینہ نے اس میں شرکت سے اپنا پہلو بچایا، فاشتد الامر علی اھل المدینة فتثاقلوا[1] یعنی اہلِ مدینہ کے لئے یہ مسئلہ بہت مشکل ہوگیا اور انھوں نے پہلو بچایا،

حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کو بلا کر ان سے فرمایا کہ میرا ساتھ دو، انھوں نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہؓ کو دے چکے تھے، کہ میں اہلِ مدینہ کے ساتھ ہوں، جو وہ کریں گے وہی میں بھی کروں گا، اہلِ مدینہ کہتے تھے کہ "یہ مسئلہ مشتبہ ہے، ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا جب تک بالکل واضح نہ ہو جائے، ہم اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے[2]"،

مدینہ سے روانگی | تاہم کچھ انصار اور چند بدری صحابہ نے ساتھ دیا، اور حضرت علیؓ ربیع الاول ۳۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے، حضرت عبداللہ بن سلام صحابی کو خبر ہوئی تو انھوں نے حاضر ہو کر آپ کی سواری کی لگام تھام لی، اور عرض کیا امیر المومنین! آپ مدینہ سے نہ نکلئے، اگر اس وقت نکلے تو خدا کی قسم پھر آپ یہاں واپس نہ آئیں گے اور مدینہ سے مرکزِ حکومت نکل جائے گا، لیکن اب صورتِ حال ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ ان کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی،

مدینہ سے روانگی کے وقت حضرت علیؓ کے ساتھ سات سو آدمی تھے، جن میں زیادہ تعداد اہلِ کوفہ اور بصرہ کی تھی، لیکن راستہ میں برابر لوگ ساتھ ہوتے گئے[3]،

کوفہ اور بصرہ کی مدد | ذی قار پہنچ کر آپ نے منزل کی، اور کوفہ اور بصرہ سے مدد کے لئے دعاۃ بھیجے، اور اہلِ کوفہ کو لکھا کہ ہمارا مقصد اصلاح ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس امت میں پھر قوت و وحدت پیدا ہو جائے[4]

---

[1] طبری ص ۳۰۹۳ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۳۱۰۶ [4] ایضاً ص ۳۱۰۴،

حضرت امام حسنؓ، عمار بن یاسرؓ اور ہاشم بن عتبہ وغیرہ کوفہ پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ وعظ و پند کے ذریعہ لوگوں کو جنگ میں شرکت سے روک رہے ہیں، کہ لوگو! میرا کہنا مانو تم عرب کی بیخ و بنیاد بن جاؤ، کہ مظلوم تمہارا سہارا پکڑیں، اور خوفزدہ تمہارے دامن میں پناہ لیں لوگو! جب فتنہ آتا ہے، تو پہچانا نہیں جاتا، جب گذر جاتا ہے تب اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، معلوم نہیں اس فتنہ کا سرچشمہ کہاں سے پھوٹا ہے، اپنی تلواروں کو نیام میں کر لو، نیزوں کے پھل اتار ڈالو کمانوں کی تانت کاٹ دو، لوگو! فتنہ کے زمانہ میں سونے والا کھڑے ہونے والے سے، اور کھڑا ہونے والا اس میں پڑ جانے والے سے بہتر ہے؛

ان کے اس وعظ کا بڑا اثر پڑ رہا تھا، اس لئے حضرت حسنؓ نے انھیں مسجد سے نکال دیا اور خود تقریر کر کے لوگوں کو حضرت علیؓ کی امداد پر آمادہ کیا، آپ کی تقریر پر دس ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا،[1]

حضرت عائشہؓ سے مصالحت کی کوشش

کوفہ کے رؤسا میں ایک بزرگ قعقاع بن عمرو صحابی اور خیر خواہ امت تھے، حضرت علیؓ نے انھیں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے پاس مفاہمت کی گفتگو کے لئے بھیجا، انھوں نے بصرہ جاکر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں عرض کیا، اماں! آپ کس غرض سے یہاں تشریف لائی ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا بیٹا! لوگوں میں اصلاح کے لئے، قعقاع نے کہا تو ذرا طلحہ اور زبیر کو بلا لیجئے، کہ وہ بھی میری اور آپ کی گفتگو سن لیں، یہ دونوں بزرگ بلا کر آئے، قعقاع نے ان سے کہا کہ میں نے ام المومنین سے دریافت کیا کہ وہ کس غرض سے تشریف لائی ہیں، انھوں نے فرمایا اصلاح کے لئے، اب آپ دونوں کیا کہتے ہیں، ام المومنین کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہیں یا مخالفت؟ انھوں نے کہا تعمیل

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۵۴،

قعقاع نے کہا تو پھر بتایئے اصلاح کا طریقہ کیا ہے؟ اگر وہ ہم کو معلوم ہو جائے تو ضرور اصلاح کرین گے، اور اگر ہمین نہ معلوم ہو سکا، تو کبھی اصلاح نہ ہو سکے گی، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے جواب دیا، قاتلینِ عثمانؓ کا قصاص، اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو قرآن کو چھوڑ دیا گیا، اور اسے لیا گیا تو قرآن کو زندہ کیا گیا،

اس کے جواب مین قعقاع نے کہا کہ آپ لوگ بصرہ کے قاتلینِ عثمان کو قتل کر چکے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھ ہزار بصریون نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، پھر جب آپ لوگون نے حرقوص بن زبیر کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو یہی چھ ہزار آدمی مزاحم ہوئے، اور آپ لوگ حرقوص کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، گویا جس قصاص کا دعویٰ ہے اس کو خود چھوڑ چکے، اگر آپ لوگون نے جنگ کا خیال ترک نہ کیا تو وہی لوگ جو آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہین، آپ کے خلاف لڑین گے،

غرض قعقاع نے حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ کو جنگ سے روکنے کی پوری کوشش کی، ان باتین سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا، کہ "پھر تمھاری کیا راے ہے"؟ انھون نے کہا میرے نزدیک تو بہتر طریقہ امن وسکون ہے، جب حالات سکون پذیر ہو جائین گے تو قاتلینِ عثمانؓ کو بھی پریشانی ہوگی، اور ان سے قصاص بھی لیا جا سکے گا، اس کی صورت یہ ہے کہ آپ لوگ بیعت کر لیجئے کہ یہ امت کے لئے فال نیک اور رحمت ہے، اور قصاص کی بھی یہی صورت ہے، اور اگر اپنی ضد پر قائم رہے تو نہ امن وامان قائم ہوگا، اور نہ قصاص لیا جا سکے گا جس طرح آپ لوگ ہمیشہ امت کے لئے امن وعافیت کی کنجی تھے ویسے ہی اب بھی بنئے، ہم کو اور اپنے آپ کو اس سخت آزمایش مین مبتلا نہ کیجئے، کہ آزمایش دونون کو برباد کر دے گی، یہ ایک آدمی یا چند آدمیون یا ایک جماعت کے قتل کا معاملہ نہین، بلکہ ساری امت کا سوال ہے،

قعقاع کی یہ تقریر اتنی موثر اور معقول تھی کہ حضرت عائشہؓ، طلحہؓ وزبیرؓ تینون نے

اسے پسند کیا، اور فرمایا تم بالکل بجا کہتے ہو، علیؓ کے پاس جاکر ان کی بھی رائے لو، اگر وہ بھی تمھارے ہمخیال ہوں تو معاملات اصلاح پذیر ہو جائیں گے،

قعقاع نے واپس ہو کر حضرت علیؓ کو یہ مژدہ سنایا، آپ سن کر بہت مسرور ہوئے، اور مخلص مسلمانوں کی بڑی جماعت مصالحت کے لئے تیار ہو گئی، اور قعقاع نے مسلمانوں کے سامنے تقریر کی، اور ان سے کہا کہ اب معاملات روبا صلاح ہو گئے ہیں، اس لئے میں کل لوٹ جاؤں گا، تم لوگ بھی واپس جاؤ، لیکن جن لوگوں نے عثمانؓ کے خون میں کسی قسم کی شرکت کی ہے، انھیں نہ ہم سے کوئی توقع رکھنی چاہیے، اور نہ ہمارا ساتھ دینا چاہیے[1]،

سبائیوں کی فتنہ انگیزی

یہ رنگ دیکھ کر وہ لوگ جنھوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ بپا کیا تھا، اور اب دوسرا فتنہ ابھارنا چاہتے تھے، سخت مضطرب ہوئے، چنانچہ ان کے چند سرغنہ اشتر نخعی، ابن السوداء، خالد بن ملجم، علباء بن ہیثم، شریح بن ابی اوفیٰ وغیرہ سبائی جماعت کے افراد نے باہم مشورہ کیا، اشتر نخعی نے کہا کہ علی مدعیانِ قصاص سے کتاب اللہ سے زیادہ واقف اور اس پر عامل بھی ہیں، یعنی وہ یقیناً خون عثمان کا قصاص لیں گے، طلحہؓ و زبیرؓ کی رائے ہم لوگوں کے بارہ میں کھلی ہوئی ہے، لیکن علی کی رائے اب تک نہیں معلوم، اگر یہ صلح انجام کو پہنچ گئی تو پھر ہم لوگوں کی خیر نہیں، ہم میں سے کسی کی جان نہ بچے گی، اس لئے بہتر یہی ہے کہ سب مل کر علی کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں کہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے، طبری کے یہ الفاظ ہیں وان یصطلحوا مع علی فعلی دمائنا فھلموا فلنتواثب علی علی فنلحقہ بعثمان

لیکن اس رائے سے لوگوں نے اختلاف کیا، اور دوسرے ارکان نے مختلف رائیں دیں لیکن کسی پر اتفاق نہ ہوا، آخر میں ابن السوداء نے کہا کہ علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کو مزید غور و فکر کا موقع ہی

---

[1] طبری میں یہ واقعات زیادہ تفصیل سے ہیں، ہم نے صرف ضروری حصے نقل کئے ہیں [2] طبری ص ۳۱۶۲،

نہ دو، اور مصالحت کی تکمیل سے پہلے فوج کے عوام کو ملا کر جنگ چھیڑ دو، جب ایک مرتبہ شعلہ بھڑک جائے گا تو پھر علیؓ اپنے بچاؤ کے لئے جنگ پر مجبور ہو جائیں گے، اس راے سے سب نے اتفاق کیا،[1]

مخالفین صلح کی فتنہ انگیزی اور حضرت علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کی مصالحانہ روش

سبائیوں کے علاوہ بھی دونوں طرف کچھ ایسے لوگ تھے جو جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتے تھے، ان کی کوششیں الگ جاری تھیں، حضرت علیؓ اس وقت ذی قار میں تھے، اور بصرہ آنے کا قصد کر رہے تھے، کہ ایک شخص ابو الجربا نے حضرت زبیرؓ کو مشورہ دیا کہ اس وقت جنگی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ قبل اس کے کہ علی اپنی فوج سے ملیں، ایک ہزار آدمی انھیں روکنے کے لئے بھیج دینے چاہئیں، حضرت طلحہؓ نے فرمایا جناب کے یہ ہتھکنڈے میں بھی جانتا ہوں، لیکن انھوں نے ہم کو مصالحت کی دعوت دی ہے، پھر یہ ایک نئی صورت حال ہے، جس کی نظیر اس سے پہلے موجود نہیں ہے، اس لئے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، جو فریق بغیر کسی معقول سبب کے اقدام کرے گا، قیامت کے دن وہ خدا کے سامنے جوابدہ ہوگا، ابھی مصالحت کی گفتگو ہو چکی ہے، اور امید ہے کہ اس کی صورت پیدا ہو جائے گی، ہم سب کو صبر کے ساتھ اس خوش آیند وقت کا انتظار کرنا چاہئے، ایک دوسرے شخص صبرہ ابن شیمان نے حضرت طلحہؓ کو بھی اسی قسم کا شر انگیز مشورہ دیا، اسکو بھی آپنے ویسا ہی جواب دیا،

حضرت علیؓ کی فوج کے جنگجو بھی پیشدستی کے لئے بیچین تھے، چنانچہ کوفیوں کی جماعت نے جنگ کی اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا کہ ہم کو اصلاح اور آگ بجھانے کی کوشش کرنی چاہئے، وہ لوگ مصالحت پر آمادہ ہیں، ممکن ہے خدا ہمارے ہی ذریعہ جنگ ختم کر کے اس امت کا شیرازہ جمع کر دے، اس پر اعور بن بنان منقری نے کہا، اگر وہ پیام صلح کا جواب نہ دیں تو

---

[1] طبری ص ۳۱۶۵ [2] طبری ص ۳۱۶۷

حضرت علیؓ نے فرمایا، کہ اس وقت ہم ان کے ساتھ وہی طرزِ عمل اختیار کریں گے، جو وہ ہمارے ساتھ کریں گے، اعور نے کہا اگر وہ لوگ ہمیں نہ چھوڑیں، حضرت علیؓ نے فرمایا تو ہم بھی مدافعت کریں گے، ابو سلامہ دولانی نے کہا اگر ان لوگوں کے دعوے قصاص میں اخلاص اور حسنِ نیت ہو تو کیا وہ خدا کے نزدیک قابلِ قبول ہوگا، فرمایا کیوں نہیں، ابو سلامہ نے کہا تو اس کی تاخیر میں آپ کے لئے کیا حجت ہے، فرمایا جس چیز میں کچھ پتہ نہ چلتا ہو اس میں وہ پہلو اختیار کرنا چاہیے جو زیادہ وسیع ہو، اور اس کا فائدہ زیادہ عام ہو، ابو سلامہ نے کہا کل جب ہم اور وہ مقابل ہونگے تو دونوں کا انجام کیا ہوگا، فرمایا دونوں میں سے جو بھی خالصۃً صاف دلی کے ساتھ قتل ہوگا وہ جنت میں جائے گا[1]،

اپنی جماعت کو پُرامن رکھنے کے لئے ایک دن آپ نے اس کے سامنے تقریر فرمائی کہ "ان لوگوں (حضرت طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ) کے بارہ میں اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو، پیش آنے والے واقعات کا صبر کے ساتھ انتظار کرو، اور پیشدستی سے بچو، آج جو شخص جنگ کی ابتدا کرے گا کل خدا کے نزدیک وہ دشمن سمجھا جائے گا[2]،

غرض فریقین ہر ممکن طریقہ سے جنگ کی روک تھام اور صلح کی کوشش کرتے رہے، اس درمیان میں بہت سے محتاط مسلمان اس جنگ سے کنارہ کش ہو گئے، چنانچہ احنف بن قیس چھ سو آدمیوں کی جماعت لے کر علیحدہ ہو گئے،

صلح کا انعقاد

اب حضرت علیؓ ذی قار سے بصرہ پہنچ چکے تھے، آپ کے آنے کے بعد آپ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی اور مختلف فیہ مسائل پر بحث و مباحثہ ہونے کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ امت کی فلاح صلح ہی میں ہے، مصالحت کی تکمیل کے بعد فریقین اپنے

---

[1] طبری ص ۳۱۶۷، [2] ایضاً ۳۱۶۸،

اپنے لشکرگاہون پر مسرور ومطمئن واپس گئے[1] اور اطمینان وسکون کے ساتھ سو رہے،

سبائیوں کی فتنہ انگیزی

سبائیون کے لئے یہ صلح بڑی شاق تھی، اور وہ برابر اندر اندر فتنہ انگیزی مین مصروف تھے، انھون نے دیکھا کہ اگر یہ شب بخیر گذر گئی، تو صبح کو صلح کا عام اعلان ہوجائیگا اور لوگ اپنا اپنا راستہ لین گے، اس لئے انھون نے طے کیا کہ صبح ہونے سے پہلے ہی اندھیرے مین دونون فوجون پر حملہ کردیا جائے، دونون فریق کے ساتھ قریب قریب ہر قبیلہ کے آدمی تھے، چنانچہ یہ لوگ راتون رات پھیل گئے، اور اندھیرے مین دونون فوجون پر حملہ کردیا،[2] اور صبح ہوتے ہوتے ہنگامہ برپا ہوگیا،

اس غیر متوقع حملہ نے دونون کو گھبرا دیا، کسی کے کچھ سمجھ مین نہ آتا تھا کہ واقعہ کیا ہے تاہم حضرت علیؓ اور عائشہؓ نے اس وقت بھی اسے روکنے کی کوشش کی، حضرت علیؓ پکار پکار کر کہتے تھے کہ "لوگو رک جاؤ" حضرت عائشہؓ فوراً اونٹ پر بیٹھ کر روکنے کے لئے پہنچین، لیکن اس ہنگامہ مین کون کسی کی سنتا، اصل حقیقت کی کسی کو خبر نہ تھی، اس لئے ہر فریق نے یہی گمان کیا کہ دوسرے نے بدعہدی کی،

غرض صبح ہوتے ہوتے رات کا دل آویز خواب پریشان ہوگیا، اور امن وصلح کے بجائے فوج کی قیادت پر مجبور ہوگئے، فریقین اپنی اپنی فوجین لے کر صف آرا ہوگئے اور خونریز جنگ شروع ہوگئی،

حضرت زبیر کی علیحدگی اور شہادت

عین ہنگامۂ کارزار مین حضرت علیؓ کی نظر حضرت زبیرؓ پر پڑی، انھون نے ان سے کہا ابو عبداللہ تم کو یاد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن تم سے پوچھا تھا کہ تم علی کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے جواب دیا تھا، ہان یا رسول اللہ! آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دن تم ان سے ناحق لڑوگے، حضرت زبیرؓ نے فرمایا ہان مجھے یاد آگیا،[3]

---

[1] طبری ص ۳۱۸۰ [2] ایضاً ۳۱۸۲ [3] مستدرک حاکم ج ۳ فضائل زبیرؓ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی یاد آنے کے بعد حضرت زبیرؓ نے فوراً لوٹ جانے کا قصد کرلیا، اور اپنے صاحبزادے عبداللہ سے جو اس جنگ میں اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی حمایت میں پیش پیش تھے، فرمایا کہ اس جنگ کے حق وباطل ہونے کا فیصلہ میں نہیں کرسکتا، اور علیؓ نے ایک ایسی بات یاد دلادی ہے جو میرے ذہن سے اتر گئی تھی، اس لئے اب میں واپس جاتا ہوں، تم بھی لوٹ چلو لیکن انھوں نے انکار کیا، اور حضرت زبیرؓ تنہا لوٹ گئے۔[1]

واپسی میں ایک سبائی عمرو بن جرموز آپ کے ساتھ ہوگیا، وادیٔ سباع میں نماز کا وقت آگیا تھا، حضرت زبیرؓ نماز پڑھنے کے لئے ٹھہر گئے، ابن جرموز نے بھی اقتدا کی، جیسے ہی آپ سجدہ میں گئے، ابن جرموز نے ایسا وار کیا کہ ایک ہی وار میں آپ شہید ہوگئے، آپ کو شہید کرنے کے بعد اپنی کارگذاری دکھانے کے لئے آپ کا سر، گھوڑا، تلوار اور زرہ کو لے کر خوش خوش حضرت علیؓ کے پاس پہنچا، آپ نے فرمایا ابن صفیہ کے قاتل تجھے دوزخ کی بشارت ہو، اور حضرت زبیرؓ کی تلوار کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ اس شخص کی تلوار ہے جس نے اس کے ذریعہ بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے حزن وملال کے آثار دور کئے ہیں، یہ سن کر ابن جرموز بولا، کیا میری جاں نثاری کا یہی صلہ ہے کہ میں تو آپ کے دشمنوں کا خاتمہ کروں اور آپ مجھے دوزخ کی بشارت دیں۔[2]

حضرت طلحہؓ کی شہادت

حضرت زبیرؓ کو واپس جاتے دیکھ کر حضرت طلحہؓ نے بھی واپسی کا قصد کرلیا تھا، مروان بن حکم نے دیکھا کہ اگر یہ بھی چلے گئے تو لڑائی کا رنگ ہی بدل جائے گا، چنانچہ اس نے ایسا تیر مارا کہ ایک ہی تیر میں آپ کا کام تمام ہوگیا۔[3]

ام المومنینؓ کے اونٹ کے گرد جاں نثاروں کی جانبازی

لیکن ان دونوں بزرگوں کے بعد بھی لڑائی کا زور

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۵۷ [2] ایضاً ص ۱۵۸ و طبری [3] اخبار الطوال ص ۱۵۷۔

ختم نہ ہوا، فریقین نے نہایت پامردی کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کیا، حضرت عائشہؓ فوج کے درمیان اونٹ پر بیٹھی ہوئی جان نثارون کی حوصلہ افزائی کر رہی تھین، اور ہر طرف سے محمل پر تیرون کی بارش ہو رہی تھی، تیرون کی کثرت سے محمل ساہی بن گیا تھا، جان نثارون نے جانبازی کا حق ادا کر دیا، قبیلہ بنی ضبہ اور ازد نے اونٹ کو اپنے حصار مین لے لیا، اس کی حفاظت مین دو ہزار سات سو ازد اور دو ہزار بنی ضبہ نے جانین فدا کین،[۱] اونٹ کی مہار پکڑنا گویا موت کے منہ مین جانا تھا، لیکن جان نثارون نے تانتا نہ ٹوٹنے دیا، جیسے ہی ایک گرتا تھا فوراً دوسرا اس کی جگہ لیتا تھا، اس طریقہ سے چالیس[۲] آدمیون نے یہ سعادت حاصل کی،

جنگ کا خاتمہ

حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ اپنی جگہ پر قائم رہے گا، اس وقت تک یہ خونریزی بند نہین ہو سکتی، اس لئے انھون نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤن زخمی کر کے اسے گرا دیا جائے، اس حکم پر چند آدمی بڑھے، اور ایک شخص اعین بن ضبہ نے اونٹ کے پاؤن زخمی کر دئے، وہ بلبلا کر بیٹھ گیا، اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا، اور حضرت عائشہؓ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی،[۳]

حضرت علیؓ نے اعلان کرا دیا کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے، نہ کسی زخمی کو پامال کیا جائے، نہ کسی کا مال لوٹا جائے، جو شخص ہتھیار ڈالدے یا گھر کا دروازہ بند کر لے وہ مامون ہے،[۴]

یہ اعلان ہوتے ہی آپ کی فوج نے ہاتھ روک لئے، بعض آدمیون نے حضرت علیؓ سے سوال کیا، امیر المومنین جب ان کا مال ہمارے لئے جائز نہین ہے تو پھر ان سے

---

۱ یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۲ ۲ طبری ص ۳۱۹۸ ۳ جنگ جمل کی تفصیلات بہت طویل ہین، انھین غیر ضروری سمجھ کر صرف نتیجہ لکھ دیا گیا ہے ۴ اخبار الطوال ص ۱۶۱ و یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۳،

جنگ کیسے جائز ہوئی، فرمایا کسی مسلمان کو نہ قیدی بنایا جا سکتا ہے اور نہ اس کے مال کو غنیمت، ہاں جن اسلحہ سے جنگ کی ہے، ان پر قبضہ کر سکتے ہو، تم کو جو حکم دیا گیا ہے، اس کی تعمیل کرو، اور جس بات کو نہیں جانتے اسے چھوڑ دو،[1]

حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حضرت علی کی حاضری

اختتامِ جنگ کے بعد حضرت علیؓ نے فوراً حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد ابن ابی بکرؓ کو حکم دیا کہ وہ جا کر دیکھیں کہ ام المومنین کو زخم چشم تو نہیں پہنچا اور انھیں لے جا کر عبد اللہ بن خلف خزاعی کے محل میں ٹھرائیں،[2]

اس کے بعد خود مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے اور پوچھا اماں مزاج کیسا ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا اچھی ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا، خدا ہم دونوں کو معاف فرمائے اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے بھی یہی کلمات ارشاد فرمائے،[3]

چند دن حضرت عائشہؓ کے آرام کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو حکم دیا کہ وہ عزت و احترام کے ساتھ آپ کو مکہ پہنچا دیں، اور سواری، زادِ راہ، نقد و جنس وغیرہ جملہ ضروری سامان آپ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت عائشہؓ کے ساتھیوں میں سے جن لوگوں نے ساتھ جانا چاہا، انھیں اجازت دی، بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو پہنچانے کے لئے ہمرکاب کیا اور روانگی کے وقت خود رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوئے.

رخصت ہوتے وقت حضرت عائشہؓ نے لوگوں سے فرمایا میرے بچو یہ جنگ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، اس لئے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی سے کام نہ لینا چاہئے، میرے اور علی کے درمیان جو ساس داماد میں کبھی کبھی ہو جایا کرتی ہے، اس کے علاوہ کوئی رنجش نہیں تھی، وہ ان واقعات کے بعد بھی میرے نزدیک اخیار میں ہیں،

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۱ [2] ایضاً [3] طبری ص ۳۲

ام المومنین کے اس ارشاد پر حضرت علیؓ نے فرمایا، ام المومنین سچ فرماتی ہیں، خدا کی قسم میرے اور ان کے درمیان اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی، وہ دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے نبیؐ کی حرم ہیں،

اس خوش آیند گفتگو اور صاف دلی کے ساتھ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے، حضرت علیؓ نے چند میل تک خود مشایعت کی، اس کے بعد حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بھیجا اور حضرت عائشہؓ مکہ ہوتی ہوئی مدینہ تشریف لے گئیں،

جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا کہ اس جنگ کی تمہید غلط اطلاعات اور غلط فہمی سے شروع ہوئی، آغاز سبائیوں کی فتنہ انگیزی سے ہوا، اور خاتمہ فریقین کی صفائی قلب پر، دونوں بزرگوں کی نیت نیک تھی، حضرت عائشہؓ کو تاعمر اس کی ندامت رہی جب اس کا تذکرہ آتا تھا، تو زار زار رونے لگتی تھیں، اور فرماتی تھیں کہ کاش آج سے بیس برس پہلے دنیا سے اٹھ گئی ہوتی،[۱] شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں یہ الفاظ حضرت علیؓ کی زبان سے نقل کیے ہیں،[۲]

کوفہ کا دارالخلافہ قرار پانا

جنگ جمل کے اختتام کے بعد رجب ۳۶ھ میں حضرت علیؓ کوفہ واپس تشریف لائے، اور مدینہ کے بجائے اس کو مرکز خلافت قرار دیا، اس تبدیلی کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حرم نبوی کی بڑی توہین ہوئی، اس لئے آیندہ اس کو شر و فتن سے بچانے کے لئے آپ نے سیاسی مرکز کو یہاں سے ہٹا دینا مناسب سمجھا، دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے حامیوں کی بڑی تعداد عراق میں تھی، اس لئے سیاسی حیثیت سے کوفہ آپ کے لئے زیادہ اہم تھا،

---

[۱] طبری ج ۶ ص ۳۲۲۳ و ابن اثیر ج ۳ [۲] مسند احمد بن حنبل [۳] ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۲۸۳

اس تبدیلی سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ مدینہ سیاسی انقلابات کے مذموم نتائج سے محفوظ ہو گیا، اور اس کے بعد جو سیاسی ہنگامے ہوئے، ان کا مرکز عراق رہا، لیکن اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت اور مرکزیت جاتی رہی، اور حضرت علیؓ مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور پڑ گئے، جس کے نتائج ان کے لیے بھی کچھ مفید ثابت نہیں ہوئے،

عمال کا تقرر

کوفہ آنے کے بعد حضرت علیؓ نے نئے سرے سے ملک کا نظم و نسق قائم کیا، سہل بن حنیف کو مدینہ کا حاکم بنایا، قیس بن سعد کو مصر کی ولایت پر مامور کیا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو بصرہ پر مقرر کیا، اشعث بن قیس کو آذربیجان کی ولایت پر برقرار رکھا، یزید بن قیس ارحبی کو مدائن پر، عمر بن ابی سلمہ کو بحرین پر، مصقلہ بن ہبیرہ کو اردشیر خرہ پر، منذر بن جارود کو اصطخر پر، زیاد بن ابیہ کو فارس پر، قدامہ بن عجلان کو کسکر کے علاقہ پر، عدی بن حاتم کو بہرہ سیر پر، ربعی بن کاس کو سیستان کے علاقہ پر، خلید بن کاس کو خراسان کے صوبہ پر، اشتر نخعی کو موصل، نصیبین، دارابجرد، سنجار، آمد، میافارقین، ہیت، عانات اور شام کے مقبوضات پر مامور کیا، امیر معاویہؓ کے عامل ضحاک بن قیس نے انھیں روکا، انھوں نے مقابلہ کیا، امیر معاویہؓ نے عبد الرحمن بن خالد کو مدد کے لئے بھیجا، اشتر موصل لوٹ آئے، اور امیر معاویہؓ کے عمال کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا[1]،

امیر معاویہ کو بیعت کی دعوت

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت تسلیم نہیں کی تھی، اور آپ سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے، درمیان میں جنگ جمل پیش آجانے کی وجہ سے حضرت علیؓ ان کی طرف توجہ نہ کر سکے تھے، اس سے فراغت کے بعد آپ نے جریر بن عبد اللہ بجلی کو خط دے کر امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ

---

[1] عمال کی تفصیل اخبار الطوال اور یعقوبی سے لی گئی ہے،

"جن لوگوں نے ابو بکرؓ و عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی انھوں نے میری بیعت کرلی ہو، اس کے بعد کسی کے لئے چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے، خلیفہ کے انتخاب کا حق مہاجرین و انصار کو ہے، ان کے اتفاق کے بعد جو شخص بیعت سے گریز کریگا اس سے بزور لی جائے گی، مہاجرین و انصار کی طرح تم بھی بیعت کرلو، عافیت و سلامتی اسی میں ہے، ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، قاتلین عثمانؓ کو بہت آڑ بنا چکے بیعت کے بعد باقاعدہ مقدمہ پیش کرو، میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق اس کا فیصلہ کردوں گا"[1]

اس وقت امیر معاویہؓ چند در چند مشکلات میں گھرے ہوئے تھے محمد بن حذیفہ جوان کے شدید مخالفین میں تھے، قید خانہ سے نکل بھاگے تھے، رومی علحدہ سواحلِ شام پر حملہ کیلئے فوجیں جمع کر رہے تھے، اسی درمیان میں حضرت علیؑ کا یہ تہدیدی خط پہنچا، امیر معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا، انھوں نے کہا محمد بن حذیفہ کا فرار کچھ زیادہ اہم نہیں ہے، انھیں تلاش کراؤ، اگر مل جائیں تو فبہا ورنہ وہ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، قیصر روم کے قیدیوں کو چھوڑ کر اس سے صلح کرلو، اس شرط پر وہ فوراً آمادہ ہو جائے گا، علی بن ابی طالب کا معاملہ البتہ اہم ہے، مسلمان کبھی تم کو ان کے برابر نہ سمجھیں گے امیر معاویہؓ نے کہا انھوں نے عثمان کے قتل میں اعانت کی ہے، اور فتنہ برپا کرکے امت میں پھوٹ ڈالی ہے، عمرو بن العاصؓ نے کہا کچھ بھی ہو لیکن تم کو ان کے مقابلہ میں سبقت اسلام اور قرابت نبویؐ کا شرف حاصل نہیں ہے، اور میں خواہ مخواہ تمہاری کامیابی میں کیوں مدد کروں، معاویہؓ نے کہا آخر کیا چاہتے ہو، عمرو بن العاصؓ بولے، مصر کی حکومت، معاویہؓ

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۷،

نے کہا، مصر بھی تو عراق سے کم نہیں ہے، عمرو بن العاص نے جواب دیا لیکن یہ مطالبہ اس وقت ہے جب ساری دنیاے اسلام تمہارے زیر نگین ہو گی،

عمرو بن العاص سارے عرب میں تدبر و سیاست میں فرد تھے، اس لئے امیر معاویہ ہر قیمت پر ان کے تدبر سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، چنانچہ بڑے غور و فکر کے بعد ان سے مصر کی حکومت دینے کا تحریری وعدہ کر لیا[1]

شام میں حضرت علیؓ کے خلاف پروپگنڈا

اس وعدہ کے بعد عمرو بن العاص نے مشورہ دیا کہ بغیر کسی معقول سبب اور بنیاد کے علیؓ جیسے شخص کی مخالفت میں بڑے خطرات ہیں، اس لئے پہلے عمائد شام کو اس کا یقین دلاؤ کہ عثمان کے قتل میں علی کی شرکت تھی، شام کے سب سے با اثر آدمی شرجیل بن سمط کندی ہیں، پہلے ان کے دل میں یہ بات بٹھاؤ، پھر ان کے ذریعہ سے آسانی کے ساتھ اس کی اشاعت ہو جائے گی، چنانچہ امیر معاویہؓ نے ان کی بتائی ہوئی تدبیر پر عمل کر کے شرجیل کو یقین دلا دیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں علیؓ کا ہاتھ بھی شامل تھا، شرجیل کو اس کا اتنا یقین ہو گیا کہ انھوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ اگر تم نے علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تو تم کو ہم شام سے نکال دیں گے، امیر نے جواب دیا میں تو آپ کا تبع ہوں، آپ کی مخالفت کیوں کرنے لگا،

شرجیل کو ہم خیال بنانے کے بعد امیر معاویہؓ نے ان سے کہا کہ یہ مسئلہ بغیر رائے عامہ کے ہموار کئے ہوئے حل نہیں ہو سکتا، آپ شام کا دورہ کر کے اس کی تبلیغ کیجئے، چنانچہ شرجیل نے شام کے تمام شہروں کا دورہ کر کے یہاں کے عمائد و اعیان سے کہا کہ علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کر کے پورے ملک پر قبضہ کر لیا ہے، صرف تمہارا ملک باقی رہ گیا ہے، وہ قبضہ شمشیر بکف

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۸،

یہان بھی آئین گے، معاویہ سے زیادہ ان کے مقابلہ کی کسی مین طاقت نہیں ہے، اس لئے خلیفۂ مظلوم کے قصاص مین ان کا ساتھ دو، شرجیل کے اس دورہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام کا پورا ملک حضرت علیؓ کے مقابلہ کے لئے امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو گیا[1]

دوسری طرف حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور آپ کی بیوی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیون کی جن کو امیر معاویہؓ نے جامع دمشق مین آویزان کرادیا تھا، نمایش برابر جاری رہی، حضرت علیؓ کے خلاف شامی فوجون کے جذبات بھڑکانے کے لئے انھین دمشق طلب کیا گیا، یہ منظر ایسا درد انگیز تھا کہ اسے دیکھ کر کوئی مسلمان متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا، لوگ جوق جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار زار روتے تھے، چنانچہ فوج سے لیکر امراء و عوام تک سب کے جذبات بھڑک اٹھے، اور اہل شام نے قسم کھالی کہ جب تک خلیفۂ مظلوم کے خون کا بدلہ نہ لے لین گے، اس وقت نہ بستر پر سوئین گے، اور نہ اپنی بیویون کے پاس جائین گے[2]

حضرت علیؓ کو حالات کی اطلاع

امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے قاصد جریر بن عبد اللہ بجلی کو اس وقت تک روکے رکھا تھا، یہ تمام حالات مشاہدہ کرانے کے بعد انھیں واپس کیا، انھون نے جا کر بیان کیا کہ سارا شام معاویہؓ کے ساتھ ہے، وہ لوگ عثمانؓ کے پیراہن پر روتے ہین اور کہتے ہین کہ علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے، اور ان کے قاتلون کو پناہ دی ہے، اور یہ عہد کیا ہے کہ یا اپنی جان دیدیں گے یا جان لے کر رہین گے،[3]

حضرت علیؓ کی تیاریان اور مصالحت کی کوششیں

حضرت علیؓ پوری طرح امیر معاویہؓ کے مقابلہ کے لئے آمادہ تھے، صرف ان کے آخری جواب کا انتظار تھا، جریر بن عبد اللہ بجلی

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۷۰ [2] طبری ص ۳۲۵۵ [3] ایضاً،

کی واپسی کے بعد آپ کے لئے جنگ کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہ گیا، چنانچہ اس کے انتظامات شروع کردئے،

یہ دیکھ کر کہ ابھی جنگ جمل کا بہا ہوا خون بھی خشک نہ ہونے پایا تھا کہ پھر مسلمانون کی تلوارین آپس مین بے نیام ہونے والی ہین، بعض مخلص اور خیر خواہِ امت مسلمانون نے اسے روکنے کی تدبیرین کین، اور شام کے ایک عابد وزاہد بزرگ ابو مسلم خولانی چند آدمیون کو ساتھ لے کر امیر معاویہؓ کے پاس گئے، اور ان سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم علی بن ابی طالب سے لڑنے کی تیاریان کر رہے ہو، تم کو سبقتِ اسلام کا شرف حاصل نہیں ہے، پھر کس بنیاد پر تم کو ان کی برابری کا دعویٰ ہے، امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ مین فضیلت مین ان کی برابری کا مدعی نہین ہوتا، آپ کو معلوم ہے کہ عثمانؓ مظلوم شہید کئے گئے، ان لوگون نے کہا ہان، امیر معاویہؓ نے کہا بس ہم صرف یہ چاہتے ہین کہ قاتلون کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے، ہم ان کی خلافت تسلیم کرین گے، ابو مسلم خولانی نے کہا تم اسے لکھ کر دیدو مین علی کے پاس لے کر جاؤن گا، چنانچہ امیر معاویہؓ نے یہ خط لکھا:-

"امابعد خلیفہ عثمانؓ تمہارے یہان تمہاری موجودگی مین قتل کئے گئے۔ تم ان کے گھر کا شور وغل سنتے رہے، اور اپنے قول وعمل سے نہ روکا، مین سچی قسم کھا کر کہتا ہون کہ اگر تم سچائی اور اخلاص سے ان کی مدافعت کئے ہوتے تو ہم مین کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا، دوسرا الزام تم پر یہ ہے کہ تم نے قاتلینِ عثمان کو پناہ دی اور وہ اس وقت تمہارے قوت بازو، تمہارے اعوان و انصار اور تمہارے مشیر کار ہین، ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم عثمان کے خون سے برات کرتے ہو، اگر تم اس مین سچے ہو تو قاتلون کو قصاص کے لئے ہمارے حوالہ کردو، ہم سب سے پہلے تمہاری بیعت کے لیے تیار ہین

اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس تمہارا جواب صرف تلوار ہے، خدائے واحد کی قسم ہم لوگ بحر و بر سے عثمان کے قاتلون کو تلاش کر کے قتل کرین گے یا خود جان دیدین گے"

ابو مسلم یہ خط لے کر کوفہ گئے، اور حضرت علیؓ کی خدمت مین پیش کر کے عرض کیا کہ آپ خلیفہ ہین اگر آپ اس کے حقوق پورے کرین تو خدا کی قسم یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لئے پسند نہیں کرتے، عثمان مظلوم شہید کئے گئے، ان کے قاتلون کو آپ ہمارے حوالہ کیجئے، آپ ہمارے امیر ہین اس کے بعد اگر کوئی شخص آپ کی مخالفت کرے گا، تو ہم آپ کے مددگار رہین گے، اور آپ کے لئے بھی دلیل اور معقول عذر ہو جائے گا،

یہ مطالبہ سن کر حضرت علیؓ نے ابو مسلم کو ٹھہرا لیا اور فرمایا کل اس کا جواب دون گا، دوسرے دن ابو مسلم جامع کوفہ مین آپ سے ملے، یہان دیکھا کہ دس ہزار مسلح آدمی نعرہ لگا رہے ہین کہ "ہم سب عثمان کے قاتل ہین" یہ رنگ دیکھ کر ابو مسلم نے کہا معلوم ہوتا ہے انہیں میرے آنے کا سبب معلوم ہو گیا ہے اور انھون نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی ہے، حضرت علیؓ نے فرمایا مین نے ہر چند اس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی، لیکن قاتلون کا حوالہ کرنا میرے امکان ہی مین نہ تھا، اور امیر معاویہؓ کے خط کا یہ جواب دیا کہ

"عثمان کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں، مین نے کسی کو ان کے خلاف نہیں بھڑکایا، البتہ جب زیادہ ہنگامہ برپا ہوا تو مین خانہ نشین ہو گیا، مجھ کو خوب معلوم ہے کہ قاتلین عثمان کے حوالہ کرنے کے مطالبہ کو تم اپنے حصول مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو، اگر تم اس فتنہ انگیزی اور بے راہ روی سے باز نہ آؤ گے تو جو سلوک باغیون کے ساتھ کیا جاتا ہے وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا"

اور عمرو بن العاصؓ کو لکھا :-

دنیا کی حرص چھوڑ کر اپنے طرزِ عمل سے باز آؤ، معاویہ کی غلط روی میں ان کا ساتھ دے کر اپنے اعمال برباد نہ کرو؛[۱]

حضرت علیؓ کی روانگی

لیکن ان خطوط کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، امیر معاویہؓ اپنی ضد پر اڑے رہے، اس لیے حضرت علیؓ کو چار و ناچار مقابلہ کے لیے نکلنا پڑا، اور آپ حضرت ابو مسعود انصاریؓ کو کوفہ میں اپنا قائم مقام بنا کر ذی الحجہ ۳۶ھ میں اسی ہزار فوج کے ساتھ شام کی طرف بڑھے، اس فوج میں عام مسلمانوں کے علاوہ ستر بدری صحابہ، سات سو بیعتِ رضوان کے جان نثار، اور چار سو عام مہاجر و انصار صحابی تھے،[۲] فرات کو عبور کرنے کے بعد زیاد بن نضر اور شریح ابن ہانی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ آگے روانہ کر دیا،

عراقی اور شامی مقدمۃ الجیش کا سامنا

امیر معاویہؓ پہلے سے جنگ کے لیے نکل چکے تھے، ان کا مقدمۃ الجیش حالات کا پتہ چلانے کے لیے ابو الاعور سلمی کی قیادت میں آگے آگے تھا، دوسری طرف زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی آرہے تھے، سور روم میں دونوں کا سامنا ہوا، حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اشتر نخعی کو زیاد کی کمک کے لیے بھیجا، ابو الاعور لوٹ گیا، اور امیر معاویہؓ کو عراقی فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع دی،

صفین میں شامیوں کی مورچہ بندی

یہ اطلاع پانے کے بعد امیر معاویہؓ نے آگے بڑھ کر صفین کے میدان میں فرات کے ساحل پر فوجیں اتار دیں اور تمام مناسب اور اہم جگہوں پر قبضہ کر کے مورچہ قائم کر دیا، اور ابو الاعور کو دس ہزار فوج کے ساتھ فرات کے چشمہ پر متعین کر دیا، کہ شامی فوجیں پانی تک نہ پہنچ پائیں۔

---

[۱] اخبار الطوال ص ۱۷۳، ۱۷۴، اس میں یہ حالات کسی قدر تفصیل سے ہیں، ہم نے خلاصہ لکھا ہے

[۲] یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۸،

حضرت علی کا ورود اور پانی کے لئے کشمکش

اس دوران میں حضرت علیؓ بھی پہنچ گئے، اور شامی فوجوں کے قریب ہی فوجیں اتاریں، شامیوں نے پہلے سے اہم مقاموں پر قبضہ کرکے پانی پر پہرا لگا دیا تھا، اس لئے حضرت علیؓ کی فوج کو پانی کے لئے بڑی دشواری پیش آئی، آپ نے پہلے زبانی پیام کہلا بھیجا کہ پانی کی بندش مناسب نہیں ہے، لیکن شامی پانی دینے کے لئے آمادہ نہ ہوئے، آخر میں مجبور ہوکر حضرت علیؓ کو بزور پانی لانے کا حکم دینا پڑا، چنانچہ عراقی فوج کا ایک دستہ چشمہ پر پہنچا، ابو الاعور نے روکنا چاہا، دونوں میں مقابلہ ہوا، عراقی دستہ نے شکست دے کر چشمہ پر قبضہ کرلیا، لیکن حضرت علیؓ نے شامیوں کا پانی بند نہیں کیا، بلکہ اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ پانی لے کر لوٹ آئیں،[۱] اس واقعہ کے بعد فریقین میں اتنا ارتباط بڑھ گیا کہ وہ بے خوف وخطر آپس میں ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے لشکرگاہ میں آنے جانے لگے، اور معلوم ہوتا تھا کہ صلح ہو جائے گی،

میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش

دونوں فوجوں میں غوغا پسند عوام کے علاوہ بہت سے مخلص خیرخواہ امت علماء، صلحا اور حفاظ قرآن بھی تھے، ان کی کوششوں سے تین مہینہ تک جنگ رکی رہی، اس درمیان میں بارہا فریقین نے جنگ چھیڑنے کا ارادہ کیا، لیکن یہ لوگ درمیان میں پڑکر روک دیتے تھے، التوائے جنگ کے ساتھ صلح کے لئے خط وکتابت بھی ہوتی رہی، لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلی کوششوں کا ہو چکا تھا،[۲]

جنگ کا آغاز

جمادی الاولیٰ ۳۷ھ سے باقاعدہ جنگ چھڑ گئی، جس کا سلسلہ آخر جمادی الثانی تک قائم رہا، لیکن کوئی بڑی خونریز جنگ نہ ہوئی، بلکہ ایک ایک دستہ میدان میں آتا تھا اور صبح وشام معمولی جھڑپ ہو جاتی تھی، رجب کا مہینہ شروع ہوتے ہی اشہر حرم کی حرمت میں

---

[۱] طبری ص ۳۲۶۹ [۲] اخبار الطوال ص ۱۸۰ و ۱۸۱ میں اس کی تفصیلات ہیں،

جنگ روک دی گئی،

مصالحت کی آخری کوشش اور ناکامی

التوائے جنگ کے بعد خیر خواہان امت نے پھر صلح کی کوششیں شروع کردین، کہ شاید اسی حد پر یہ خانہ جنگی رک جائے، اور مسلمانوں کی قوت آپس مین ٹکرا کر برباد نہ ہو، چنانچہ حضرت ابودرداؓ اور حضرت ابوامامہؓ باہلی امیر معاویہؓ کے پاس گئے، اور ان سے کہا کہ علیؓ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہین، پھر تم ان سے کیون جنگ کرتے ہو؟ انھون نے جواب دیا عثمانؓ کے خون ناحق کے لئے، ابوامامہؓ نے کہا، کیا علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے؟ امیر معاویہؓ نے جواب دیا، اگر قتل نہیں کیا ہے تو قاتلون کو پناہ دی ہے، اگر وہ انھین ہمارے حوالہ کردین تو مین سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلون گا،

ان دونون بزرگون نے واپس جاکر حضرت علیؓ کو معاویہ کا مطالبہ سنایا، اسے سن کر حضرت علیؓ کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل پڑے اور نعرہ لگایا کہ ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہین، یہ رنگ دیکھ کر دونون بزرگ ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے، اور اس جنگ مین کوئی حصہ نہ لیا[1]

خونریز لڑائیوں کا سلسلہ

غرض صلح کی جتنی کوششیں ہوئین، سب ناکام رہین، اور شہر حرام کے ختم ہوتے ہی صفر ۳۷ھ سے فریقین پوری قوت کے ساتھ میدان مین اتر آئے، اور خونریز جنگ شروع ہوگئی، جس کا سلسلہ کئی مہینے تک جاری رہا، ان کی تفصیلات بہت طویل ہیں، اور انھیں لکھنا بیکار ہے، مختصر یہ ہے کہ فریقین کے درمیان کم و بیش نوے معرکے ہوئے ان میں پینتالیس ہزار شامی اور پچیس ہزار عراقی کام آئے،[2] ہزارون عورتیں بیوہ اور لاکھون بچے یتیم ہوگئے، درمیان درمیان مین مردون کی تجہیز و تکفین کے لئے ایک ایک دو دو دن جنگ ملتوی ہوتی رہتی تھی،

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۸۰ و ۱۸۲ [2] ابوالفداج اول ص ۱۷۵،

لیلۃ الحریر کی فیصلہ کن جنگ ان تمام لڑائیون مین فریقین نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا، دونون کا پلہ قریب قریب برابر تھا، لیلۃ الحریر کا آخری معرکہ بڑا خونریز تھا، اس مین رات دن مسلسل جنگ ہوتی رہی، میدان جنگ مین کشتون کے انبار لگ گئے، اور ہر طرف خون کی ندیان بہ نکلیں، دوسرے دن صبح کو مُردون کی تجہیز و تکفین کے لئے جنگ ملتوی ہوگئی، اس سے فراغت کے بعد حضرت علیؓ نے پھر تیاریاں شروع کردین،

اس معرکہ سے پہلے کی لڑائیون مین فریقین کا پلہ برابر رہا تھا، لیکن لیلۃ الحریر کے خونریز معرکہ مین شامی کمزور پڑگئے تھے، اور عراقی بھی مسلسل جنگ سے گھبرا گئے تھے اور دونون فریق کے عاقبت اندیش لوگون کو نظر آرہا تھا کہ اگر یہ خونریز جنگ قائم رہی تو مسلمانون کی قوت تباہ ہوجائے گی، اور ان مین غیر مسلمون کے مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہیگی، چنانچہ امیر معاویہؓ نے کہا کہ اگر یہ جنگ قائم رہی تو رومی شام سے ہمارے اہل و عیال کو قید کرلین گے، اور فارس کے دہقان عراقیون کے بال بچون کو پکڑلے جائین گے، [1]

علوی فوج کے ایک مدبر سردار اشعث بن قیس کندی نے بھی یہ خطرہ محسوس کیا اور اپنی جماعت سے کہا کہ گزشتہ خونریز جنگ کے بعد اگر آیندہ پھر جنگ ہوئی تو عرب تباہ ہوجائے گا، اور ہماری عظمت و حرمت اٹھ جائے گی، [2]

لیکن حضرت علیؓ کو اس کا پورا اندازہ ہوگیا تھا کہ اب شامی کوئی دم مین میدان چھوڑنا چاہتے ہین، اس لئے لیلۃ الحریر کی صبح کو اپنی فوج کے سامنے ایک پرجوش تقریر کی اور کہا لوگو! اب جنگ آخری حد کو پہنچ چکی ہے، تمہارا حریف آخری سانسیں لے رہا ہے فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار ہوجاؤ،

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۰۱ [2] ایضاً،

عمرو بن العاص کی ایک تدبیر اور علوی فوج میں اختلاف

امیر معاویہؓ کو بھی اپنی فوج کی حالت کا اندازہ ہو چکا تھا، انھوں نے عمرو بن العاصؓ سے مشورہ کیا، انھوں نے کہا ایسے وقت کے لئے میں نے پہلے سے یہ تدبیر سوچ رکھی تھی کہ ہم لوگ قرآن کو حکم بنانے کی دعوت دیں، اس کے قبول اور انکار دونوں صورتوں میں علیؓ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی،[1]

چنانچہ دوسرے دن جب شامی میدان میں آئے تو دمشق کے مصحف اعظم کو پانچ شامی آگے آگے نیزے پر اٹھائے تھے، اور اس کے پیچھے ہزاروں قرآن نیزوں پر بلند تھے، فضل بن ادہم، شریح جذامی اور ورقا بن معمر نے پکار کر علوی فوج سے کہا، معشر عرب! خدارا اپنی عورتوں اور بچوں کو فارس اور روم سے بچاؤ،[2] اگر شامی ختم ہو گئے تو رومیوں سے شام کی حفاظت کون کرے گا، اور اگر عراقی فنا ہو گئے تو اہل عجم سے عراق کو کون بچائے گا،[2] آؤ ہم تم قرآن کو حکم مان لیں،[3] اس کا فیصلہ ہم دونوں کے لئے واجب التسلیم ہو،

یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی، حضرت علیؓ اور ان کی فوج کے بعض دوسرے عاقبت اندیش افسروں نے مخالفت کی، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "یہ محض فریب ہے" لیکن ایک بڑی جماعت پر یہ جادو چل گیا، اس نے کہا کہ شامیوں کو اسی کتاب کا پابند بنانے کے لئے تو ہم ان سے لڑ رہے تھے، اب جب کہ وہ خود ہمیں اس کی دعوت دیتے ہیں تو ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے، بعض لوگوں نے یہاں تک کہا کہ اگر آپ نے قرآن کو حکم ماننے سے انکار کیا تو ہم آپ سے لڑیں گے، اور آپ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں گے،[4]

دوسری طرف امیر معاویہؓ نے اعلان کرا دیا کہ جنگ بہت طول کھینچ گئی ہے، ہم میں سے ہر فریق اپنے کو حق اور دوسرے کو باطل پر تصور کرتا ہے، اس جھگڑے کو چکانے کے لئے ہم نے

---

[1] طبری ۷ ص ۳۳۰۳ و اخبار الطوال ص ۲۰۱ [2] اخبار الطوال ص ۲۰۲ [3] طبری ص ۹ ۳۳۲ [4] ایضاً ص ۳۳۴۰

قرآن کو حکم ماننے کی دعوت دی ہے، اگر اسے وہ لوگ قبول کرین گے تو فبہا ورنہ پھر ہماری حجت تمام ہو چکی، اس اعلان کے ساتھ حضرت علیؓ کو بھی لکھا کہ اس خونریزی کا مواخذہ میرے اور تمھارے سر ہے، اب مین تم کو اس کے بند کرنے، الفت و محبت کو قائم کرنے اور بغض و عناد کو بھلا دینے کی دعوت دیتا ہون[1]،

تحکیم کی تجویز اور حکم کا انتخاب

حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ انکار کی صورت مین خود ان کی فوج مین پھوٹ پڑ رہی ہے تو چار و ناچار تحکیم کے لئے آمادہ ہو گئے، اور جنگ روک دی آپ کے بعض ہوا خواہون پر جنگ کا التوا سخت شاق تھا، ان مین اور قرآن کی تحکیم پر اصرار کرنے والون مین سخت گفتگو ہو گئی، اور قریب تھا کہ عراقی فوج مین آپس ہی مین تلوارین نکل آئین لیکن حضرت علیؓ نے معاملہ رفع دفع کر دیا[2]،

التوائے جنگ کے بعد طے پایا کہ دونون فریق کی جانب سے ایک ایک حکم مقرر کیا جائے یہ دونون کتاب اللہ کے رو سے جو فیصلہ کر دین وہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہو، اور جو فریق اس فیصلہ کو نہ مانے حکم اس کے خلاف دوسرے کو مدد دین،

اس قرارداد کے بعد شامیون نے عمرو بن العاصؓ کو اپنا حکم بنایا، حضرت علیؓ کی جماعت مین سے ان لوگون نے جو تحکیم کی حمایت مین تھے، اپنی جانب سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام پیش کیا، حضرت علیؓ کو اس سے اختلاف تھا، آپ نے فرمایا مجھ کو ان پر اعتماد نہین ہے، وہ ہماری مخالفت کر چکے ہین، لوگون کو ہمارے خلاف بھڑکاتے تھے، ان کی فہم و تدبر پر بھی ہمین بھروسہ نہین ہے، اس لئے ان کے بجائے ابن عباسؓ کو حکم بنایا جائے، لیکن جن لوگون نے ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام پیش کیا تھا، اس تجویز پر انھون نے یہ اعتراض کیا کہ وہ آپ کے خاص عزیز

[1] اخبار الطوال ص ۲۰۱، [2] طبری ۳۳۳۲،

ہیں، حکم غیر متعلق شخص کو ہونا چاہیے، حضرت علیؓ نے فرمایا تو پھر اشتر نخعی کو بنایا جائے، اشعث بن قیس نے کہا کہ انہی نے یہ آگ بھڑکائی ہے، اس لئے وہ کس طرح حکم ہو سکتے ہیں، حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ بن جائے گا تو چار و ناچار ابو موسیٰ اشعریؓ پر راضی ہو گئے[1] عمرو بن العاص امیر معاویہؓ کے ساتھ ہی تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ خانہ جنگی سے بچنے کے لئے نواحِ شام میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، وہاں سے بلا کر لائے گئے، وہ بڑے سادہ دل بزرگ تھے، اس لئے حضرت علیؓ کے بعض مشیروں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ابو موسیٰ اس کام کے نہیں ہیں، اس لئے کسی دوسرے کو منتخب کیجئے، آپ نے فرمایا لوگ ان کے علاوہ کسی دوسرے پر راضی نہ ہوں گے،

تحکیم کا عہد نامہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے آنے کے بعد تحکیم کا معاہدہ لکھا گیا، کتابت شروع ہوئی تھی کہ حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ امیر المومنین لکھنے پر امیر معاویہؓ کو یہ اعتراض ہوا کہ اگر ہم انھیں امیر المومنین ہی مانتے تو پھر ان سے جنگ کیوں کرتے، حضرت علیؓ کے بعض حامیوں کو اس پر اصرار تھا، آپ نے فرمایا یہ تو سنتِ نبوی ہے، حدیبیہ کے معاہدہ میں "رسول اللہ" کے لفظ پر مشرکین کو اسی قسم کا اعتراض ہوا تھا تو آپ نے خود اپنے دستِ مبارک سے اسے مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھ دیا تھا، اس لئے امیر المومنین کو کاٹ کر علی بن ابی طالب لکھا جائے چنانچہ امیر المومنین کا لفظ کاٹ دیا اور ایک طویل عہد نامہ مرتب ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے :-

"علی اور ان کی جماعت نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو اور معاویہ اور ان کی جماعت نے عمرو بن العاص کو حکم مقرر کیا ہے، یہ دونوں کسی فریق کی رورعایت کے بغیر، امت کی خیر خواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق جو فیصلہ

---

[1] طبری ص ۳۳۳۲ و اخبار الطوال ص ۲۰۵

کردیں گے وہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوگا، اور جو فریق اس کے ماننے سے انکار کریگا حکم اور عام مسلمان اس کے خلاف دوسرے فریق کو مدد دیں گے، لیکن اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف ہو یا کسی فریق کی جنبہ داری پائی جائے تو اس کی پابندی ضروری نہیں ہے، اس وقت ہر فریق خود اپنا فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہوگا، فیصلہ کے اعلان تک جنگ بالکل ملتوی رہے گی، اور کامل امن وامان قائم رکھا جائے گا، اگر فیصلہ کے اعلان سے قبل دونوں امیروں اور حکموں میں سے کوئی امیر یا حکم مرجائے تو اس کی جماعت کو اس کی جگہ دوسرے امیر اور حکم کے انتخاب کا حق حاصل ہوگا، دونوں حکموں کی جان اور مال محفوظ رہے گا، رمضان تک فیصلہ کا اعلان ہو جانا چاہئے لیکن اگر حکم اس میں کچھ تاخیر کرنا مناسب سمجھیں تو اس مدت میں توسیع کرسکتے ہیں، اگر مقررہ مدت میں فیصلہ نہ سنایا گیا تو فریقین کو از سرنو جنگ شروع کرنے کا اختیار ہوگا[1]،

اس عہدنامہ پر فریقین کے تمام ممتاز لوگوں کے دستخط ہوگئے، اور شام وعراق کی سرحد پر دومۃ الجندل کا مقام فیصلہ کے اعلان کے لئے مقرر ہوا، تکمیل کے بعد معاہدہ کا مضمون دونوں فریق کی فوجوں میں مشتہر کر دیا گیا، اسے سن کر حضرت علیؓ کی فوج کا ایک حصہ خلاف ہوگیا، جس نے بعد میں خارجی فرقہ کی شکل اختیار کرلی، اس کے حالات آئندہ آئیں گے،

حکمین کی گفتگو

معاہدہ کی کتابت کے بعد دونوں حکموں کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی، عمروؓ بن العاص بڑے مدبر اور دانشمند تھے، انھوں نے پہلے ہی سے تعظیم وتکریم کے ذریعہ ابوموسیٰ اشعریؓ پر اثر ڈالنا شروع کردیا، خود خاموش رہتے، ہر معاملہ میں حضرت ابوموسیٰؓ اشعریؓ سے کہتے کہ آپ میرے بزرگ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقتدر صحابی ہیں، پہلے آپ اپنا خیال

[1] یہ عہدنامہ طبری اور اخبار الطوال سے ملخصاً ماخوذ ہے،

ظاہر فرمایئے، بہرحال دونون مین حسب ذیل گفتگو ہوئی،

ابوموسیٰ اشعریؓ، ابن العاص! ہم کیون نہ ایسے شخص کو منتخب کرین جس مین خدا کی خوشنودی اور امت کی فلاح دونون باتین حاصل ہون،

عمروبنؓ العاص، کس کو،

ابوموسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بنؓ عمر کو جن کا دامن ان ہنگامون سے بالکل پاک ہے،

عمروبنؓ العاص، امیر معاویہ پر آپ کو کیا اعتراض ہے،

ابوموسیٰؓ، معاویہ کا کیا رتبہ ہے، وہ کس طرح اس کے مستحق ہو سکتے ہین؟

عمروبنؓ العاص، یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ عثمان مظلوم شہید کئے گئے، ان کے بعد معاویہ ان کے گھر کے متولی اور ان کے قصاص کے دعویدار ہیں۔

ابوموسیٰؓ، ہان، یہ صحیح ہے،

عمروبنؓ العاص، اگر لوگون کو ان پر یہ اعتراض ہو کہ وہ قدامت اسلام کے شرف سے محروم ہین، تو اس کے جواب مین آپ کے پاس قرآن کی یہ دلیل موجود ہے،

مَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِیِّهٖ سُلۡطٰنًا، جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہو ہم نے اس کے ولی کو قصاص کا حق دیا ہے،

اس کے علاوہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور ام المومنین ام حبیبہؓ کے بھائی ہیں،

ابوموسیٰؓ، ابن العاص خدا سے ڈرو، اگرچہ یہ شرف ہے لیکن استحقاق خلافت کے لئے اسی قسم کے شرف کافی ہو سکتے ہین تو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سلاطین یمن کی اولاد میں ابرہہ بن صباح ہوتا، جن کی حکومت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی، یہ کوئی شرف نہیں ہے، خلافت صاحب فضل اور اہل دین کا حق ہے، پھر شرف مین علیؓ اور معاویہؓ

کیا مقابلہ، اگر مین سب سے افضل و اشرف قریشی کے حق مین فیصلہ کرنے والا ہوتا تو علیؓ کے حق مین کرتا، تمہارا یہ کہنا کہ معاویہ قصاص عثمان کے ولی ہین، تو اس کا حق سب سے زیادہ عثمان کے لڑکے عمرو کو ہے، مہاجرین اولین کے مقابلہ مین مین کسی طرح معاویہ کو خلیفہ نہیں بنا سکتا، ہان اگر تم چاہو تو عبداللہ الحبر کو خلیفہ بنا کر عمر بن الخطاب کا نام زندہ کردین،

عمرو بن العاص، تو پھر میرے لڑکے عبداللہ مین کیا خرابی ہے، اس کے علم و فضل اور شرف و مناقب سے آپ واقف ہین،

ابوموسیٰ، بیشک تمہارا لڑکا صالح اور اہل ہے، لیکن اس فتنہ مین شرکت سے اس کا دامن داغدار ہوگیا ہے، آو طیب بن طیب عبداللہ بن عمر کو خلیفہ بنا دین،

عمرو بن العاص، خلیفہ ایسے شخص کو ہونا چاہئے جو ایک داڑھ سے خود کھائے، اور دوسری سے دوسرون کو کھلائے،

ابوموسیٰؓ، ابن العاص! آپس مین خانہ جنگی اور خونریزی کے بعد مسلمانون نے یہ معاملہ ہمارے سپرد کیا ہے، اب ان کو دوبارہ اس فتنہ مین نہ ڈالو،

عمرو بن العاص، پھر آپ کیا کہتے،

ابوموسیٰ، میری رائے تو یہ ہے کہ ان دونوں کو معزول کرکے مسلمانون کو نئے سرے سے خلیفہ کے انتخاب کا حق دیا جائے،

عمرو بن العاص، مجھے اس سے اتفاق ہے، امت کی بھلائی اسی مین ہے،[1]

فیصلہ کا اعلان اس قرارداد کے بعد دونون حکم فیصلہ سنانے کے لئے دومۃ الجندل آئے، دونون

[1] اس گفتگو مین طبری اور اخبار الطوال کے بیانات مین بعض جزوی اختلافات ہین، ہم نے دونون کے بیانات جمع کرنے کی کوشش کی ہے،

فریق نے چند سو آدمی اپنے اپنے حکم کے ساتھ کر دیے تھے، یہ فیصلہ امت کی قسمت کا فیصلہ تھا، اس لئے ہزاروں مسلمان اور بہت سے اکابر صحابہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، اور سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ جو اس جنگ میں غیر جانبدار تھے، فیصلہ سننے کے لئے آئے،

بعض عاقبت اندیش اور سمجھدار لوگوں کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی سادہ دلی اور عمرو بن العاصؓ کی ہوشمندی سے خطرہ تھا کہ عمرو بن العاصؓ اس پر قائم نہ رہیں گے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اس خطرہ سے آگاہ کیا، کہ اگر آپ دونوں کسی فیصلہ پر متفق ہو چکے ہوں تو اس کے اعلان میں خود پیشقدمی نہ کیجئے گا، بلکہ پہلے عمرو بن العاص سے اعلان کرائیگا، وہ چالاک آدمی ہیں، مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے پہلے اعلان کیا تو عمرو بن العاص دھوکا دے جائیں گے، لیکن حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اپنی سادگی کی بنا پر سب کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے، فرمایا یہ نہیں ہو سکتا، ہم دونوں ایک فیصلہ پر متفق ہو چکے ہیں[1]

غرض مقررہ تاریخ پر دونوں حکموں نے جامع مسجد میں فیصلہ سنایا، ہزاروں مسلمان اس کے اشتیاق میں جمع تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عمرو بن العاصؓ سے کہا، پہلے تم سناؤ، انھوں نے کہا، آپ فضل و منقبت میں مجھ سے افضل ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے میں اس کی جرأت نہیں کر سکتا، حضرت ابو موسیٰؓ پر یہ جادو چل گیا چنانچہ انھوں نے منبر پر کھڑے ہو کر فیصلہ کا اعلان کیا

"اما بعد! لوگو ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا، اس امت کے اتفاق و اتحاد اور اصلاح کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہ آئی، کہ علی اور معاویہ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے، عام مسلمان جسے اہل سمجھیں اسے منتخب کر لیں، اس لئے میں علی اور معاویہ دونوں کو معزول کرتا ہوں، آئندہ تم جسے پسند کرو اپنا خلیفہ بناؤ،

[1] اخبار الطوال ص ۲۱۷،

ان کے بعد عمرو بن العاصؓ نے اپنا فیصلہ سنایا،

"اما بعد لوگو! ابو موسیٰ کا فیصلہ آپ لوگوں نے سن لیا، انھوں نے اپنے آدمی کو معزول کردیا میں بھی اس کو معزول کرتا ہوں، لیکن اپنے آدمی معاویہ کو برقرار رکھتا ہوں وہ امیر المومنین عثمان کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں، اس لئے ان کی قائم مقامی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں،

یہ فیصلہ سن کر حضرت ابو موسیٰؓ چلائے کہ یہ غداری ہے، لیکن اب تیر کمان سے چھوٹ چکا تھا، اور اس کی تلافی کی کوئی صورت نہ تھی،

اس فیصلہ سے قدرۃً حضرت علیؓ کے حامیوں میں سخت برہمی پیدا ہوگئی، شریح بن ہانی نے عمرو بن العاص پر کوڑے برسانا شروع کردیے لیکن لوگوں نے درمیان میں پڑکر چھڑا دیا شامی ابو موسیٰؓ کی تلاش میں تھے، وہ یہ رنگ دیکھ کر مکہ نکل گئے،

اس فیصلہ کے بعد امیر معاویہؓ کے حامیوں نے انھیں باضابطہ خلیفہ تسلیم کرلیا[1]،

خوارج کی سرکشی

یہ فیصلہ ایسا نامنصفانہ تھا کہ اسے کوئی حق پسند تسلیم نہیں کرسکتا تھا، اس لئے فیصلہ کے اعلان کے بعد حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کردیں، ابھی آپ اس میں مشغول تھے کہ خارجیوں نے عراق میں اتنی شورش اور بدامنی پھیلائی کہ آپ کو امیر معاویہؓ کے مقابلہ کا ارادہ ملتوی کرکے پہلے ادھر متوجہ ہونا پڑا،

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ شروع میں حضرت علیؓ نے تحکیم کی تجویز کی مخالفت کی تھی لیکن پھر اپنی ہی فوج کے آدمیوں کی ضد سے اس کے قبول کرنے پر مجبور ہوگئے تھے، مگر پھر تحکیم کی تجویز طے ہو جانے کے بعد آپ ہی کے حامیوں میں سے ایک جماعت اس کے خلاف ہوگئی تھی،

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۱۲ و طبری،

اور تحکیم کو کفر قرار دیا، یہی جماعت بعد مین خوارج کے نام سے موسوم ہوئی، اسی زمانہ مین دو آدمیون زرعہ بن برج طائی اور حرقوص بن زہیر سعدی نے حضرت علیؓ سے کہا کہ خدا کے علاوہ کسی انسان کو حکم نہیں بنایا جاسکتا، آپ اس غلطی سے توبہ کیجئے، اور ہمارے ساتھ دشمنون کا مقابلہ کیجئے، لیکن تحکیم کا عہد نامہ لکھا جا چکا تھا، اس لئے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مین نے خود اس کی مخالفت کی تھی، لیکن تم ہی لوگون نے مجھے مجبور کیا، اب عہد نامہ لکھ چکا ہون، اس کو نہیں توڑ سکتا، خدا فرماتا ہے کہ جو عہد کرو اسے پورا کرو، خوارج نے ان کو بہت مجبور کیا، لیکن آپ آمادہ نہ ہوئے، آخر مین انھون نے دھمکی دی، کہ اگر آپ تحکیم کو تسلیم کرتے ہین، تو ہم خدا کے لئے آپ سے لڑین گے، آپ نے فرمایا تو تمھاری لاشین خاک و خون مین تڑپین گی،

یہ واقعہ تحکیم کے قبل کا ہے، اسی وقت سے خارجی فرقہ کی بنیاد پڑ گئی تھی، فیصلہ کے اعلان کے بعد خارجیون نے عبد اللہ بن وہب راسبی کے ہاتھون پر بیعت کرکے حضرت علیؓ کی علی الاعلان مخالفت شروع کردی، اس جماعت کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین مین انسان کو حکم بنانا کفر ہے، اور حکم اور اس کا فیصلہ ماننے والے سب کافر ہین، اور ان سے جہاد فرض ہے، ان عقائد کی اشاعت کرکے کوفہ، بصرہ، مدائن اور عراق کے دوسرے شہرون مین ایک معتدبہ جماعت اپنی ہم خیال بنالی، اور کوفہ کے خوارج خفیہ نہروان روانہ ہوگئے، اور دوسرے شہرون کے خوارج کو اس کی اطلاع دے دی،

مدائن کے والی سعید بن مسعود کو ان کی نقل و حرکت کی اطلاع ہوگئی، انھون نے تعاقب کیا، کرخ مین دونون کا سامنا ہوا، سعید کے ساتھیون نے کہا کہ ان کے بارہ مین امیر المومنین کا کوئی حکم نہیں ہے، اس لئے اس وقت ان سے مزاحمت نہ کیجئے، پہلے امیر المومنین

ے اخبار الطوال ص ۲۱۶ و ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۳،

سے لکھ کر دریافت کرلیجئے، اس مشورہ پر سعید نے ان کا راستہ چھوڑ دیا،

نہروان میں اجتماع کوفہ سے نکلنے کے قبل ان لوگوں نے بصرہ وغیرہ کے خارجیوں کو نہروان مین اجتماع کی خبر دے دی تھی، چنانچہ بصرہ سے پانچسو کی جماعت روانہ ہوئی، یہان کے والی حضرت عبداللہ بن عباس کو معلوم ہوا تو آپ نے ابوالاسود دولی کو ان کے تعاقب مین روانہ کیا، انھون نے تستر مین انھیں پکڑ لیا، لیکن رات ہو چکی تھی، اس لئے خارجی نکل گئے، اور نہروان مین اپنے ساتھیون سے جا ملے، راستہ مین انھیں جو مسلمان ملتا تھا، اس سے سوال کرتے تھے کہ حکمین کے بارہ مین تمھاری کیا رائے ہے، اگر وہ برأت ظاہر کرتا تو چھوڑ دیتے، ورنہ قتل کر دیتے،[1]

خوارج کو دعوتِ اتحاد یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت علیؓ امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریان کر رہے تھے، یہ حالات سن کر آپ نے خوارج کو خط لکھا،

ہم نے جن آدمیون کو حکم بنایا تھا، انھون نے اپنے نفس کی پیروی کر کے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا، اس لئے ہم نے اس فیصلہ سے برأت ظاہر کی، اور آپ پھر پہلی حالت پر آگئے ہیں (یعنی جنگ) ہم اپنے اور تمھارے دشمنون کے مقابلہ کے لئے جا رہے ہین، خدا تم پر رحم کرے، تم بھی ہمارا ساتھ دو، ہم اس وقت تک مقابلہ کرین گے جب تک خدا کوئی فیصلہ نہ کر دے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے؛

خوارج نے اس خط کا یہ جواب دیا،

"امابعد تم کو اس فیصلہ پر خدا کے لئے نہین بلکہ اپنے نفس کے خاطر برہمی ہے، اگر تم تحکیم کے ماننے کی غلطی پر اپنے کفر کا اقرار کر کے توبہ کرو تو ہم تمھارے سوال پر غور کرنے کے لئے تیار ہین، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ہم تم سے لڑین گے، خدا خیانت کرنے والون

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۱۹،

کی چال کی ہدایت نہیں کرتا[1]،

اس جواب کے بعد بھی آپ نے تیاریاں جاری رکھیں، اور صوبوں کے عمال کو اپنی اپنی فوجیں لے کر آنے کا حکم دیا، آپ کے فرمان پر اسی ہزار فوجیں جمع ہو گئیں،

لیکن اس درمیان میں خارجیوں کی فتنہ انگیزی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی، کسی مسلمان کی جان ان کے ہاتھ سے محفوظ نہ تھی، جو شخص ان کے خیالات کی تائید نہ کرتا اسے بے دریغ قتل کر دیتے، چنانچہ ایک صحابی عبد اللہ بن خباب کو اسی جرم میں شہید کر دیا، اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے بے دردی سے قتل کر دیا، قبیلہ طے کی کئی عورتوں کو مار ڈالا[2]، ان کی یہ فتنہ انگیزی دیکھ کر لوگوں نے حضرت علیؓ سے عرض کیا، امیر المومنین! آپ اس فتنہ انگیزی کے لئے خارجیوں کو آزاد چھوڑ کر کہاں کا قصد فرما رہے ہیں؟ آپ کی عدم موجودگی میں یہ اور دلیر ہو جائیں گے، پہلے ان کی سرکوبی کیجئے، اور انھیں مطیع بنا کر مسلمانوں کو ان کے مظالم سے بچایئے، اس کے بعد شام کا قصد فرمایئے گا،

خوارج کی فتنہ انگیزیوں اور لوگوں کی درخواست پر مجبور ہو کر حضرت علیؓ نے فی الحال شام کا ارادہ ملتوی کر دیا، اور خارجیوں کے مقابلہ کے لئے نہروان روانہ ہو گئے،

اتمام حجت خارجی یہاں پہلے سے جمع تھے، حضرت علیؓ کے پہنچتے ہی صف آرائی شروع ہو گئی، جنگ چھیڑنے سے پہلے آپ نے خارجیوں کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ "تمہارے جن آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے، ان کو قصاص کے لئے ہمارے حوالہ کر دو تو ہم تم کو چھوڑ دینگے، شاید خدا تم کو راہ راست پر لے آئے، ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم سب نے قتل کیا ہے، اور ہم تمہارا اور ان کا، دونوں کا خون مباح سمجھتے ہیں[3]،

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۲۰ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۶ [3] اخبار الطوال ص ۲۲۰،

اس جواب کے بعد آپ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور قیس بن سعد انصاری کو سمجھانے کے لئے بھیجا، ان دونوں بزرگوں نے ہر چند راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن خوارج برابر اپنی ضد پر قائم رہے، آخر میں آپ خود اتمام حجت کے لئے تشریف لے گئے، اور ان کے سامنے تقریر کی۔

"اے وہ گروہ جسے محض ضد نے پیدا کیا ہے، اور خواہش نفس نے اسے قبولِ حق سے روکا ہے، تم لوگ شبہہ اور غلطی میں مبتلا ہو، میں تم کو اس سے متنبہ کرتا ہوں تاکہ تم گمراہی پر قائم نہ رہو، اور ایسی حالت میں نہ مارے جاؤ کہ خدا کے سامنے تمہارے لئے کوئی دلیل باقی نہ رہے، کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے سرپنچوں سے یہ شرط لی تھی کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے، میں نے تم کو اسی وقت آگاہ کر دیا تھا کہ تحکیم کی تجویز محض فریب ہے، لیکن تم ہی نے اس کے قبول کرنے پر اصرار کیا، میں نے اسی شرط پر اسے منظور کیا تھا کہ دونوں حکم اس چیز کو زندہ کریں گے جسے قرآن نے زندہ کیا ہے، اور اس کو ختم کریں گے جسے قرآن نے ختم کیا ہے، لیکن حکموں نے خواہش نفس پر عمل کر کے کتاب و سنت کی مخالفت کی، اس لئے ہم نے ان کے فیصلہ کو رد کر دیا، اب ہم پھر پچھلی حالت پر لوٹ آئے،

خوارج نے اس کا یہ جواب دیا،

"جب ہم نے حکم کی تجویز قبول کی تھی، اس وقت کافر ہو گئے تھے، اب ہم نے توبہ کر لی ہے، اگر تم بھی ہماری طرح توبہ کر لو تو ہم تمہارے ساتھ ہیں، ورنہ بصورت جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ" حضرت علیؓ نے فرمایا، اگر میں کفر کا اقرار کروں تو

۱؎ ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۶ ۲؎ ایضاً،

گمراہی مین مبتلا ہون گا، مناسب صورت یہ ہے کہ تم اپنے کسی معتبر آدمی کو ہمارے پاس گفتگو کے لئے بھیجو، اگر وہ مجھے قائل کردے تو مین اپنی غلطی کا اعتراف کرکے توبہ کرونگا اور اگر وہ قائل ہوجائے تو تم کو خدا سے ڈرنا چاہیے[1]،

اس تجویز پر خارجیون نے عبد اللہ بن الکوار کو گفتگو کے لئے بھیجا، دونون مین مباحثہ ہوا، لیکن خوارج اپنی رائے سے بالکل ہٹنا نہ چاہتے تھے، اس لئے کوئی نتیجہ نہ نکلا، اور حضرت علیؓ کو مجبور ہوکر مقابلہ مین آنا پڑا،

تاہم آغاز جنگ سے پہلے ایک مرتبہ پھر حضرت ابو ایوبؓ انصاری کو امان کا علم دے کر اعلان کرادیا کہ جو شخص اس علم کے نیچے آجائے یا لوٹ جائے یا خارجیون کا ساتھ چھوڑدے، وہ مامون ہے، اس اعلان پر ایک خارجی سردار فروہ بن نوفل اشجعی نے اپنے ساتھیون سے کہا کہ ہمارے پاس علیؓ سے جنگ کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے لوٹ چلنا چاہیے اور اس وقت تک کوئی حصہ نہ لینا چاہیے، جب تک ان سے لڑنے یا ان کی پیروی کرلینے میں کسی ایک نتیجہ پر نہ پہنچ جائین، چنانچہ وہ پانچسو آدمیون کو لے کر لوٹ گیا، ایک اور جماعت کوفہ واپس چلی گئی، ایک ہزار حضرت علیؓ کے جھنڈے کے نیچے آگئے، اور عبد اللہ بن وہب راسبی کے ساتھ بہت تھوڑی تعداد رہ گئی،

جنگ اور خوارج کی شکست

اس وقت بھی حضرت علیؓ نے اپنے آدمیون کو جنگ کی ابتدا کرنے سے روکے رکھا، تا آنکہ خود خارجیون نے لاحکم الا للہ کا نعرہ لگا کر اس زور سے حملہ کردیا کہ پہلے ہی حملہ مین حضرت علیؓ کا پیدل دستہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا، اور خارجی، علوی فوج کے میمنہ اور میسرہ پر ٹوٹ پڑے، اور اس شجاعت اور پامردی سے لڑے کہ ان کے

[1] اخبار الطوال ص ۲۲۱ و ۲۲۲،

بعض کٹ کر الگ ہو جاتے تھے، لیکن اس حالت مین بھی وہ لڑتے رہتے تھے، ایک خارجی شریح ابن ابی اوفی کا ایک پاؤن کٹ گیا وہ اس حالت مین بھی لڑتا رہا،

حضرت علیؓ کی فوج نے بھی پوری شجاعت سے مقابلہ کیا، بالآخر ایک خونریز جنگ کے بعد خوارج کو نہایت فاش شکست ہوئی اور وہ ایک ایک کرکے مارے گئے،

شام کا قصد اور علوی فوج کی کمزوری

خارجیون کی مہم سے فراغت کے بعد حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو امیر معاویہؓ کے مقابلہ کے لئے ابھارا، کہ خدا نے تم کو ایک دشمن کے مقابلہ مین کامیاب کیا ہے، اب یہیں سے اپنے دوسرے دشمن کے مقابلہ مین روانہ ہو جاؤ، لیکن اس وقت اس کی ہمت پست ہو رہی تھی، اشعث بن قیس کندی نے عرض کیا، امیر المومنین ہمارے ترکش خالی ہوگئے ہین، تلوارین کند ہوگئی ہین، نیزون کے پھل خراب ہوگئے ہین، اس لئے اس وقت گھر لوٹ چلئے، تاکہ ہم دشمن کے مقابلہ کے لئے اچھی طرح تیاری کرلین، ان کے اس عذر پر حضرت علیؓ نے کوچ کا حکم دیا، مقام نخیلہ مین فوج نے منزل کی، یہان سے لوگون نے اپنے اپنے گھر کا راستہ لینا شروع کیا، اور آپ کے ہمراہ کل ایک ہزار آدمی رہ گئے، یہ صورت دیکھ کر حضرت علیؓ کوفہ لوٹ آئے،[۲]

مصر پر امیر معاویہؓ کا قبضہ

عثمانی عمال کو معزول کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے مصر کی ولایت پر حضرت قیسؓ بن سعد کو جو ایک مقتدر صحابی تھے، مقرر کیا تھا، یہ بڑے مدبر اور اور مصلحت شناس تھے، انھون نے بڑی ہوشیاری سے مصریون سے حضرت علیؓ کی بیعت لے لی تھی، صرف ایک مقام خربتا کے باشندون نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے زیادہ متاثر تھے بیعت نہیں کی قیس نے انہیں چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور کہلا دیا کہ ہم تم کو بیعت کے

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۶ و اخبار الطوال ص ۲۰۴ [۲] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۹،

مجبور نہیں کرتے اور تمہاری ہر خدمت کے لئے آمادہ ہیں، ان کی اس پالیسی کا یہ اثر ہوا کہ گو اہل خربتا نے بیعت نہیں کی، لیکن خراج دینے میں کوئی تامل نہیں کیا، یہ واقعہ جنگ جمل کے پہلے کا ہے،

قیس بن سعد عرب کے نامور مدبر تھے، اس لئے امیر معاویہؓ جب حضرت علیؓ کے مقابلہ کیلئے کھڑے ہوئے تو عمرو بن العاص کی طرح انھیں بھی ملانا چاہا، چنانچہ ان کو خط لکھا کہ "تم بھی قاتلین عثمانؓ کے ساتھ ہو، اگر ان کا ساتھ چھوڑ کر طالبین قصاص کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ، تو ہم تمہارا ہر حکم ماننے کے لئے تیار رہیں، اور تمہاری زندگی بھر عراق کی حکومت تمہارے لئے مخصوص رہے گی، حجاز کی حکومت پر تم کو اختیار ہوگا، جس کو چاہنا حاکم بنانا، اس کے علاوہ اور جو تم چاہو میں سب پورا کرنے کے لئے تیار ہوں، اگر تم کو یہ منظور ہے تو اپنی رائے لکھو"

اس وقت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی کشمکش کا آغاز تھا، ملک کی حالت مذبذب تھی، اس لئے قیس نے گول جواب دیا، امیر معاویہؓ بڑے جہاندیدہ تھے، وہ سمجھ گئے، انھوں نے لکھا کہ "تم نے ایسا جواب دیا ہے، اس سے نہ تم کو دوست ہی سمجھا جا سکتا ہے کہ تمہاری طرف سے اطمینان رکھا جائے، اور نہ دشمن یقین کیا جا سکتا ہے، کہ تم سے مقابلہ کیا جائے میرے جیسا شخص تمہارے فریب میں نہیں آسکتا، میرے پاس کافی قوت ہے،" قیس بن سعدؓ نے اس کا نہایت سخت جواب دیا، کہ "مجھ کو تمہاری عقل پر حیرت ہے، تم مجھ کو ایک مستحقِ خلافت حق گو، حق پرست، سب سے زیادہ ہدایت یاب اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریب عزیز کے مقابلہ میں ایک جھوٹے، گمکردہ راہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعید شخص کی اطاعت کی دعوت دیتے ہو، تم مجھے اپنی قوت کی دھمکی دیتے ہو، یاد رکھو کہ تم کو خود اپنے لالے پڑ جائیں گے"

قیس کا حضرت علیؓ کے ساتھ رہنا امیر معاویہؓ کے مصالح کے بالکل خلاف تھا، ان کی موجودگی میں مصر ان کے قبضہ میں نہیں آسکتا تھا، انھوں نے جب دیکھا کہ قیس طمع اور خوف سے ان کے دام میں آنے والے نہیں ہیں، تو مشہور کرنا شروع کردیا کہ قیس ہمارے خاص آدمی ہیں، اور شامیوں کو منع کردیا کہ ان کو برا بھلا نہ کہو، وہ ہمارے ساتھ ہیں، خفیہ ان کی خیر خواہی کے خطوط ہمارے پاس آتے رہتے ہیں، دیکھو ہمارے ہم خیال خربتا والوں کے ساتھ ان کا سلوک کتنا بہتر ہے، ان کے روزینے اور عطیے جاری ہیں، اس شہرت کے ساتھ اپنے نام قیس کا ایک فرضی خط بھی پڑھ کر سنا دیا، جس میں حضرت عثمانؓ کے قصاص کی دعوت پر پسندیدگی کا اظہار کیا گیا تھا، شام کے علوی جاسوسوں نے محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر بن ابی طالب کو اس کی اطلاع دی، انھوں نے حضرت علیؓ کو پہنچا دیا، آپ کو اس کے یقین کرنے میں تامل ہوا، لیکن ان دونوں نوجوانوں نے قیس کی معزولی پر اصرار کیا، اسی دوران میں قیس بن سعد کا ایک خط پہنچا، اس میں انھوں نے اہل خربتا کی حالت اور ان کے ساتھ اپنے طرز عمل کی اطلاع دی تھی، اس سے گویا محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر کو قیس کے خلاف ایک دلیل ہاتھ آگئی، انھوں نے حضرت علیؓ کو مجبور کرکے قیس کے نام اہل خربتا سے جنگ کرنے کا فرمان لکھا دیا، قیس نے جواب میں لکھا کہ "آپ ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دے رہے ہیں، جو اب تک غیر جانب دار ہیں، جہاں ان کو چھیڑا گیا، وہ آپ کے دشمن کے ساتھ ہو جائیں گے، میرا مشورہ قبول کیجئے، ان سے تعرض نہ فرمائیے"

لیکن حضرت علیؓ کی رائے پر دونوں نوجوان غالب آگئے تھے، محمد بن جعفرؓ نے حضرت علیؓ کو مجبور کرکے محمد بن ابی بکر کو مصر بھجوا دیا، قیس بن سعد کو یہ فطرۃً ناگوار ہوا، انھوں نے محمد بن ابی بکر سے پوچھا امیر المومنین نے مصر کی حکومت میں کسی اور کو بھی شریک کردیا ہے

انھوں نے جواب دیا، نہیں، حکومت آپ ہی کے ہاتھوں میں رہے گی، لیکن ظاہر ہے کہ یہ دو عملی نہیں چل سکتی تھی، خصوصاً جب کہ ابن ابی بکر قیس کی پالیسی کے بالکل خلاف تھے، اس لئے قیس مستعفی ہو کر مدینہ چلے گئے[1]

قیس حضرت علیؓ کے سچے خیرخواہ تھے، اس لئے مصر چھوڑتے وقت محمد بن ابی بکر کو تمام نشیب و فراز سمجھا کر اپنی پالیسی بتادی،

محمد بن ابی بکر بالکل ناتجربہ کار تھے، جوانی کا جوش تھا، پالیسی سے کام لینے کے بجائے خربتا والوں پر فوجکشی کردی، یہ لوگ بڑے شجاع اور بہادر تھے، محمد کو فاش شکست ہوئی، ان کی اس ناتجربہ کاری سے سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا کہ پہلے ایک مقام کے لوگ حضرت علیؓ کے خلاف تھے، محمد بن ابی بکر کے طرزِ عمل نے اور لوگوں کو بھی مخالف بنادیا، اور معاویہ بن خدیج کندی نے جو مصر کے ایک مقتدر رئیس تھے، علانیہ قصاصِ عثمانؓ کی دعوت شروع کردی، اس طرح مصر کی فضا مسموم ہوگئی[2]

حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اشتر نخعی کو ان کی مدد کے لئے بھیجا لیکن امیر معاویہؓ کے اشارہ سے راستہ ہی میں ان کا کام تمام کردیا گیا،

اشتر نخعی کو ختم کرانے کے بعد امیر معاویہؓ نے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے مصر پر فوجکشی کے بارہ میں خط و کتابت کی، انھوں نے لکھا تم فوراً آؤ، ہم سب تمہارے منتظر ہیں، تم کو ضرور کامیابی ہوگی، یہ جواب آنے کے بعد امیر معاویہؓ نے لوگوں کے مشورہ سے عمرو بن العاص کو چھ ہزار فوج کے ساتھ مصر روانہ کردیا، یہاں کا عثمانی گروہ سرحد پر ان سے مل گیا، انھوں نے محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ مصر کے باشندے تمہارے خلاف ہوچکے ہیں اور تمہارا

---

[1] یہ تمام حالات ابن اثیر ج ۳ ص ۲۰۷ و ۲۰۸ سے ماخوذ ہیں [2] طبری ص ۳۳۹۱ و ۳۳۹۲،

ساتھ چھوڑ چکے ہیں، اگر جنگ کی نوبت آئی تو وہ تم کو ہمارے حوالہ کردیں گے، اس لئے میرا خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ تم مصر چھوڑ دو، میں نہیں چاہتا کہ میرے ہاتھ سے تم کو کوئی نقصان پہنچے[۱]

محمد بن ابی بکر نے یہ خط حضرت علیؓ کے پاس بھجوادیا، وہاں سے مقابلہ کرنے کا حکم آیا، محمد بن ابی بکر چار ہزار فوج لے کر مقابلہ کے لئے نکلے، مقدمۃ الجیش کی کمان کنانہ بن بشر کے ہاتھوں میں تھی، یہ بڑے شجاع و بہادر تھے، بڑی شجاعت و پامردی کے ساتھ شامیوں کا مقابلہ کیا، جو دستہ آگے بڑھتا تھا، اسے پسپا کردیتے تھے، یہ رنگ دیکھ کر عمرو بن العاصؓ نے معاویہ بن خدیج کو اشارہ کیا، انھوں نے کنانہ کو گھیر لیا، اور ہر طرف سے شامی ان پر ٹوٹ پڑے، کنانہ نے گھوڑے سے اتر کر لڑنا شروع کردیا، لیکن تنہا ایک شخص کا ایک جم غفیر سے مقابلہ کرنا مشکل تھا، بالآخر وہ لڑتے لڑتے مارے گئے، کنانہ مصری فوج کے قوت بازو تھے، ان کے قتل ہوتے ہی مصریوں نے میدان چھوڑ دیا، محمد بن ابی بکرؓ روپوش ہوگئے، لیکن معاویہ بن خدیج نے ڈھونڈھ نکالا اور عمرو بن العاصؓ نے نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کرادیا[۲]، اور مصر پر ۳۸ھ میں ان کا قبضہ ہوگیا، امیر معاویہؓ نے وعدہ کے مطابق عمرو بن العاصؓ کو مصر کا والی بنایا،

حضرت علیؓ کے مقبوضات پر امیر معاویہؓ کی پیشقدمی اور اس کے نتائج

امیر معاویہؓ کے قبضہ میں صرف شام و مصر تھے، ان کے علاوہ سارا عرب و عجم حضرت علیؓ کے زیر نگین تھا، اس لئے مصر پر قبضہ کے بعد امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے دوسرے مقبوضات کی طرف قدم بڑھایا، اس کی تفصیل بیان کرنا محض تطویل ہے، مختصر حالات یہ ہیں۔

سب سے اول ۳۹ھ میں نعمان بن بشر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر روانہ کیا، یہاں کے علوی حاکم مالک بن کعب نے شکست دی،

---

[۱] طبری ص ۳۴۰۱ [۲] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۴۱،

اسی سنہ میں سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج دے کر انبار و مدائن روانہ کیا، وہ ہیت ہوتے ہوئے انبار پہنچے اور یہاں کی محافظ سپاہ کے افسر اشرف بن حسان البکری کو قتل کر کے انبار میں جو کچھ ملا لوٹ لیا، حضرت علیؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی، تو آپ نے سعید بن قیس کو سفیان بن عوف کے تعاقب میں روانہ کیا، مگر وہ جا چکے تھے،

عبد اللہ بن مسعدہ فزاری کو اہل بادیہ سے صدقہ وصول کرنے کے لئے تیما روانہ کیا، وہ یہ فرض انجام دیتے ہوئے مکہ اور مدینہ پہنچے، حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو آپ نے مسیب بن نجیہ فزاری کو مقابلہ کے لئے بھیجا، تیما میں دونوں کا مقابلہ ہوا، عبد اللہ بن مسعدہ زخمی ہو کر قلعہ بند ہو گئے، کچھ شامی بھاگ نکلے، مسیب نے قلعہ کا محاصرہ کر کے آگ لگا دی، لیکن پھر عبد اللہ کے پناہ مانگنے پر چھوڑ دیا، اور وہ باقی ماندہ ساتھیوں کو لے کر لوٹ گئے،

اسی سنہ میں معاویہؓ نے ضحاک بن قیس کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ واقصہ کے نشیبی علاقہ میں حضرت علیؓ کے باجگذار اعراب پر تاخت کرنے کے لئے بھیجا، یہ ثعلبیہ پر تاخت کرتے ہوئے قطقطانہ پہنچے، حضرت علیؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حجر بن عدی کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا، تدمر میں دونوں کا سامنا ہوا، حجر نے ان کے انیس آدمیوں کو قتل کیا اور شامی رات کی تاریکی میں نکل گئے،

ذی الحجہ ۳۹ھ میں معاویہ نے یزید بن شجرہ رہاوی کو اپنی طرف سے امیر الحج بنا کر مکہ سے حضرت علیؓ کے عامل کو نکالنے اور یہاں کے لوگوں سے اپنی بیعت لینے کے لئے بھیجا، یہاں کے علوی حاکم قثم بن عباس کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اہل مکہ کو یزید کے مقابلہ کے لئے ابھارا، لیکن شیبہ بن عثمان کے سوا کوئی آمادہ نہ ہوا، اس لئے قثم نے حضرت علیؓ کو اطلاع دے کر مکہ چھوڑ دینا چاہا، لیکن حضرت ابو سعید خدریؓ نے روکا، اس دوران میں

شامی پہنچ گئے، لیکن کسی سے تعرض نہیں کیا، قثم، حضرت علیؓ کو اطلاع دے چکے تھے، وہان سے ریان بنؓ ضمرہ اور ابو الطفیلؓ فوجین لے کر مقابلہ کے لئے پہنچے، لیکن ابن شجرہ نے خود ہی اعلان کر دیا کہ ہم حرم کے امن و امان مین خلل ڈالنا نہیں چاہتے، اُس سے البتہ جنگ کرینگے جو ہم سے لڑے گا، اور حضرت ابو سعیدؓ خدری سے درخواست کی کہ مین حرم مین تفرق پسند نہین کرتا، میرے اور قثم کے علاوہ کسی ایسے تیسرے آدمی کو امام بنا دیجئے، جس پر سب کا اتفاق ہو، یہ تجویز معقول تھی، اس لئے حضرت ابو سعید خدریؓ نے قثم سے کہا وہ الگ ہو گئے، اور لوگون نے شیبہ بن عثمانؓ کو امیر بنایا، چنانچہ ۳۵ھ کا حج ان ہی کی امارت مین ادا ہوا، اختتام حج کے بعد ابن شجرہ واپس گئے،

اسی سنہ مین امیر معاویہؓ نے عبد الرحمٰن بن قباث بن اشیم کو جزیرہ بھیجا، یہان کے حاکم شبیب بن عامر نصیبین مین تھے، انھون نے کمیل بن زیاد کو اطلاع دی، وہ چھ سو سوارون کا دستہ لے کر مدد کو پہنچے اور عبد الرحمٰن کو نہایت سخت شکست دی، شامیون کی بڑی تعداد کام آئی، اور ان کا کل سامان کمیل کے قبضہ مین آیا، اس کے بعد شبیبؓ بھی پہنچ گئے، اس وقت شامی شکست کھا کر واپس جا چکے تھے، شبیب نے بعلبک تک ان کا تعاقب کر دیا، امیر معاویہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھون نے فوراً حبیب بن مسلمہ کو شبیب کے مقابلہ کے لئے بھیجا، لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے شبیب واپس ہو چکے تھے،

اسی سنہ میں زبیر بنؓ مکحول کو صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا، حضرت علیؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنی جانب سے عبد اللہ اشجعیؓ کو کلب اور بکر بن وائل سے صدقہ وصول کرنے کے لئے روانہ کیا، ان مین اور زبیر مین جنگ ہوئی، جعفر کام آئے،

دومۃ الجندل کے باشندے غیر جانبدار تھے، انھون نے اب تک حضرت علیؓ اور معاویہؓ

کسی کی بیعت نہ کی تھی، امیر معاویہؓ نے مسلم بن عقبہ کو ان سے بیعت لینے کے لئے بھیجا، لیکن یہ لوگ آمادہ نہ ہوئے، حضرت علیؓ کو اس کی خبر ہوئی، تو آپ نے مالک بن کعب کو اپنی بیعت کے لئے بھیجا، ان میں اور مسلم بن عقبہ میں جنگ ہوئی، مسلم شکست کھا کر لوٹ گئے، اس کے بعد مالک نے بیعت لینی چاہی، دومۃ الجندل والوں نے کہا کہ جب تک کسی ایک شخص پر سب کا اتفاق نہ ہو جائے گا، اس وقت تک ہم کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کریں گے، اس جواب پر مالک نے زیادہ اصرار نہیں کیا، اور لوٹ آئے،

ابھی تک حجاز جس کی بیعت و حکومت پر خلافت کا فیصلہ ہوتا تھا، حضرت علیؓ کے قبضہ میں تھا، ۴۰ھ میں امیر معاویہؓ نے مشہور جفا کار بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ حجاز اور یمن روانہ کیا، وہ سیدھا مدینہ پہنچا، یہاں کے علوی والی حضرت ابوایوبؓ انصاری نے حرم نبویؐ کے احترام کے خیال سے مزاحمت مناسب نہ سمجھی، اور مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے، بسر بن ارطاۃ نے مدینہ میں داخل ہو کر تقریر کی کہ "ہمارے شیخ حضرت عثمانؓ جن سے ہم نے بیعت کا عہد کیا تھا، کہاں ہیں؟ اگر میں معاویہؓ سے عہد نہ کر چکا ہوتا تو خدا کی قسم یہاں ایک بالغ کو بھی زندہ نہ چھوڑتا، جب تک تم لوگ جعفر بن عبد اللہ کو میرے حوالہ نہ کرو گے، اس وقت تک امان کے دروازے تمہارے لئے بند ہیں" جابر نے یہ اعلان سنا تو وہ چھپ کر حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئے، اور عرض کیا اگر معاویہ کی بیعت کرتا ہوں تو گمراہی کی بیعت ہے، اور اگر نہیں کرتا تو جان سے ہاتھ دھوتا ہوں، انہوں نے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا، ان کے ارشاد پر جابر نے بیعت کر لی، اس کے بعد بسر اہل مدینہ کے دلوں میں ہیبت بٹھانے کے لئے چند گھروں کو مسمار کرا کے مکہ پہنچا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس کے خوف سے مدینہ چھوڑ دیا، بسر نے بزور اہل مکہ سے بیعت لی، ان سے بیعت لینے

کے بعد یمن روانہ ہو گیا، یہاں کے علوی والی حضرت عبید اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عبد المدان کو اپنا قائم مقام بنا کر کوفہ چلے گئے، بسر نے یمن پہنچکر عبد المدان اور اس کے لڑکے اور عبید اللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچوں کو قتل کیا، یہ مظالم ڈھانے کے بعد شام واپس ہوا،

حضرت علیؓ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب ابن مسعود کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا، بسر اس وقت نجران میں تھا، علوی فوج کی آمد کی خبر سنکر بھاگ نکلا، جاریہ اور وہب، بسر کی جماعت کے چند آدمیوں کو قتل کرکے مکہ پہنچے، اور اہل مکہ سے حضرت علیؓ کی بیعت لے کر اہل مدینہ سے حضرت حسنؓ کی بیعت لی، اور چند دن مدینہ میں ٹھہر کر کوفہ واپس گئے[1]،

فریقین میں مصالحت اس مسلسل خانہ جنگی، خونریزی اور بدامنی سے گھبرا کر حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے ۴۰ھ میں صلح کرلی، اس صلح کے رو سے حجاز، عراق اور مشرق کا پورا علاقہ حضرت علیؓ کے پاس رہا، اور شام اور مصر و مغرب کا حصہ امیر معاویہؓ کے حصہ میں آیا،

فتوحات حضرت علیؓ کا پورا زمانہ خانہ جنگیوں میں گذرا، تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ کو ایک دن کے لئے بھی اندرونی جھگڑوں سے فرصت نہ ملی، اس لئے بیرونی فتوحات کی جانب توجہ کرنے کا آپ کو موقع ہی نہ ملا، تاہم سیستان اور کابل میں بعض فتوحات حاصل ہوئیں، ۳۸ھ میں بحری راستہ سے کوکن پر حملہ ہوا[2]،

بغاوتوں کا استیصال مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سرزمین عجم میں جا بجا بغاوتیں برپا ہو گئی تھیں، کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہو گئے تھے، بعض اور علاقوں میں بھی بغاوت کے آثار تھے، حضرت علیؓ نے اندرونی دشواریوں کے باوجود زیاد بن ابیہ کو مامور کیا، اس نے بغاوت فرو کرکے باغی علاقوں کو قابو میں کیا،

---

[1] یہ حالات طبری، ابن اثیر کے مختلف صفحوں سے ماخوذ ہیں [2] فتوح البلدان بلاذری،

حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ سنہ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ کی شہادت کا حادثۂ عظمیٰ پیش آیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ نہروان کے معرکہ میں خارجیوں کو سخت نقصان پہنچا تھا، اس لئے اس جماعت کے تین آدمیوں عبدالرحمٰن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر نے باہم مشورہ کیا کہ نہروان کے مقتولین کے بعد زندگی بیکار ہے، معاویہ اور علی دونوں میں سے کوئی بھی حکومت کا اہل نہیں ہے، ان کی خانہ جنگی کی وجہ سے خلق اللہ مصیبت میں مبتلا ہے، بغیر انہیں ختم کئے ہوئے امن و سکون قائم نہیں ہو سکتا، چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو، برک بن عبداللہ نے امیر معاویہؓ کو، اور عمرو بن بکر نے عمرو بن العاصؓ کو شہید کرنے کا بیڑہ اٹھایا، ابن ملجم نے اپنے کام میں ایک اور شخص شبیب بن بجرہ اشجعی کو بھی شریک کر لیا اور تینوں نے ایک ہی دن رمضان سنہ ۴۰ھ کو نماز فجر کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا، اتفاق سے عمرو بن العاصؓ کے بجائے اس دن ایک اور شخص نماز پڑھانے کے لئے آیا تھا، ان کے دھوکے میں وہ مارا گیا، امیر معاویہ پر اوچھا وار لگا، اس لئے وہ علاج معالجہ سے بچ گئے؛ ابن ملجم اور شبیب ابن بجرہ دونوں حضرت علیؓ کی گذرگاہ پر چھپ رہے، جیسے ہی آپ فجر کی نماز کے لئے نکلے، دونوں نے حملہ کر دیا، حضرت علیؓ کو کاری زخم آیا، آپؓ نے آواز دی، لوگ دوڑ پڑے، شبیب تو نکل گیا، لیکن ابن ملجم گرفتار ہو گیا، حضرت علیؓ کے بجائے جعدہ بن ہبیرہ نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد ابن ملجم حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا، اس سے چند سوالات کرنے کے بعد آپؓ نے حکم دیا کہ اسے آرام سے رکھا جائے[1] اور لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر میں اس زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکوں تو خدا کے حکم کے مطابق اس کو قصاص میں قتل کر دینا، اور اگر بچ گیا تو اس کے معاملہ پر غور کروں گا؛ اور اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ میرے بعد میرے ایک خون کے بدلہ میں مسلمانوں کا خون نہ بہانا، صرف میرا قاتل قتل کیا جائے؛ حضرت حسنؓ سے فرمایا کہ اگر میں مر جاؤں تو ایک ضرب کے بدلہ میں قاتل کو ایک ہی ضرب لگانا، اور مثلہ نہ کرنا کہ

---

[1] ابن سعد ج ۳ ص ۲۴،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے،[1]

خنجر زہر آلود تھا، اس لئے بہت جلد سمیت بدن میں پھیل گئی، اور حالت خراب ہونے لگی، حضرت امام حسنؓ و حسینؓ اور محمد بن حنفیہ کو بلا کر باہم اتحاد و اتفاق اور دین و دنیا میں خیر و برکت کے لئے وصیتیں فرمائیں، آپ کی زندگی سے مایوسی تھی اس لئے جندب بن عبد اللہؓ نے پوچھا کہ آپ کے بعد ہم حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ فرمایا میں تم کو نہ اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں، تم لوگ اس کو زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہو،[2]

زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۰ رمضان شب یکشنبہ سنہ ۴۰ھ کو انتقال فرمایا، حضرت حسنؓ و حسینؓ نے غسل دیا، حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور رشد و ہدایت کے اس آفتاب عالمتاب کو کوفہ کے عزی نامی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا، انتقال کے وقت بروایت صحیح ترسٹھ سال کی عمر تھی مدت خلافت ۴ سال ۹ مہینے،

ازواج و اولاد حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ زہراؓ کے انتقال کے بعد متعدد شادیاں کیں، اور ان سے بکثرت اولادیں ہوئیں، حضرت فاطمہؓ کے بطن سے حضرت حسنؓ و حسینؓ و محسن تھے، محسن کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا، اور صاحبزادیوں میں زینبؓ اور ام کلثوم تھیں، ام کلثوم کا عقد حضرت عمرؓ کے ساتھ ہوا تھا، خولہ کے بطن سے محمد بن علیؓ تھے، جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں، حضرت حسینؓ کے بعد یہ بڑے نامور فرزند تھے، ان کے علاوہ اور بہت سی اولادیں تھیں، جن کا نہ کوئی کارنامہ ہے اور نہ انھوں نے کوئی خاص شہرت حاصل کی،

---

[1] طبری ص ۳۴۶۱، ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۶، [2] طبری ص ۳۴۶۱

عہدِ مرتضوی رضؓ پر ایک نظر

حضرت علیؓ کا پورا عہدِ خلافت خانہ جنگی اور اندرونی جھگڑوں میں بسر ہوا، ایک دن کے لئے بھی آپ کو ملکی نظم و نسق کے قیام اور بیرونی فتوحات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی، اس لئے تعمیری کاموں کے لحاظ سے آپ کا عہد آپ کے پیشرؤں کے مقابلہ میں ناکام رہا، اور یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا، جن میں آپ کو منصبِ خلافت ملا تھا، اور جو بعد میں پیش آتے رہے ایسے مخالف حالات میں بڑے سے بڑا مدبر فرمانروا بھی مشکل سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا: اور جس حد تک بھی آپ نے ان کا مقابلہ کیا، وہ بھی کسی دوسرے فرمانروا سے ممکن نہ تھا،

ان حالات کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس لئے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں، البتہ ان کے اسباب پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے، ان میں سے بعض اسباب تو وہی تھے جنھوں نے عثمانی خلافت کا نظام درہم برہم کیا تھا، اور بعض نئے تھے، اس کا اندازہ عہدِ صدیقی کے ابتدائی حالات کے موازنہ سے زیادہ صحیح ہوگا،

حضرت ابوبکرؓ نے جس وقت تختِ خلافت پر قدم رکھا، اس وقت سارا عرب پُرآشوب ہو رہا تھا، بہت سے قبیلے مرتد ہو گئے تھے، بعضوں نے اسلام کے رکنِ اعظم زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، جھوٹے مدعیانِ نبوت علحدہ انقلاب پر آمادہ تھے، غرض عرب کی اندرونی حالت سخت تشویشناک تھی،

لیکن ان حالات کے مقابلہ کا پورا سامان موجود تھا، عہدِ رسالت کے قرب کی وجہ سے

مسلمانون مین اسلامی روح زندہ تھی، سب کے سب ایک غرض اور ایک مقصد، اعلاے کلمۃ اللہ کے لئے متحد تھے، ان مین کوئی اختلاف نہ پیدا ہوا تھا، حصولِ مقصد کے وسائل پر اختلافِ راے ہوتا تھا، لیکن اصل مقصد پر سب متفق تھے، گو خلیفہ حضرت ابوبکرؓ تھے، لیکن خلافت کا نظام ان صاحبِ تدبیر و سیاست صحابہ کے مشورہ سے چلتا تھا، جنھون نے شجرِ اسلام کو اپنے خون سے سینچا تھا، اس لئے ان کی عزیز ترین متاع، اسلام تھا، ذاتی حیثیت سے حضرت ابوبکرؓ کا تحمل، آپ کی نرمی اور تواضع و انکسار لوگون کے دلون کو مسخر کرتا اور خلافت کے رکن رکین حضرت عمرؓ کا دبدبہ و شکوہ کسی کو جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہ دیتا تھا،

ان سب سے بڑھ کر عربون مین غیر عنصر کی آمیزش نہ ہوئی تھی، یعنی وہ قومین جنھون نے مسلمانون کا شیرازہ بکھیرا مسلمان نہ ہوئی تھیں، اور جو قلیل تعداد مسلمان بھی ہوتی تھی اس نے مسلمانون مین اتنا اعتماد نہ پیدا کیا تھا، کہ ان کے نظامِ شوریٰ مین دخیل ہو سکے، پھر صحابہ کے اتحاد و اتفاق اور صولتِ فاروقی کے مقابلہ مین مسلمانون کے خلاف کسی سازش کی ہمت نہ ہوئی اور نہ کامیاب ہو سکتی تھی، اسلامی فوج مین غیر قومون کا عنصر شامل نہ تھا، جدید الاسلام عربون تک کی باگ جو غیر اقوام کے مقابلہ مین متحد تھے، اکابر صحابہ کے ہاتھون مین رہتی تھی، اس لئے کسی پہلو سے غیر قومون کو دخل اندازی کا موقع ہی نہ ملتا تھا، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے بہت جلد مخالف حالات پر قابو حاصل کر لیا،

حضرت عمرؓ کے زمانہ تک یہ خصوصیات قائم رہین، اس لئے اس زمانہ تک نظامِ خلافت کو جنبش نہ ہونے پائی؛ حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے ٹوٹنے لگین، جس کے نتائج انقلاب کی شکل مین ظاہر ہوئے؛ اور حضرت علیؓ کے دور مین قریب قریب سب ختم ہو گئین،

عہدِ رسالت کے بعد سے اسلامی روح مضمحل ہو چکی تھی، بہت سے اکابر صحابہ جو خلافت کے

رکنِ اعظم تھے، اٹھ چکے تھے، اور ان کی جگہ نئی پود لے رہی تھی، جس مین اپنے اسلاف کاسا اخلاص اور سچا جوش و ولولہ نہ تھا، ان کے اغراض بالکل مختلف تھے، متعدد اکابر صحابہ کو حالات نے حضرت علیؓ سے جدا کر دیا تھا، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جو عشرہ مبشرہ مین تھے، آپ سے الگ ہو گئے تھے، حضرت علیؓ کے ساتھ جو بزرگوار تھے ان کا دین و تقویٰ مسلّم، لیکن ان مین بہت کم صاحب تدبیر وسیاست تھے، پھر اپنے ضمیر کی آواز کے مقابلہ مین حضرت علیؓ صاحبِ تدبیر وسیاست بزرگون کا مشورہ تک نہ قبول کرتے تھے، مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے آپ کو آغازِ خلافت مین مشورہ دیا کہ بغیر بیعت لئے ہوئے امیر معاویہؓ کو معزول نہ کیجئے ورنہ وہ آپ کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کرین گے، لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا، جس کا نتیجہ جنگ صفین کی صورت مین ظاہر ہوا، قیس بن سعد جیسے مدبر کو محض نوجوانون کے ورغلانے سے مصر سے ہٹا دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر ہاتھون سے نکل گیا، تمام عثمانی عمال کو معزول کرکے اپنے خلاف بنا لیا، آپ کے حاشیہ نشینون اور مشیرون مین صحابہ کے ساتھ نوجوان نسل، جدید الاسلام عرب اور نومسلم عجمی بھی تھے، جن کے دلون مین اسلام کے لئے کوئی تڑپ نہ تھی، بلکہ وہ صرف اپنی غرض کے لئے ساتھ تھے،

آپ مین نہ حضرت ابوبکرؓ کے جیسا تحمل اور تواضع تھا جو مخالفین کو بھی اپنا بنا لیتا تھا اور نہ حضرت عمرؓ کے جیسا دبدبہ و شکوہ تھا، جس سے بڑے بڑے لوگ تھراتے تھے، حضرت عمرؓ جب امیر معاویہؓ کو طلب کرتے تھے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا، لیکن وہی معاویہؓ آپ کے خلاف اٹھ کر ایک انقلاب عظیم برپا کر دیتے ہین، آپ مین خود اعتمادی بہت تھی، جو راے قائم کر لیتے تھے پھر اس مین کسی کا مشورہ نہ قبول فرماتے تھے، جس سے بعض اوقات نقصان اٹھانا پڑتا تھا،

ان سب سے زیادہ آپ کو ناکام رکھنے والے وہ نومسلم عجمی تھے، جو محبتِ اہل بیت کی آڑ میں مسلمانوں سے اپنی قومی تباہی کا انتقام لینا چاہتے تھے، جنھیں حضرت علیؓ کیا اسلام سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی، بہت سے جدید الاسلام عرب بھی اپنی غرض کے لئے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے، ان ہی لوگوں نے اہلِ بیت اور غیر اہلبیت کا سوال پیدا کر کے مسلمانوں کے اتحاد و یکجہتی کا خاتمہ کیا، حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے مسلمانوں میں خانہ جنگی کا دروازہ کھولا، پھر حضرت علیؓ کی لاعلمی میں آپ کے ساتھ ہو کر اختلاف کی آگ بھڑکائی، اگر یہ عنصر نہ ہوتا تو جمل اور صفین کے واقعات پیش نہ آتے، یہی لوگ تھے جنھوں نے حضرت علیؓ کی مخالفت کے باوجود آپ کو تحکیم جیسی پُر فریب تجویز قبول کرنے پر مجبور کیا، پھر خود ہی اس کے خلاف ہو گئے، اور حضرت علیؓ کے خلاف محاذِ جنگ قائم کیا، پھر انہی میں سے وہ لوگ تھے، جنھوں نے امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، غرض کسی موقع پر بھی انھوں نے وفاداری کا ثبوت نہ دیا،

ضمیر کے فیصلہ کے مقابلہ میں آپ مصلحت اندیشی کو بالکل راہ نہ دیتے تھے، گو یہ صداقت کا بڑا درجہ ہے، اور اگر ان دونوں میں تصادم نہ ہو تو ایک فرمان روا کے لئے مصلحتِ وقت کا لحاظ بہت ضروری ہے، لیکن آپ پر دل کے جذبات کی سچائی کا اتنا غلبہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں مصلحتِ وقت کو نظر انداز فرما دیتے تھے، مثلاً عمالانِ عثمانی کی معزولی خصوصاً امیر معاویہؓ کی برطرفی مصلحت کے بالکل خلاف تھی، لیکن آپ نے تخت نشین ہونے کے ساتھ یک قلم تمام عثمانی عمال کو معزول کر دیا، جو کل کے کل آپ کے خلاف ہو گئے،

آپ جس تقوائی، دینداری اور عدل کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے، حالات کے تغیر سے لوگوں میں اس کے قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہ گئی تھی: ایک طرف آپ تھے کہ نازک سے نازک حالات میں بھی حق و صداقت کے جادہ سے نہ ہٹتے تھے، اور بیت المال کا ایک حبہ

بھی بیجا نہ صرف ہونے دیتے تھے، دوسری طرف آپ کے حریف امیر معاویہؓ اپنی کامیابی کے لئے ہر جائز و ناجائز وسیلہ اختیار کرتے تھے، اور اپنے حامیون کے لئے خزانہ کا منہ کھول دیا تھا، آپ بیت المال کی کوڑی کوڑی کا حساب لیتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے اعزہ خاص تک آپ سے کبیدہ خاطر ہو جاتے تھے، اور امیر معاویہؓ کی داد و دہش مخالفین تک کا منہ بند کر دیتی تھی،

ان تمام باتون پر مستزاد یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کا مقابلہ مرتدون، منکرین زکوٰۃ اور جھوٹے مدعیان نبوت سے تھا، جن کے مقابلہ کے لئے مسلمانون کا بچہ بچہ متحد تھا، اور حضرت علیؓ کا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور امیر معاویہؓ سے تھا، خصوصاً ام المومنینؓ کا معاملہ نہایت نازک تھا، جس مین بڑے بڑے صحابہ متردد ہو گئے تھے، گو امیر معاویہؓ کی آپ کے مقابلہ مین کوئی حیثیت نہ تھی، پھر بھی وہ ایک معزز صحابی اور عرب کے نامور مدبر تھے، اور غلط سہی لیکن عوام کو بھڑکانے کے لئے خونِ عثمانؓ کے انتقام کا ایک ذریعہ ان کے ہاتھ آگیا تھا، حضرت علیؓ نے ان مخالف حالات کا جتنا بھی مقابلہ کیا، اور جس حد تک بھی نظام خلافت کو قائم رکھ کر اس کی اصلاح کی وہ دوسرے سے ممکن نہ تھا، اس پر آشوب دور مین آپ نے بغاوتین بھی فرو کین اور فتوحات مین بھی کچھ نہ کچھ اضافہ فرمایا،

نظامِ خلافت کی اصلاح ان سب سے بڑھکر نظامِ خلافت کی اصلاح ہے، حضرت عثمانؓ کے آخری دور مین اموی نوجوانون کے غلبہ سے خلافت کا نظام خلافتِ راشدہ کی شاہراہ سے ہٹ چلا تھا، حضرت علیؓ نے دوبارہ اسے صراطِ مستقیم پر لانے کی کوشش کی، گو مخالف حالات نے آپ کو اس کا پورا موقع نہ دیا، تاہم جہان تک آپ کے بس مین تھا، آپ نے دوبارہ شیخین کے دور کو زندہ کرنے کی کوشش کی،

عثمانی دور مین جو بے عنوانیان پیدا ہو گئی تھین انھیں دور کر کے عہد فاروقی کے نظم و نسق کو علی حالہ قائم رکھا، اس مین کسی قسم کی ترمیم نہین کی، نجران کے یہودیون نے جنھیں حضرت عمرؓ نے حجاز سے نجران جلا وطن کر دیا تھا، دوبارہ حجاز مین بسنے کی درخواست کی، آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا عمرؓ سے زیادہ کون صاحب الراے ہو سکتا ہے[1]، صوبون کی تقسیم وہی رہی، البتہ عمال سب بدل دیے تھے، اور دار الخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کر دیا تھا،

فوج

حضرت علیؓ فطرۃً سپاہی اور میدان جنگ کے مرد تھے، اس لئے فوج کی جانب خاص طور سے آپ کی توجہ رہی، صفین کے معرکہ مین اسی ہزار فوج آپ کے ہمراہ تھی، گو مسلسل لڑائیون کی وجہ سے آپ کو فوجی نظام کو ترقی دینے کا موقع نہ ملا، تاہم آپ نے حسب ضرورت چھاؤنیان قائم کیں، اور قلعے تعمیر کرائے، اصطخر کا حصن زیاد آپ ہی کے دور مین تعمیر ہوا تھا[2]،

صیغۂ مال

آپ نے صیغۂ مال مین بعض ایسی اصلاحات کین جن سے اس کی آمدنی مین اضافہ ہو گیا، آپ کے دور سے پہلے جنگلات سے کوئی مالی فائدہ نہین حاصل کیا جاتا تھا، آپ نے انھیں قابلِ محصول قرار دیا، چنانچہ صحراے برس سے چار ہزار سالانہ آمدنی ہوتی تھی[3]، اس کے علاوہ اور جنگل بھی تھے،

بعض چیزون پر سے محصول اٹھا دیا، عہدِ رسالت مین گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے، لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ مین جب اس کی باقاعدہ تجارت ہونے لگی، تو آپ نے اس پر بھی زکوٰۃ مقرر کر دی، لیکن حضرت علیؓ نے اسے منسوخ کر دیا[4]،

عمال کی اخلاقی نگرانی

عہد فاروقی کی طرح آپ کو عمال کی اخلاقی نگرانی مین بڑا اہتمام تھا، وقتاً فوقتاً ان کو قیامِ عدل اور رعایا کے ساتھ لطف و شفقت کے احکام بھیجتے رہتے تھے، ان کے

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف، [2] طبری ص ۳۴۵۰، [3] کتاب الخراج ص ۶۹، [4] ایضاً

اعمال و افعال کا احتساب فرماتے تھے، ان کے طرزِ حکومت کی تحقیقات کراتے تھے، اور ان کی غلط روی کا تدارک فرماتے تھے،

منذر بن جارود والی اصطخر کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اپنا زیادہ وقت سیر و شکار میں صرف کرتے ہیں، اور فرائضِ منصبی میں غفلت برتتے ہیں تو انھیں لکھا،

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے فرائض چھوڑ کر سیر و شکار میں نکل جاتے ہو، اور کتوں سے کھیلتے ہو، اگر یہ صحیح ہے تو میں تم کو اس کا بدلہ دوں گا، تمہارے گھر کا جاہل بھی تم سے بہتر ہے، چنانچہ انھیں طلب کر کے معزول کر دیا[۱]،

ایک اور عامل کے متعلق مختلف شکایتیں موصول ہوئیں، اسے بڑا طویل خط لکھا جس کا ضروری اقتباس یہ ہے،

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے ہو، بخورات اور روغنیات کا زیادہ استعمال کرتے ہو، تمہارے دسترخوان پر الوان نعمت ہوتے ہیں منبر پر تم صدیقین کا وعظ کہتے ہو، اور خلوت میں اہلِ اباحت کا عمل ہے، اگر یہ شکایتیں صحیح ہیں تو تم نے اپنے نفس کو نقصان پہنچایا اور مجھے تادیب پر مجبور کیا ....

.... تم بیواؤں اور یتیموں سے حاصل کیے ہوئے مال سے عیش و تنعم میں ڈوب کر خدا سے صالحین کے اجر کی توقع کس طرح رکھتے ہو، ..... گناہوں سے توبہ کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرو، اور خدا کے حقوق ادا کرو[۲]"

تحریری بازپرس کے علاوہ کمیشن مقرر کر کے عمال کے طرزِ عمل کی تحقیقات کراتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ کعب بن مالک انصاری کو عراق کے حکام کی تحقیقات پر مامور فرمایا اور یہ ہدایت کی

[۱] یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۰، [۲] ایضاً ۲۳۸،

"تم چند آدمیون کو ساتھ لے کر عراق جاؤ، اور ہر ہر ضلع مین جا کر وہان کے عمال کی تحقیقات کرو، اور ان کی روش پر نظر ڈالو"[1]

خراج کی آمدنی کا احتساب

عمال سے محاصل و خراج کی آمدنی کا نہایت سختی کے ساتھ احتساب کرتے تھے، مقررہ وقت سے اگر ذرا تاخیر ہو جاتی تو فہمایشی احکام جاری کرتے، ایک مرتبہ یزید بن قیس ارجبی نے خراج بھیجنے مین تاخیر کی تو آپ نے لکھا،

"تم نے خراج کے بھیجنے مین تاخیر کی، اس تاخیر کا سبب مجھے نہیں معلوم ہوا، لیکن مین تم کو خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہون، اور تمھیں اس سے ڈراتا ہون کہ ایسا کام نہ کرو جس سے تمھارا اجر برباد اور تمھارا جہاد باطل ہو جائے، خدا سے ڈر اور اپنے نفس کو حرام مال سے پاک رکھو اور مجھکو اس کا موقع نہ دو کہ تم سے مواخذہ کرنے پر مجبور ہو جاؤن مسلمانون کو معزز کرو، لیکن اہلِ معاہدہ پر زیادتی نہ ہو، خدا نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس کو حصولِ آخرت کا ذریعہ بناؤ، اور دنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کرو"[2]

ایک اور عامل نعمان بن عجلان کو جو بحرین کا خراج لے کر کہیں چل دیے تھے، لکھا،

"جس نے امانت مین خیانت کی اور اپنے نفس اور اپنے دین کو نہ بچایا، اس نے دنیا مین بھی اپنے کو نقصان پہنچایا اور آخرت مین جو کچھ پیش آنے والا ہے، وہ اس سے زیادہ تلخ، اس سے زیادہ بدبختانہ اور اس سے زیادہ دیرپا ہے، اللہ کا خوف کرو، تم صالح خاندان سے ہو، اس لئے خوش گمانی کا موقع دو، مجھ کو جو خبر ملی ہے، اگر وہ صحیح ہے تو اس سے توبہ کرو، اور اپنے متعلق رائے بدلنے پر مجبور نہ کرو، خراج ادا کر دو،"[3]

بیت المال کی حفاظت

بیت المال کی حفاظت مین حضرت عمرؓ ہی کی طرح اہتمام تھا، اور یہ جو

[1] کتاب الخراج ص ۹ [2] یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۷ [3] ایضاً،

واقعات لکھے گئے، وہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی امانت ہی کی حفاظت کے ہیں، ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے بیت المال سے دس ہزار کی رقم لے لی، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو واپس کرنے کے لئے لکھا، انھوں نے انکار کیا، ان کے انکار پر حضرت علیؓ نے فہمایش کرکے واپس کردیا، اور اس کے متعلق مفید نصیحتیں فرمائیں،[1]

اپنی اور اپنے متعلقین کی ذات پر بیت المال کی معمولی چیز بھی صرف نہ ہونے دیتے تھے، ایک مرتبہ عمرو بن سلمہ اصفہان کا خراج لائے، اس میں شہد اور چربی بھی تھی، حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم نے مانگ بھیجا، عمرو بن سلمہ نے ایک پیپا شہد اور ایک پیپا چربی بھیجدی، دوسرے دن حضرت علیؓ نے شمار کیا تو دو پیپے کم تھے، عمرو بن سلمہ سے سختی کے ساتھ پوچھا، انھوں نے بتادیا، آپ نے اسی وقت دونوں پیپے منگالئے اور اس میں سے جو کچھ خرچ ہوچکا تھا، اس کا اندازہ لگا کر اس کی قیمت ادا کردی،[2]

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غلام ابورافع بیت المال کے نگران تھے، انھوں نے اس کا ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنادیا، حضرت علیؓ نے دیکھ کر پہچان لیا، پوچھا یہ موتی کہاں سے آیا، میں اس کے لانے والے کا ہاتھ قلم کروں گا، ابورافع نے اپنی غلطی کا اقرار کرلیا، حضرت علیؓ نے فرمایا، تمھارا یہ حال ہے کہ اپنی لڑکی کو موتیوں سے آراستہ کرتے ہو، جب فاطمہ کے ساتھ میری شادی ہوئی ہے تو میرے پاس مینڈھے کی صرف ایک کھال تھی، جس پر رات کو سوتا تھا، اور دن کو اسی پر مویشی کو چارہ دیتا تھا، ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا،[3]

ذمیوں کے ساتھ نرمی

ذمیوں کے حقوق کا خاص لحاظ رکھتے تھے، عمال کو ان کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی ہدایت فرماتے تھے، ذمیوں کو ایک عامل عمرو ابن مسلمہ جس کی درشت مزاجی

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۲ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۰ [3] ایضاً ص ۱۵۹ ؛

شکایت کی، حضرت علیؓ نے ان کو لکھا،

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمھارے علاقہ کے ذمی دہقانون کو تمھاری درشت مزاجی کی شکایت ہے، اس مین کوئی بھلائی نہیں ہے، تم کو سختی اور نرمی دونون سے کام لینا چاہیے، لیکن سختی ظلم کی حد تک نہ پہنچ جائے، اور نرمی نقصان کی حد تک، ان پر جو مطالبہ ہو اسے وصول کیا کرو، لیکن ان کے خون سے اپنا دامن محفوظ رکھو"[1]

ذمیون کی آبپاشی کی ایک نہر پٹ گئی تھی، یہان کے عامل قرظہ بن کعب انصاری کو لکھا،

"تمھارے علاقہ کے ذمیون نے درخواست دی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ کر مٹ گئی ہے، جس کا بنانا مسلمانون کا فرض ہے، تم اسے دیکھ کر درست کرا کے آباد کرا دو، میری عمر کی قسم مجھے اس کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ وہ ملک سے نکل جائین، یا عاجز و درماندہ ہو جائین، یا ملک کی بھلائی مین حصہ لینے کے قابل نہ رہین"[2]

اہلِ عجم کے ساتھ اس لطف و کرم کا برتاؤ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اس عربی نے نوشیروان کی یاد تازہ کر دی،

عدل و مساوات آپ کے ایوان عدالت مین بلا امتیاز مذہب و ملت، خویش و بیگانہ، امیر و غریب سب برابر تھے، اگر خود آپ کسی مقدمہ مین فریق ہوتے تھے، تو قاضی کے سامنے حاضر ہونا پڑتا تھا، اور اگر ثبوت نہ ہوتا تو مقدمہ آپ کے خلاف فیصل ہوتا، ایک مرتبہ آپ کی زرہ گر پڑی، اور ایک نصرانی کے ہاتھ لگی، حضرت علیؓ نے، اسے دیکھ کر پہچانا اور قاضی شریح کی عدالت مین دعویٰ کیا، نصرانی کا دعویٰ تھا کہ وہ اس کی زرہ ہے، قاضی نے حضرت علیؓ سے پوچھا، آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے، آپ نے فرمایا، نہیں، قاضی شریح نے نصرانی کے

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۹ [2] ایضاً ۲۴۰،

حق مین فیصلہ دیا، اس فیصلہ کا یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہوگیا، اور کہا یہ تو انبیا کے جیسا انصاف ہے، کہ امیر المومنین مجھے اپنی عدالت کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہین، اور قاضی امیر المومنین کے خلاف فیصلہ دیتا ہے[۱]

بازار کی نگرانی | بازار کی نگرانی اور نرخ اور ناپ تول کی دیکھ بھال خود کرتے تھے، درہ لیکر بازار نکل جاتے اور بیچنے والون کو حسنِ معاملت اور ناپ تول مین ایمانداری کی ہدایت فرماتے،[۲]

فضل وکمال | حضرت علیؓ نے بچپن سے دامنِ نبوت مین پرورش اور تعلیم و تربیت پائی، جوانی مین شرفِ مصاہرت سے سرفراز ہوئے، اور وصالِ نبویؐ تک دامنِ دولت سے وابستہ رہے، ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ آپ مین تحصیل علم وکسبِ کمال کی فطری صلاحیت اور اس کا ذوق تھا، اس لئے مکتبِ نبوت سے جو فیض آپ کو پہنچا، وہ کم اور صحابہ کے حصہ مین آیا، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ جملہ دینی علوم کا دریا تھے، آپ کی جلالتِ علمی پر سب کا اتفاق ہے، وکان من العلوم بالمحل العالی[۳] حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو خود حبر الامۃ تھے فرماتے تھے کہ علم کے دس حصون مین سے خدا نے علیؓ کو نو حصے عطا فرمائے تھے، اور دسوین مین بھی آپ شریک تھے[۴]، زبانِ نبوت سے آپ کو انا مدینۃ العلم وعلی بابھا کی سند ملی،[۵]

کلامِ الٰہی سے آپ کو خاص شغف تھا، اس کے حافظ تھے، اور اس کی تعلیم آپ نے زبانِ وحی و الہام سے حاصل کی تھی، کلام اللہ پر آپ کی نظر اتنی وسیع تھی کہ کسی آیت کا کوئی پہلو آپ کی نظر سے مخفی نہ تھا، آپ فرماتے تھے کہ قرآن مین کوئی آیت ایسی نہیں ہے،

---

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۰۱ [۲] ابن سعد ج ۳ ص ۱۸ [۳] تہذیب الاسماء نووی ص ۴۵ ۳ [۴] ایضاً ص ۳۴۷ [۵] یہ روایت صحاح کی ہے، گو بعض محدثین اسے ضعیف مانتے ہین،

جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کس بارہ میں، کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی،[۱]
فہم قرآن اور اس سے احکام و مسائل کے استنباط کا خاص ملکہ تھا، تفسیر کی کتابیں اور
احادیث کے ابواب تفسیر آپ کی روایتوں سے معمور ہیں، جنھیں نقل کرنے کا یہ موقع نہیں،
تفسیر میں حبر الامۃ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا،
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد آپ نے آیتوں اور سورتوں کی نزولی
ترتیب پر کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا،[۲] ابن ندیم نے فہرست میں اس ترتیب کی تفصیل دی ہے[۳]
آپ کو ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گوناگون خصوصیات کی بنا پر سماع حدیث کا سب سے
زیادہ موقع ملا، پھر وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۳۰ سال تک تعلیم و ارشاد کی مسند پر جلوہ گر رہے
اس لئے حفظ حدیث اور روایت حدیث دونوں لحاظ سے آپ جماعت صحابہ میں نہایت ممتاز
تھے، آپ کی مرویات کی تعداد پانچسو چھیاسی ہے، گو کثیر الروایۃ صحابہ کی مرویات کے مقابلہ
میں یہ تعداد کم ہے، لیکن یہ آپ کی احتیاط کا نتیجہ ہے، آپ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا،
صحابہ میں جن بزرگوں نے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلمبند کیں ان میں ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، انھوں نے
آپ نے فقہی احکام کی احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، جس کا نام صحیفہ تھا،[۴]
کلام اللہ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں وسعت علم کے ساتھ آپ میں اسی درجہ کی ذہانت
طباعی، دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی تھی، آپ کی ذہانت کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور
ہیں، اصول و کلیات سے فروعی اور جزوی احکام و مسائل کے استنباط کا خاص ملکہ تھا، اس لئے
فقہ میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا، اور جماعت صحابہ میں آپ کو امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل
تھا، اکابر صحابہ فقہی مشکلات میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ

۱؎ ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۱ ۲؎ ایضاً ج ۳ ق ۲ ص ۱۰۱ ۳؎ فہرست ابن ندیم ۴؎ بخاری کتاب العلم،

اکابر صحابہ کا آپ سے سوالات کرنا اور مشکل مسائل میں آپ کے فتاویٰ اور اقوال کی طرف رجوع کرنا مشہور واقعات ہیں،[1]

حضرت عمرؓ جو خود مجتہد اور امام فقہ تھے، حضرت علیؓ سے استفادہ کرتے تھے، آپ کے حریف امیر معاویہؓ کو بھی آپ کی طرف رجوع کرنا پڑتا، غرض آپ کی ذات فقہ میں صحابہ کرام کا مرجع تھی، فقیہ الامت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جن کے فتاویٰ پر فقہ حنفی کی بنیاد ہے، آپ کے فیض یافتہ تھے،

فقہی کمال کا ایک پہلو قضا یعنی فصل مقدمات ہے، اس میں جماعت صحابہ میں آپ کا کوئی مقابل نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اقضاھم علی "صحابہ میں سب سے بڑے قاضی ہیں" کی سند عطا فرمائی تھی، اور قضا کی خدمت آپ کو سپرد فرماتے تھے، چنانچہ اہل یمن کے قبول اسلام کے بعد آپ کو وہاں کا قاضی بنا کر بھیجا اور رخصت کرتے وقت فصل مقدمات کے متعلق بعض اصول تلقین فرمائے،[2]

فرائض یعنی تقسیم میراث کے فن میں آپ مدینہ کے ممتاز علماء میں تھے،

شیخین کے زمانہ میں اہم مقدمات میں آپ کا مشورہ شریک ہوتا تھا، آپ کی اصابت رائے سے قضا میں بڑی مدد ملتی تھی، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک پاگل زانیہ پر حد جاری کرنیکا ارادہ کیا، حضرت علیؓ نے روک دیا، کہ مجنون حد شرعی سے مستثنیٰ ہے،[3]

مختلف قسم کے مقدمات میں آپ کے فیصلے کتابوں میں محفوظ ہیں، جن سے آپ کی ذہانت، طباعی اور انتقال ذہنی کا اندازہ ہوتا ہے،

تصوف کا سرچشمہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے، صوفیہ کے تمام بڑے بڑے سلاسل حضرت حسن بصریؒ کے واسطے سے آپ ہی پر منتہی ہوتے ہیں، گو محدثین کے نزدیک حسن بصریؒ کا حضرت

---

[1] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۳۴۶ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۷۹ [3] ایضاً ص ۱۴۰،

علیؓ سے لقا ثابت نہیں ہے، لیکن اربابِ تصوف کا اس پر اتفاق ہے، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں، "اربابِ طریقت کے نزدیک حسن بصریؒ کو قاطبۃً حضرت علیؓ سے نسبت ہے، محدثین کے نزدیک یہ انتساب ثابت نہیں ہے، لیکن شیخ احمد قشاشی نے اپنی کتاب عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ اہلِ تصوف کی تائید کی ہے"[1] ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں، "صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری نے حضرت علیؓ سے فیض پایا تھا، خلافت سے پہلے آپ کو تصوف میں بہت انہماک تھا، پھر خلافت کے بعد اس کی مصروفیتوں کی وجہ سے اس فن کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہ ملا"[2]

آپ فصحائے عرب میں تھے، آپ کے خطبات فصاحت و بلاغت اور زبان و ادب کا اعلیٰ نمونہ اور اس کا معیار ہیں، شریف رضی نے نہج البلاغۃ کے نام سے آپ کے خطبات جمع کئے ہیں، گو ان سب کا انتساب آپ کی جانب صحیح نہیں ہے، تاہم ان میں بہت سے آپ کے خطبات ہیں، ان کے علاوہ طبری، اخبار الطوال، مسعودی اور یعقوبی وغیرہ تاریخ کی کتابوں میں آپ کے بہت سے خطبات محفوظ ہیں، جو عربی ادب کے نصاب کی حیثیت رکھتے ہیں،

گو اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہ تھا، لیکن حضرت علیؓ تحریر میں پوری مہارت رکھتے تھے، چنانچہ جو صحابہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرامین لکھتے تھے، ان میں ایک حضرت علیؓ بھی تھے۔ حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا، آپ کے خطوط اور تحریریں ادب و انشا کا دلکش نمونہ ہیں،

شاعری کا نہایت ستھرا اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے، ایک پورا دیوان آپ کی جانب منسوب ہے، جو عام طور سے بازاروں میں ملتا ہے، لیکن وہ شاعری کے لحاظ سے اتنا پست ہے،

[1] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۸ و ۱۳ [2] ازالۃ الخفاء ص ۲۷۴،

کہ کسی عربی شاعر کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا، چہ جائیکہ حضرت علیؓ، لیکن اس حد تک صحیح ہے کہ آپ کو شاعری سے ذوق تھا، حدیث کی کتابون مین آپ کی زبان سے بعض اشعار منقول ہین، چنانچہ معرکۂ خیبر کا رجز بخاری مین ہے[1]، مستدرک نے حضرت فاطمہؓ کے مرثیہ کے چند اشعار نقل کئے ہین[2]، ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین آپ کے چند اشعار لکھے ہین[3]،

فن نحو کی بنیاد آپ ہی نے رکھی، سب سے اول اپنے اصحاب مین سے ایک شخص ابو الاسود دولی کو چند اصول تلقین فرمائے تھے، انھون نے ایک مرتبہ کسی عجمی کو کلام مجید غلط پڑھتے سنا، تو اس کی تصحیح کے لئے نحو کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ انھون نے حضرت علیؓ کے بتائے ہوئے اصولون کی روشنی مین نحو کے چند موٹے موٹے قواعد مرتب کئے[4]، غرض آپ کو مذہبی علوم اور اس عہد کے تمام مروجہ فنون مین کمال حاصل تھا،

سیرۃ المرتضیٰ حضرت علیؓ فطرۃً سلیم تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آغوش مین تربیت پائی تھی، اس لئے آپ کی ذات خلق نبویؐ کا پیکر اور تعلیماتِ اسلامی کی تصویر تھی،

زہد آپ کے فضائل اخلاق مین سب سے نمایان زہد و تقویٰ ہے، آپ کی پوری زندگی اس طرح زہد و ورع مین ڈوبی ہوئی تھی، کہ کسی واقعہ کو اس سے الگ کرکے دکھانا مشکل ہے، آپ کی زندگی کا ہر پہلو زہد ہی کا مظہر تھا، زہد کے بارہ مین آپ کا یہ حکیمانہ مقولہ مشہور ہے کہ دنیا مردار ہے جو اسے حاصل کرنا چاہے اسے کتون کی صحبت کے لئے تیار رہنا چاہئے[5]،

آپ پر غربت اور امارت کے مختلف دور گذرے، لیکن کسی دور مین مزخرفات دنیاوی کی جانب آنکھ نہیں اٹھائی، ابتدائی چند برسون کے بعد ہی آپ کو عیش و راحت کے سامان

---

[1] بخاری غزوۂ خیبر [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۶۳ [3] کتاب العمدہ ابن رشیق ص ۱۲ [4] فہرست ابن ندیم ص ۶۰ [5] نووی ج ۱ ص ۳۴۶،

میسر آگئے تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی مین آپ کی آمدنی اتنی ہوگئی تھی کہ چالیس ہزار سالانہ اس کی زکوٰۃ ہوتی تھی، لیکن اس زمانہ مین بھی فاقون کی نوبت آجاتی تھی[1] معمولی سے گھر کے علاوہ ساری عمر کوئی عمارت نہین بنوائی[2] حضرت فاطمہؓ اپنے ساتھ جو مختصر سا جہیز لائی تھیں، اس پر تا عمر کوئی اضافہ نہ ہوسکا، آپ کے ساز و سامان مین ایک مینڈھے کی کھال تھی، جو بستر کا کام دیتی تھی[3] اوڑھنے کے لئے ایک مختصر سی چادر تھی کہ اگر سر چھپاتے تھے تو پاؤن کھل جاتا تھا اور پاؤن ڈھانکتے تھے تو سر برہنہ ہوجاتا تھا[4]

کوئی ملازم نہ تھا، گھر کا سارا کام حضرت فاطمہؓ اپنے ہاتھون سے کرتی تھین، چکی پیستے پیستے ہاتھون مین گھٹے پڑگئے تھے، کئی کئی دن تک گھر مین چولھا نہ جلتا تھا، ایک مرتبہ کئی فاقون کی نوبت آگئی، بھوک کی حالت مین مزدوری کی تلاش مین نکلے، اور اطراف مدینہ مین ایک بڑھیا کا کھیت سینچ کر مٹھی بھر کھجورین حاصل کین[5] ایک مرتبہ گھر مین کچھ نہ تھا، اپنی تلوار بیچکر خورد و نوش کا سامان کیا[6]

عبادت وریاضت عبادت وریاضت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھا، زبیر بن سعید قرشی کا بیان ہے کہ بنی ہاشم مین آپ سے زیادہ کوئی عبادت گذار نہ تھا[7] حضرت عائشہؓ فرماتی تھین کہ وہ (علیؓ) قائم اللیل اور صائم النہار تھے[8] بعض مفسرین کا خیال ہے کہ کلام اللہ کی اس آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ الآیۃ مین رُکَّعًا سُجَّدًا سے مراد حضرت علیؓ ہین[9] آپ کی عبادت وریاضت کے واقعات اتنے مشہور ہین کہ ان کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں،

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۳۵ [2] تہذیب الاسماء ص ۳۴۶ [3] کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۹، [4] ازالۃ الخفا تذکرہ علیؓ [5] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۳۵ [6] کنز العمال ص ۴۰۹ [7] مستدرک ج ۳ ص ۱۰۸ [8] ترمذی کتاب المناقب مناقب علیؓ [9] تفسیر فتح البیان ج ۹ ص ۴۸،

انفاق فی سبیل اللہ انفاق فی سبیل اللہ آپ کا امتیازی وصف تھا، چالیس ہزار سالانہ زکوٰۃ کے بقدر آمدنی رکھنے کے باوجود پُرعسرت زندگی آپ کے انفاق ہی کا نتیجہ تھی، آپ کے در سے کبھی کوئی سائل ناکام واپس نہیں گیا، قوتِ لایموت تک سائلوں کو دیدیتے تھے، اور خود فاقہ سے سو رہتے تھے، کلام اللہ کی یہ آیت وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا اسی قسم کے ایک واقعہ پر نازل ہوئی تھی[1]،

امانت و دیانت آپ امینِ امت تھے، جس دیانت کے ساتھ آپ مسلمانوں کی امانت بیت المال کی حفاظت کرتے تھے، اس کے بعض واقعات اوپر گذر چکے ہیں، ہر طرح کی تکلیفیں اٹھاتے تھے لیکن اپنے حق سے زیادہ ایک حبہ بیت المال سے لینا حرام سمجھتے تھے، ایک مرتبہ تیز سردی میں ایک معمولی پرانی چادر اوڑھے تھے، بدن کانپ رہا تھا، ایک شخص نے عرض کیا امیر المومنین بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا بھی حق ہے، آپ اپنے اوپر اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں، فرمایا میں تمہارے حصہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، (یعنی اگر میں اپنے حصہ سے زیادہ لوں تو دوسرے مسلمانوں کی حق تلفی ہوگی) یہ چادر میں مدینہ سے لایا تھا[2]،

آپ کی یہ تکلیفیں دیکھ کر ایک مرتبہ آپ کے غلام قنبر نے بیت المال کے مال سے آپکے لئے سونے چاندی کے کچھ برتن علٰحدہ کرلئے، اور آپ سے عرض کیا کہ بیت المال میں آپ کا اور آپکے اہل وعیال کا بھی حق ہے، لیکن آپ کچھ باقی نہیں چھوڑتے، اس لئے میں نے آپ کے لئے ایک چیز چھپائی ہے، فرمایا وہ کیا، قنبر نے عرض کیا چلکر ملاحظہ فرمالیجئے، آپنے جاکر دیکھا تو سونے اور چاندی کے برتن تھے، انھیں دیکھ کر فرمایا، تیری ماں تجھ کو روئے تو میرے گھر کو اتنی بڑی آگ میں ڈھکیلنا چاہتا تھا، اور اسی وقت کل برتن تول تول کر مسلمانوں میں تقسیم کردئے[3]، اس قبیل کے بہتیرے واقعات ہیں،

[1] ابن جریر تفسیر آیۂ مذکور [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۹ [3] کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۹،

شجاعت شجاعت وشہامت آپ کا خاص وصف تھا، غزوات میں آپ کی شجاعت کے بہت سے واقعات گذر چکے ہیں، آپ کی زندگی شروع سے آخر تک شجاعانہ کارناموں سے معمور ہے اس لئے واقعات نقل کرنے کی ضرورت نہیں،

سادگی آپ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی، جاہ وحشم کا کیا ذکر، تکلف کا معمولی شائبہ تک نہ تھا، اپنا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، حتیٰ کہ جوتا تک خود ہی گانٹھ لیتے تھے،

زمانۂ خلافت میں تنہا بازاروں میں گھومتے پھرتے، بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتے کمزوروں اور ناتوانوں کی مدد کرتے اور تاجروں اور دکانداروں کو یہ آیت تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا سنا کر فرماتے کہ یہ آیت عادل، متواضع اور صاحب قدرت والوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے،[۱]

لباس وغذا غذا بہت معمولی اور لباس نہایت سادہ ہوتا تھا، ایک مرتبہ عبد اللہ بن زریر نام ایک شخص آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے، کھانا بہت سادہ اور معمولی تھا، ابن زریر نے عرض کیا، امیر المومنین آپ کو پرند کے گوشت کا شوق نہیں ہے، فرمایا خلیفۂ وقت کو مسلمانوں کے مال سے صرف دو پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھائے اور ایک اپنے اہل وعیال کو کھلائے، اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے[۲]، نفیس غذاؤں سے احتراز فرماتے تھے، ایک مرتبہ فالودہ کا پیالہ پیش کیا گیا، فرمایا کتنا خوش ذائقہ، خوش رنگ اور خوش ذائقہ ہے لیکن میں نفس کو ایسی غذاؤں کا عادی بنانا پسند نہیں کرتا جس کا وہ عادی نہیں ہے،[۳]

سیرۃ المرتضیٰ پر ایک جامع تبصرہ امیر معاویہؓ کے استفسار پر حضرت علیؓ کے ایک حاشیہ نشین ضرار صدائی نے آپ کے حسب ذیل اوصاف بیان کئے تھے، جو آپ کی سیرت پر ایک

---

[۱] کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۹ [۲] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۷۸ [۳] کنز العمال ص ۱۰۴،

جامع تبصرہ ہے،

"وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلہ کرتے تھے، ان کے ہر سمت سے علم پھوٹتا تھا، اور حکمت ٹپکتی تھی، دنیا اور اس کی دلفریبیوں سے وحشت کرتے تھے، رات کی تاریکی اور اس کی وحشت سے انس رکھتے تھے، عبرت پذیر اور بہت غور و فکر کرنے والے تھے، چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند کرتے تھے، ہم میں ہم ہی لوگوں کی طرح رہتے تھے، جب ہم کچھ پوچھتے تھے تو اس کا جواب دیتے تھے، باوجودیکہ وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے، اور خود ہمارے قریب رہتے تھے لیکن ہم ہیبت سے ان سے گفتگو نہ کرسکتے تھے، وہ دیندار لوں کی تعظیم کرتے تھے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے، ان کے سامنے طاقتور باطل میں طمع نہیں کرسکتا تھا اور کمزور انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا، بعض موقع پر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رات گذر رہی ہے، ستارے جھلملا رہے ہیں، اور وہ اپنی داڑھی مٹھی میں دبائے مار گزیدہ کی طرح بیقرار اور غم رسیدہ کی طرح اشکبار کہہ رہے ہیں، اے دنیا! کسی اور کو فریب دے، تو مجھ سے لگاوٹ کررہی ہے، میری مشتاق ہے، افسوس میں نے تجھے تین طلاقیں دیں، تیری عمر تھوڑی اور تیرا مقصد حقیر ہے، ہائے ہائے، سفر طویل، راستہ وحشت ناک اور زادِ سفر تھوڑا ہے،"[لہ]

یہ اوصاف سن کر امیر معاویہؓ رو دئے، اور کہا، خدا ابوالحسن (علیؓ) پر رحم کرے، بخدا وہ ایسے ہی تھے،

[لہ] روضۃ النظرہ ج ۲ ص ۲۴۲،

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

سنہ ۴۰ھ تا سنہ ۴۱ھ

مطابق سنہ ۶۶۱ء تا سنہ ۶۶۲ء

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ آپ کے جانشین ہوئے،

ترجمۂ حسنؓ حسن نام، ابو محمد کنیت، ریحانۃ النبیؐ لقب، حضرت حسنؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھے، رمضان سنہ ۳ھ مین پیدا ہوئے، حضرت فاطمہؓ کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل اولادین آپؐ کی زندگی ہی مین انتقال کر گئی تھین، اس لئے آپؐ فاطمہؓ اور ان کی اولاد سے بڑی محبت فرماتے تھے، ان مین بھی حضرت حسنؓ سے خاص انس و تعلق تھا، اور ان کی بڑی ناز برداری فرماتے تھے، حسن صورۃً نانا سے بہت مشابہ تھے، آٹھ سال تک نانا کے دامنِ محبت مین پرورش پائی، سنِ رشد کو پہنچنے کے بعد کسی میدان مین آپ کا قدم پیچھے نہ رہا، حضرت عثمانؓ کی مدافعت مین زخمی ہوئے، جنگِ جمل و صفین مین اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ تھے،

خلافت اوپر حضرت علیؓ کے حالات مین گذر چکا ہے کہ دمِ آخر آپ سے لوگون نے حضرت حسنؓ کی جانشینی کے بارہ مین پوچھا تھا، آپ نے جواب دیا کہ "مین نہ حکم دیتا ہون، نہ منع کرتا ہون، تم

لوگ اسے زیادہ بہتر سمجھتے ہو، گو آپ نے جمہور مسلمانون کے حق انتخاب کا لحاظ کر کے حضرت حسنؓ کو نامزد نہین فرمایا، اور جانشینی کے مسئلہ کو عام مسلمانون پر چھوڑ دیا، لیکن اوصاف وکمالات کے لحاظ سے حضرت حسنؓ جناب امیرؓ کے خلف الصدق تھے، اس لئے وابستگان دامن مرتضوی کی نظر اور کسی جانب نہین اٹھ سکتی تھی، چنانچہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد سب سے پہلے قیس بنؓ سعد انصاری نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا، اور کہا مین کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور محلین سے جنگ پر آپ سے بیعت کرتا ہون، آپ نے فرمایا "کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کافی اور تمام شرائط پر حاوی ہے[1]،"

قیس بنؓ سعد کی بیعت کے بعد تمام اہل عراق نے بیعت کی، اور رمضان سنہ ۴۰ھ مین حضرت حسنؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے،

پہلی تقریر

تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ نے خطبہ دیا،

"لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے، نہ پچھلے اس کو پاسکیں گے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لڑائیون مین اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر بھیجتے تھے، وہ کسی جنگ مین ناکام نہ لوٹا، میکائیلؑ وجبرئیلؑ چپ وراست اس کے جلو مین ہوتے تھے، اس نے سات سو درہم کے علاوہ جو اس کی تنخواہ سے بچ رہے تھے سونے چاندی کا ایک ذرہ نہیں چھوڑا، یہ درہم بھی ایک غلام خریدنے کے لئے جمع کئے تھے[2]،"

امیر معاویہؓ کا جارحانہ اقدام

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ہی سے حضرت امیر معاویہؓ والی شام کے دل مین عالم اسلام پر حکومت کرنے کی تمنا تھی، اس کے لئے انھون نے جنگ بھی کی، لیکن حضرت علیؓ کی زندگی مین ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی، حضرت حسنؓ بڑے نرم خو

---

[1] طبری ج ۷، ص ۱ ۔ [2] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ترجمہ علیؓ،

متحمل مزاج، صلح جو اور امن پسند تھے، جنگ وجدال سے آپ کو طبعی نفرت تھی، امیر معاویہؓ کو اس کا اندازہ تھا، اس لئے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان کو اپنی دیرینہ تمنا پوری کرنے کا موقع ملا، چنانچہ انھوں نے فوراً عراق پر فوجکشی کر دی، اور ان کا مقدمۃ الجیش عبید اللہ بن عامر کی قیادت میں عین التمر ہوتا ہوا مدائن کی طرف بڑھا[1]،

مقابلہ کے لئے حضرت حسنؓ کی روانگی اور عراقی فوج کی غداری

حضرت امام حسنؓ کو شامی فوج کی پیشقدمی کی خبر ہوئی، تو آپ نے قیس بن سعد انصاری کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے آگے بھیجدیا، اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوئے، طبری کا بیان ہے کہ عراقی فوج کے مدائن پہنچنے کے بعد کسی نے مشہور کر دیا کہ قیس بن سعد قتل کر دئے گئے، یہ خبر اڑتے ہی عراقی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، کچھ لوگوں نے حضرت حسنؓ کے خیمہ پر حملہ کرکے اسے لوٹ لیا، اور جس فرش پر آپ بیٹھے تھے اسے چھین لیا، فوج کا یہ رنگ دیکھ کر آپ مصالحت کے لئے آمادہ ہو گئے[2]،

دینوری کا بیان ہے کہ ساباط پہنچکر آپ کو اپنی فوج کی کمزوری اور جنگ سے پہلو تہی کا اندازہ ہوا، اس لئے آپ وہیں رک گئے، اور فوج کو مخاطب کرکے تقریر فرمائی،

"لوگو! میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں، جس نظر سے اپنی ذات کو دیکھتا ہوں، میں تم لوگوں کے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں، امید ہے کہ اسے مسترد نہ کروگے، جس اتحاد و یکجہتی کو تم ناپسند کرتے ہو وہ اس اختلاف اور تفرقہ سے افضل و بہتر ہے، جسے تم چاہتے ہو، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں، اور کمزوری دکھا رہے ہیں، اس لئے میں تم لوگوں کو تمھاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا،

[1] اخبار الطوال ص ۲۳۳ [2] طبری ج، ص ۹،

یہ خیالات سن کر لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، خارجیون کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی، اس نے کہا حسن بھی اپنے باپ کی طرح کافر ہوگئے، ان مین سے کچھ آدمیون نے آپ کا مصلیٰ اور کپڑے چھین لئے، ان کا نرغہ دیکھ کر آپ گھوڑے پر سوار ہوگئے، اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی، انھون نے دوڑ کر خارجیون کو ہٹا دیا، اور آپ ساباط سے مدائن روانہ ہوگئے، راستہ مین ایک خارجی جراح بن قبیصہ نے جو آپ کی تاک مین چھپا ہوا تھا لپک کر حملہ کر دیا، آپ کی ران مین زخم آیا، خارجی پکڑ کے قتل کر دیا گیا اور حضرت حسنؓ مدائن مین داخل ہوگئے، اور زخم بھرنے تک یہان مقیم رہے۔

زخم اچھا ہونے کے بعد دوبارہ شامی فوج کے مقابلہ کے لئے جو عبید اللہ بن عامر کی ماتحتی مین مدائن کے قریب پڑی ہوئی تھی، نکلے، اس درمیان مین امیر معاویہؓ بھی فوجین لے کر انبار پہنچ چکے تھے، یہان قیس بنؓ سعد انصاری پہلے سے موجود تھے، اب گویا دو مورچے الگ الگ تھے، حضرت حسنؓ عبید اللہ بن عامر کے مقابلہ مین اور قیس بن سعدؓ امیر معاویہؓ کے مقابلہ مین، گو تاریخون مین اس کی تصریح نہیں لیکن واقعات و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عراقی فوج مین امیر معاویہؓ کا بھی اثر کام کر رہا تھا، اور اس کا ایک حصہ ان کے افسون کا شکار ہو چکا تھا، چنانچہ جب جب شامیون کے مقابلہ کا موقع آیا، عراقیون نے غداری کا ثبوت دیا، ایک واقعہ اوپر گذر چکا ہے، دوسرا یہ ہے کہ جب حضرت حسنؓ عبید اللہ بن عامر کے مقابلہ مین آئے تو اس نے عراقی فوج مین اعلان کر دیا کہ "مین جنگ کرنا نہین چاہتا، میری حیثیت تو معاویہ کے مقدمۃ الجیش کی ہے، اور وہ خود انبار پہنچ چکے ہین، ابو محمد (حضرت حسنؓ) کو سلام کے بعد میرا یہ پیام پہنچا دو کہ وہ خدا کے لئے اپنے اور اپنی جماعت کے حال پر رحم کرین"،

یہ پیام سن کر عراقیون نے جنگ سے ہاتھ روک لیا، حضرت حسنؓ نے یہ حال دیکھا تو جنگ کا

خیال ترک کرکے مدائن چلے گئے، آپ کے واپس آنے کے بعد عبید اللہ بن عامر نے محاصرہ کرلیا،

مصالحت اور دست برداری اس مین شبہہ نہین کہ حضرت حسنؓ کے ساتھ جو فوج تھی، اس نے ہر موقع پر غداری کی، لیکن قیس بن سعدؓ امیر معاویہؓ کے مقابلہ مین جمے ہوئے تھے، اور ان کی ماتحت بارہ[۱] ہزار سپاہ کٹنے مرنے کے لئے تیار، ابو عریق کا بیان ہے کہ شامیون کے لئے ہماری تلوارون کی دھارون سے خون ٹپک رہا تھا، جب ہم لوگون کو صلح کی خبر ہوئی تو شدت غم سے معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمر ٹوٹ جائے گی،[۲]

آپ کی ہمراہی فوج کے علاوہ چالیس ہزار کوفی آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لئے تیار بیٹھے[۳]، خود حضرت حسنؓ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ عرب کے سر میرے قبضہ مین تھے جس مین صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے اور جس سے مین جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے،[۴]

لیکن جیسا کہ آیندہ چل کر معلوم ہوگا، آپ مسلمانون کے خون کی قیمت پر خلافت خریدنا نہین چاہتے تھے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد سے برابر مسلمانون کے خون کی ندیان بہتی چلی آرہی تھین، ملک کا امن وامان اٹھ گیا تھا، اس لئے چند شرائط پر آپ امیر معاویہؓ کے حق مین دست برداری کے لئے آمادہ ہوگئے، اور امیر معاویہؓ کے پاس اپنی شرطین لکھ کر بھیجدین،

شرائط صلح مختلف تاریخون مین شرائط کی دفعات وتفصیلات مین اختلاف ہے، دینوری کا بیان اس باب مین زیادہ مستند ہے اور قرین قیاس بھی معلوم ہوتا ہے، اس کے بیان کے مطابق معاہدہ کی دفعات یہ تھین،

(۱) کسی عراقی کو محض پرانی عداوت کی بنا پر نہ پکڑا جائے، (۲) بلا استثنا سب کو امان

۱؎ یہ واقعات اخبار الطوال مین ص ۲۳۰ و ۲۳۲ سے ماخوذ ہین ۲؎ استیعاب ج ۱ ص ۳۷۰ ومستدرک حاکم ج ۳ ترجمہ حسنؓ ۳؎ ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۹ ۴؎ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۷۰،

دی جائے (۳) اہل عراق کی بد زبانیوں کو انگیز کیا جائے (۴) دار ابجرد کا پورا خراج حضرت حسنؓ کے لئے مخصوص کر دیا جائے (۵) امام حسینؓ کو دو لاکھ سالانہ دئے جائیں (۶) وظائف مین بنی ہاشم کو بنی امیہ پر ترجیح دی جائے،

امیر معاویہؓ نے بلا کسی ترمیم کے یہ تمام شرطین منظور کر لین اور اپنے قلم سے اقرار نامہ لکھ کر اس پر مہر کر کے اکابر شام کی شہادتین لکھوا کر عبید اللہ بن عامر کے ذریعہ امام حسنؓ کے پاس بھجوا دیا،[1]

طبری نے دو روایتیں نقل کی ہین، پہلی مستند روایت یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے تین شرطین پیش کین (۱) کوفہ کے بیت المال کا کل روپیہ آپ کو دے دیا جائے، (۲) دار ابجرد کا خراج آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے (۳) حضرت علیؓ پر اس طرح بر سرِ عام سب و شتم نہ کیا جائے کہ حضرت حسنؓ کے کانون تک پہنچے،

امیر معاویہؓ نے یہ تینون شرطین منظور کر لین،[2]

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے جو شرطین لکھ کر بھیجی تھین، اس کے پہنچنے کے قبل ہی امیر معاویہؓ نے ایک سادہ کاغذ پر مہر کر کے آپ کے پاس بھیجدیا تھا، کہ آپ جو شرطین چاہین لکھ دین سب منظور کی جائیں گی، حضرت حسنؓ کو یہ کاغذ ملا، تو آپ نے پہلی شرطوں کی دو گنی شرطین لکھ بھیجین، لیکن امیر معاویہؓ نے انھین نہین مانا اور دست برداری کے بعد کوئی شرط پوری نہیں کی، لیکن یہ بالکل غلط واقعہ ہے، تمام مورخین کا ایفائے عہد پر اتفاق ہے، بلکہ امیر معاویہؓ شرائط کے علاوہ وقتاً فوقتاً اور بھی سلوک کرتے رہتے تھے،

بعض کتابون مین ایک شرط یہ بھی ملتی ہے، کہ "امیر معاویہؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہونگے، لیکن یہ محض گڑھی ہوئی ہے، طبری، یعقوبی، مسعودی، ابن اثیر کسی معتبر کتاب مین اس کا

[1] اخبار الطوال ص ۲۳۱ [2] طبری ج ۷، ص ۴،

ذکر نہیں ہے، اور نہ آیندہ واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، یہ روایت محض حضرت حسنؓ کے زہر خورانی کے واقعہ کو جس کی تفصیل آیندہ آئے گی، حضرت امیر معاویہؓ کے سر تھوپنے کے لئے گڑھی گئی ہے، حضرت حسنؓ کا انتقال امیر معاویہؓ کی زندگی میں کئی برس پہلے ہوا تھا، اور زہر کے اثر سے ہوا تھا، اگر یہ شرط مان لی جائے تو زہر خورانی کی نسبت امیر معاویہؓ کی جانب قرین قیاس ہو جاتی ہے، لیکن اگر یہ شرط ہوئی ہوتی تو آیندہ کسی موقع پر جو بارہا پیش آئے، کسی کی زبان سے سنی جاتی، لیکن کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا، یزید کی ولیعہدی کی مخالفت میں عبد اللہ بن زبیر اور عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ وغیرہ نے یہ دلیل تو دی کہ یہ طریقہ خلفاے راشدینؓ کے طریقہ کے خلاف ہے، یا قیصر و کسریٰ کی سنت ہے، یہ کسی نے نہیں کہا کہ تمہارے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ تھے، اس لئے اب ان کی اولاد کو ہونا چاہئے، خود حضرت حسینؓ نے اپنے استحقاق اور یزید کی مخالفت میں بہت سی دلیلیں دیں، لیکن کسی موقع پر اس شرط کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یزید کی مخالفت کی یہ بھی ایک دلیل ہو سکتی تھی، بہر حال اس شرط کی تاریخی اور عقلی حیثیت سے کوئی اصل نہیں،

شرائط کی زبانی تصدیق شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد حضرت حسنؓ نے قیس بنؓ سعد انصاری کو جو امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں تھے، صلح کی اطلاع دے کر انہیں مدائن واپس آنے کا حکم دیا، انہوں نے فوج کو پڑھ کر سنایا، اور کہا اب صرف دو صورتیں ہیں، یا بغیر امام کے جنگ جاری رکھیں یا امیر معاویہؓ کی اطاعت قبول کر لیں، یہ فوج بڑی سرفروش تھی، لیکن اس وقت حضرت حسنؓ کے حکم کے خلاف لڑنا مناسب نہ سمجھا، اور جنگ روک کر قیس مدائن چلے آئے، اور حضرت حسنؓ کوفہ واپس ہو گئے، آپ کے کوفہ جانے کے بعد امیر معاویہؓ بھی یہاں آکر شرائط کی زبانی تصدیق بھی کردی[1]

[1] اخبار الطوال ص ۲۳۱ و ۲۳۲،

مجمع عام مین دست برداری کا اعلان

مصالحت کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد امیر معاویہؓ دست راست حضرت عمروؓ بن العاص نے ان کو مشورہ دیا کہ حسنؓ سے مجمع عام مین دست برداری کا اعلان کرادو تاکہ لوگ خود ان کی زبان سے سن لین، امیر معاویہؓ کو معلوم تھا کہ حضرت حسنؓ اپنی خوشی سے دست بردار ہوئے ہین، اور ان کی جانب سے آیندہ کوئی خطرہ نہیں ہے، اس لئے انھیں یہ پسند نہ تھا، مگر عمروؓ بن العاص کے اصرار سے مجبور ہو کر انھون نے حضرت حسنؓ سے دست برداری کے اعلان کی درخواست کی، آپ کو کیا عذر ہو سکتا تھا، آپ نے ان الفاظ مین اعلان فرمایا:-

"اما بعد! لوگو! خدا نے ہمارے اگلون سے تمھاری ہدایت اور پچھلون سے تمھاری خونریزی کرائی، دانائیون مین سب سے بڑی دانائی تقوی، اور عجز مین سب سے بڑا عجز بداعمالیان ہیں، یہ امر (خلافت) ہمارے اور معاویہ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے، یا وہ اس کے واقعی حقدار ہین یا مین ہون، دونوں صورتون مین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اصلاح اور تم لوگون کی خونریزی سے بچنے کے لئے اس سے دست بردار ہوتا ہون، پھر معاویہؓ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، "یہ خلافت تمھارے لئے چند روزہ سرمایہ ہے،" یہ سن کر امیر معاویہؓ بولے بس کیجئے، اور عمروؓ بن العاص سے کہا تمھارا مقصد حاصل ہو گیا، تم یہی سنوانا چاہتے تھے،[1]

مدینہ کا قیام

اس خاتم الفتن دست برداری کے بعد آپ کوفہ چھوڑ کر مدینۃ الرسول لوٹ گئے، اور تا عمر اپنے جد امجد کے جوار مین بسر کردی، آپ کی مدت خلافت چھ مہینہ سے لے کر سات مہینہ تک ہے، آپ کی تخت نشینی کا زمانہ تو رمضان ۴۰ھ متعین ہے، لیکن دست برداری کے زمانہ مین

[1] استیعاب واسد الغابہ ترجمہ حسنؓ،

اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں دست بردار ہوئے، اس لحاظ سے آپ کی مدتِ خلافت چھ مہینے ہوتی ہے،

قیس بن سعد اور امیر معاویہؓ میں مصالحت

قیس بن سعد انصاری امیر معاویہؓ کے بڑے مخالف اور حضرت علیؓ کے پُرجوش حامیوں میں تھے، یہ عرب کے نامور مدبر تھے، اس لئے امیر معاویہؓ شروع سے ان کو ملانے کی کوشش میں تھے، مگر کامیاب نہ ہوئے، جب تک قیسؓ مصر کے حاکم رہے، اس وقت وہاں امیر معاویہؓ کا زور نہ چل سکا، ان کے ہٹتے ہی مصر ہاتھوں سے نکل گیا، اس کی تفصیل اوپر حضرت علیؓ کے حالات میں گذر چکی ہے، حضرت علیؓ کے بعد قیسؓ اسی طرح حضرت حسنؓ کے وفادار رہے، عراقی فوج کی قیادت ان ہی کے ہاتھوں میں تھی، حضرت حسنؓ کے حکم سے مجبور ہو کر وہ معاویہؓ کا مقابلہ چھوڑ کر مدائن لوٹ آئے تھے، لیکن ان کی امارت کسی طرح تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہ تھے، ایک جماعت بھی امیر معاویہؓ سے لڑنے کے لئے ان کے ساتھ ہو گئی تھی، اس لئے امیر کو ان کے ملانے کی بڑی فکر تھی، اور وہ ہر قیمت پر ان سے صلح کے خواہشمند تھے، عمرو بن العاصؓ نے ان سے کہا بھی کہ قیس سے مصالحت کی کوشش نہ کرو، بزور قوت ان کو مطیع بناؤ، انھوں نے جواب دیا کہ ہم آسانی کے ساتھ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، جبتک شامیوں کی ایک بڑی تعداد کو بھینٹ نہ چڑھا دیں، جب تک ان سے لڑنا ناگزیر نہ ہو جائے گا، اس وقت میں ان سے نہ لڑوں گا، آخر میں امیر معاویہؓ نے ان کے پاس بھی مہر شدہ سادہ کاغذ بھیجا کہ وہ جو شرائط چاہیں لکھ دیں سب منظور کئے جائیں گے، حضرت حسنؓ دست بردار ہو ہی چکے تھے، قیسؓ بے سہارا کب تک لڑتے، اس لئے آخر میں انھوں نے بھی چند شرائط پر صلح کر لی، امیر معاویہؓ نے ان کی تمام شرطیں منظور کر لیں، اور ان کی راہ میں کوئی کانٹا باقی نہ رہ گیا[1]۔

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۴۳،

مصلحت کے اثرات ونتائج

حضرت حسنؓ کی مصالحت کے نتائج ملک وملت کے لئے بہت مفید ثابت ہوئے. مسلمانون کی خونریزی کا سلسلہ جو مدتون سے چلا آرہا تھا، بند ہوگیا، ملک مین امن وسکون پیدا ہوا اور جو طاقت خانہ جنگی مین پارہ پارہ ہورہی تھی، وہ پھر دشمنون کے مقابلہ مین صرف ہونے لگی، اور بیرونی فتوحات اور اندرونی اصلاح وترقی کا سلسلہ شروع ہوگیا، اس لئے اس سنہ کو "عام الجماعۃ" یعنی اتحاد واتفاق کا سال کہتے ہین لیکن شیعیان علیؓ کی جانب سے حضرت حسنؓ کو بڑی سخت مخالفتون کا سامنا کرنا پڑا، وہ آپ کو "مذل المومنین" مسلمانون کو رسوا کرنے والے "مسود وجوہ المومنین" مسلمانون کو روسیاہ کرنے والے "عار المسلمین" ننگ مسلمین القاب سے یاد کرتے تھے، آپ نے نہایت صبر وسکون کے ساتھ ان تمام گستاخیون کو برداشت کیا، لیکن کبھی سیاست مین حصہ نہین لیا،

وفات

دست برداری کے نو سال بعد ۵۰ھ مین مدینہ مین انتقال فرمایا، آپ کی موت کے سبب کے متعلق مشہور بیان یہی ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا، بعض روایتون مین ہے کہ امیر معاویہؓ کے اشارہ سے دیا گیا تھا، لیکن اس کی کوئی اصل نہیں ہے، یہ امیر کے مخالفین کا پروپگنڈا ہے، ہم نے سیر الصحابہ کے چھٹے حصہ مین مفصل بحث کی ہے، لیکن اتنا صحیح ہے کہ آپ کی وفات زہر سے ہوئی تھی، زہر نہایت قاتل تھا، اس لئے زہر کھاتے ہی صاحب فراش اور زندگی سے مایوس ہوگئے، حضرت امام حسینؓ کو بلاکر ان سے واقعہ بیان کیا، آپ نے زہر دینے والے کا نام پوچھا، فرمایا نام پوچھ کر کیا کروگے، عرض کیا قتل کرونگا، فرمایا اگر میرا گمان صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے، اور اگر غلط ہے تو مین نہین چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے،

آپ کو اپنے نانا کے پہلو مین دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی، حضرت عائشہؓ سے اس کی اجازت

مانگ بھیجی، آپ نے نہایت مسرت سے مرحمت فرمائی، حضرت حسنؓ نے احتیاطاً پھر وصیت کردی کہ میرے بعد دوبارہ اجازت لینا، ممکن ہے زندگی میں میری مروت سے دے دی ہو، اگر اس وقت بھی وہ اجازت دے دیں تو روضۂ نبویؐ میں دفن کرنا، مجھ کو خطرہ ہے کہ اس میں بنی امیہ مزاحم ہوں گے، اگر یہ صورت پیش آئے تو روضۂ نبویؐ میں دفن کرنے پر اصرار نہ کرنا اور بقیع کے گورِ غریباں میں دفن کر دینا،[1]

زہر کھانے کے تیسرے دن باختلافِ روایت ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں انتقال فرمایا،

جنازہ پر جھگڑا

وفات کے بعد وصیت کے مطابق حضرت امام حسینؓ نے دوبارہ حضرت عائشہؓ سے اجازت چاہی، آپ نے اسی فراخدلی سے مرحمت فرمائی، لیکن بنی امیہ کی طرف سے حضرت حسنؓ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا، مروان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہا حسنؓ کسی طرح روضۂ نبویؐ میں دفن نہیں کیے جا سکتے، ان لوگوں نے عثمانؓ کو تو یہاں دفن نہ ہونے دیا، اور حسنؓ کو دفن کرنا چاہتے ہیں، یہ نہیں ہو سکتا، حضرت حسینؓ بزور دفن کرنے پر آمادہ ہو گئے، اور قریب تھا کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں تلواریں چل جائیں کہ اتنے میں مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ پہنچ گئے اور چلائے کہ "یہ کیا ستم ہے کہ ابن رسول اللہ کو نانا کے پہلو میں دفن کیے جانے سے روکا جاتا ہے" پھر حضرت حسینؓ کو حضرت حسنؓ کی وصیت یاد دلائی، کہ اگر خونریزی کا خطرہ ہو تو بقیع کے قبرستان میں دفن کر دینا، اس یاددہانی پر حضرت حسینؓ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، سعید بنؓ العاص والی مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور اقلیم صلح و مسالمت کے تاجدار اور حلم و بردباری کے پیکر کو اس کی ماں حضرت فاطمہ زہراؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا،[2]

ماتم

حضرت حسنؓ اپنے خلقِ عظیم کی بنا پر اتنے محبوب و مقبول تھے کہ ان کی وفات پر سارے

---

[1] استیعاب ج ۱ ص ۱۴۵ و مروج الذہب ج ۳ ص ۳۸۰ [2] استیعاب و اسد الغابہ ترجمہ حسن بن علیؓ،

مدینہ میں صف ماتم بچھ گئی، بازار بند ہو گئے، گلیوں میں سناٹا چھا گیا، بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ منایا، حضرت ابوہریرہؓ مسجد نبویؐ میں فریاد و فغاں کرتے تھے، اور پکار پکار کر کہتے تھے، کہ لوگو! آج خوب رو لو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا[1]۔

جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ مدینہ میں اس کی مثال نہ ملتی تھی، ایک شریک جنازہ کا بیان ہے کہ اگر سوئی پھینکی جاتی تو کثرتِ اژدحام سے زمین پر نہ گر سکتی تھی[2]۔

حلیہ حضرت امام حسنؓ صورت اور سیرت دونوں میں ذاتِ نبویؐ کی تصویر تھے؛

ازدواج و اولاد آپ نے بکثرت شادیاں کیں، عام روایتوں کے مطابق تو آپ کی بیویوں کی تعداد مبالغہ آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے، لیکن اتنا صحیح ہے کہ آپ کے حبالۂ عقد میں بہت سی عورتیں آئیں، ان سے آٹھ لڑکے تھے، حسن، زید، عمر، قاسم، ابوبکر، عبدالرحمٰن، طلحہ، عبیداللہ۔

حضرت حسنؓ کا عظیم الشان کارنامہ دنیا کے تمام حکمرانوں کے کارنامے حکومت کے استحکام، فتوحات کی وسعت اور فوجوں کی کثرت کے معیار سے جانچے جاتے ہیں، اگر اس معیار کو ذرا اونچا اور موجودہ مذاق کے مطابق کر دیا جائے، تو ملک و قوم کی اصلاح و ترقی اس کا پیمانہ ہو جائے گا، اس سے زیادہ بلند کوئی معیار نہیں، لیکن حضرت حسنؓ نے دنیا کے سامنے ایک نیا نمونہ پیش کیا، آپ نے نہ حکومت کی بنیاد مضبوط کی، نہ ممالک فتح کئے، نہ فوج و خزانہ جمع کیا، بلکہ ان تمام چیزوں اور ایک ایسی عظیم الشان حکومت کو جس کا ایک سرا سندھ تھا، اور دوسرا جبرالٹر، مسلمانوں کے خون سے بچنے اور امت کی صلاح و فلاح کے لئے چھوڑ دیا، یہ وہ کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل سے تاریخ پیش کر سکتی ہے، حکومت کے بقا و تحفظ اور اس کی توسیع کے لئے تو دنیا کا ہر فرمانروا جنگ کرتا ہے، بلکہ قصرِ حکومت کی تعمیر ہی جنگ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۱ [2] تہذیب الکمال ص ۸۹،

کی ہولناکی اور انسانی خون سے ہوتی ہے، اپنی قوم کے چند انسانوں کے خون سے بچنے کے لئے تختِ حکومت کو چھوڑ دینا تاریخ کے نادر واقعات مین سے ہے،

ظاہری حالات سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہین ہے کہ آپ نے فوج کی کمزوری سے مجبور ہو کر حکومت چھوڑی، واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ہواخواہون مین سے ہر شخص دست برداری کے خلاف تھا، چنانچہ جس وقت آپ نے دست برداری کا ارادہ ظاہر فرمایا، تو حضرت حسینؓ نے عرض کیا، خدارا معاویہؓ کی تصدیق کرکے والد کو قبر مین نہ جھٹلائیے، آپ نے فرمایا تم خاموش رہو، مین معاملات کو تم سے بہتر سمجھتا ہون،[1]

اس چند ہزار سپاہ کے سوا جس نے کسی مخفی اثر کے تحت مین غداری کی تھی، باقی سارا عراق آپ کے ساتھ تھا، عرب کے نامور مدبر قیس بنؓ سعد انصاری آپ کے مقدمۃ الجیش کی کمان کر رہے تھے، اور آخر آخر تک امیر معاویہؓ کے مقابلہ سے ہٹنے پر آمادہ نہ تھے، ان کے علاوہ چالیس ہزار آدمی آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لئے تیار تھے،[2] بلکہ سارا عرب آپ کے ساتھ تھا، اور صلح و جنگ مین آپ کے حکم کے تابع تھا،[3]

لیکن مسلمانون کی پچھلی خونیں تاریخ آپ کی نگاہون کے سامنے تھی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد سے خانہ جنگی اور خونریزی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، وہ کسی طرح بند ہونے مین نہ آتا تھا، مسلمانون کی قوت آپس مین ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی، ملک مین بدامنی بپا تھی، آپنے دیکھا کہ تختِ حکومت کی قیمت مین آپ کو بھی ہزارون مسلمانون کی جان ادا کرنا پڑیگی، یہ سودا آپ کے لئے بہت گران تھا، آپکے نزدیک مسلمانون کا خون خلافت و حکومت سے زیادہ عزیز تھا، اس لئے امت کی بھلائی کے لئے آپنے اس عظیم الشان منصب کو چھوڑ دیا،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۱ [2] ابن عساکر ج ۳ ص ۲۱۹ [3] مستدرک ج ۳ ص ۱۷۰،

سب سے پہلی مرتبہ آپ نے جب اپنے عزیز خاص حضرت جعفر طیارؓ کے صاحبزادے سے دست برداری کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کا سبب یہ بتایا کہ "مین نے ایک رائے قائم کی ہے، امید ہے کہ تم بھی اس کی تائید کروگے، ملک مین فتنہ و فساد برابر بڑھتا جاتا ہے، خون کی ندیان بہ چکی ہین، عزیز کو عزیز کا پاس نہین، قطع رحم کی گرم بازاری ہے، راستے خطرناک ہو رہے ہین، سرحدین بیکار ہو گئی ہین، اس لئے مین خلافت سے دست بردار ہو کر مدینہ چلا جانا چاہتا ہون[1]،

ایک موقع پر جب کہ بعض لوگون نے آپ کو خواہش خلافت سے متہم کیا تھا، آپ نے فرمایا "عرب کے سر میرے قبضہ مین تھے، جس سے مین صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے، اور جس سے مین جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے، لیکن مین نے خالصۃً للہ اور مسلمانون کے خون سے بچنے کے لئے خلافت چھوڑ دی[2]"

جو لوگ اس دست برداری کے خلاف تھے، وہ طرح طرح کے خطابات سے آپ کو یاد کرتے، "مذل المومنین" مسلمانون کو رسوا کرنے والے، آپ کا لقب ہو گیا تھا، آپ جواب مین فرماتے "مین نے مسلمانون کو رسوا نہین کیا، البتہ ملک کی ہوس مین مسلمانون کی خونریزی پسند نہین کی[3]"

امام نووی لکھتے ہین :-

"چالیس ہزار سے زیادہ آدمیون نے حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور وہ سات مہینے حجاز، یمن، عراق اور خراسان وغیرہ پر حکمران رہے، اس کے بعد معاویہ ان کے مقابلہ کے لئے اٹھے، حضرت حسنؓ بھی نکلے، جب دونون کا سامنا ہوا تو حضرت حسنؓ کو اس کا اندازہ ہوا کہ جب تک مسلمانون کی بڑی تعداد کام نہ آجائے گی اس وقت تک کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے،

---

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۲۱ و ۲۲۲ [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۷۰ [3] استیعاب و مستدرک تذکرہ حسنؓ،

اس لئے چند شرائط پر وہ امیر معاویہؓ کے حق مین دست بردار ہوگئے، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہوگئی کہ میرا یہ لڑکا سردار ہے، خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانون کے دو بڑے فرقون مین صلح کرائے گا[1]،

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا شروع ہی سے جنگ کا ارادہ نہ تھا، طبری کا بیان ہے کہ آپ کا ارادہ جنگ کا تھا ہی نہین، بلکہ شروع سے آپ نے قصد کر لیا تھا کہ اگر جنگ کی نوبت آئی تو امیر معاویہؓ سے اپنا گذارہ مقرر کرا کے ان کے حق مین خلافت سے دست بردار ہو جائینگے[2]،

فضل و کمال | حضرت حسنؓ حضرت علیؓ جیسے مجمع العلم کے فرزند تھے، اور اسی گہوارۂ علم مین آپ نے پرورش پائی تھی، اس لئے آپ کو بھی اپنے اسلاف کی علمی وراثت سے حصہ ملا تھا،

حدیث مین آپ کی روایات کی تعداد کل تیرہ ہے، جن مین سے اکثر حضرت علیؓ سے مروی ہین، آپ کے زمرۂ رواۃ مین حضرت عائشہؓ صدیقہ کا نام بھی ہے، فقہ مین آپ کو اتنا درک تھا کہ مدینہ کی صاحب علم و افتا جماعت کے ایک رکن تھے[3]، خطابت مین آپ کو کوئی امتیازی کمال حاصل نہ تھا، آپ کی طبیعت کی مناسبت سے آپ کے خطبات، متانت، سنجیدگی اور پند و موعظت کی کتاب ہوتے تھے، جس کے بعض نمونے اوپر گذر چکے ہین، شاعری سے ذوق تھا، ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین آپ کا ایک شعر نقل کیا ہے،

فضائل اخلاق | مکارم اخلاق مین آپ خلق رسول کا نمونہ تھے،

استغنا و بے نیازی | آپ کے فضائل اخلاق مین استغنا و بے نیازی سر فہرست ہی، خلافت جیسے جلیل القدر منصب سے دست بردار ہو کر استغنا اور بے نیازی کا جو بلند نمونہ آپ نے پیش کیا وہ تاریخ مین بے مثال ہے،

---

[1] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۵۹ [2] طبری ج ۷ ص ۱ [3] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۲،

حلم | آپ کا دوسرا امتیازی وصف ضبط و تحمل ہے، آپ کی زبان کبھی کسی تلخ اور درشت کلمہ سے آلودہ نہ ہوئی، انتہائی غصہ کی حالت مین بھی کسی کے متعلق "رغمت انفہ" "اس کی ناک خاک آلود ہو" سے زیادہ کچھ نہ کہتے تھے؛[1]

وسعت برداری کے بعد مخالفین آپ کے رو در رو مسلمانون کے رسوا کرنے والے اور ننگِ مسلمین کہتے تھے، آپ صرف اس قدر جواب دیتے، کہ مین نے مسلمانون کو رسوا نہین کیا، البتہ حکومت کے لئے ان کی خونریزی پسند نہین کی،

مروان برسرِ عام منبر پر حضرت علیؓ کو برا بھلا کہتا تھا، حضرت حسنؓ سن کر پی جاتے تھے اور کوئی جواب نہ دیتے تھے،[2] ایک مرتبہ دونون مین گفتگو ہو رہی تھی، مروان نے آپ کی شان مین نہایت درشت کلمات استعمال کئے، آپ سن کر خاموش ہوگئے،[3] آپ کے اس ضبط و تحمل کا مروان جیسے شخص پر بھی اتنا اثر تھا کہ آپ کی وفات کے بعد روتا تھا، حضرت حسینؓ نے اس سے فرمایا، اب روتے ہو؟ ان کی زندگی مین تم نے ان کے ساتھ کیا کیا نہ کیا، مروان نے پہاڑ کی طرف اشارہ کرکے کہا مین نے جو کچھ کیا، اس سے زیادہ حلیم و بردبار کے ساتھ کیا؛[4]

عبادت | خدا کی عبادت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھی، امیر معاویہؓ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کئے، اس نے آپ کے یہ معمولات بتائے، "فجر کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک مصلیٰ پر رہتے ہین، پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہین اور آنے جانے والون سے ملتے ہین، دن چڑھے چاشت پڑھ کر امہات المومنین کے سلام کو جاتے ہین، اور گھر ہوتے ہوئے پھر مسجد آجاتے ہین؛"[5]

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۹ [2] تاریخ الخلفاء ص ۱۸۹ [3] ایضاً [4] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۶ [5] ایضاً ص ۲۰۶

سواریوں کے ہوتے ہوئے پاپیادہ حج کرتے تھے، متعدد حج پاپیادہ کئے، فرماتے تھے کہ مجھے خدا سے حجاب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے گھر پیادہ نہ گیا ہوں[۱]۔

اصلاحِ عقائد دین کی بنیاد عقائد کی صحت پر ہے، اسی زمانہ سے اہل بیت کی غلط محبت کے دعویداروں نے اہل بیت کے نام سے مذہب میں خرافات داخل کرنا شروع کر دیئے تھے، جب آپ کو اس قسم کے فاسد عقائد کی اطلاع ہوتی تو آپ اس کی تردید فرماتے تھے، شعیانِ علیؓ کی ایک جماعت کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ نے عام انسانوں کی طرح وفات نہیں پائی ہے، اور قیامت سے پہلے ہی وہ زندہ ہو جائیں گے، حضرت حسنؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا، یہ لوگ جھوٹے ہیں، ایسے لوگ ہرگز شیعہ نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم کو اس کا یقین ہوتا کہ علیؓ عنقریب ظاہر ہوں گے تو ہم نہ ان کی میراث تقسیم کرتے اور نہ ان کی بیویوں کا عقد ثانی ہونے دیتے[۲]۔

فیاضی و سیر چشمی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ آپ کا خاندانی وصف تھا، آپ بھی اپنی دولت خدا کی راہ میں بڑی دریا دلی سے صرف کرتے تھے، عمر میں تین مرتبہ اپنے کل مال کا آدھا آدھا خدا کی راہ میں تقسیم کر دیا اور اس تنصیف میں اتنے مبالغہ سے کام لیا کہ دو جوتوں میں سے ایک جوتا بھی دیدیا[۳]۔

آپ کے دوست و دشمن دونوں آپ کی فیاضی سے یکساں متمتع ہوتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے ایک دشمن کے پاس زاد راہ سواری نہ تھی، اس نے اہل مدینہ سے سوال کیا، لوگوں نے حضرت حسنؓ کا پتہ دیا، وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے دونوں چیزوں کا انتظام کر دیا، بعض لوگوں نے اعتراض کیا، کہ آپ اپنے اور اپنے والد

[۱] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۵۸ [۲] طبقات ابن سعد تذکرہ علی بن حسینؓ [۳] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۳۔

کے دشمن کے ساتھ سلوک کرتے ہیں؟ فرمایا کیا ان سے اپنی آبرو نہ بچاؤں[1]، اس قبیل کے بہت سے واقعات تاریخوں میں ہیں۔

اہل حاجت کی حاجت برآری حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کو نفل عبادت پر ترجیح دیتے تھے، ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے، ایک حاجت مند آپ کے پاس آیا آپ نے اعتکاف کے دائرہ سے نکل کر اس کی ضرورت پوری کر دی، اور فرمایا، میرے نزدیک کسی بھائی کی حاجت پوری کرنا ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے[2]۔

FAISAL JHANDIR LIBRARY
10 MAR 2021

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۴، [2] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۴۔